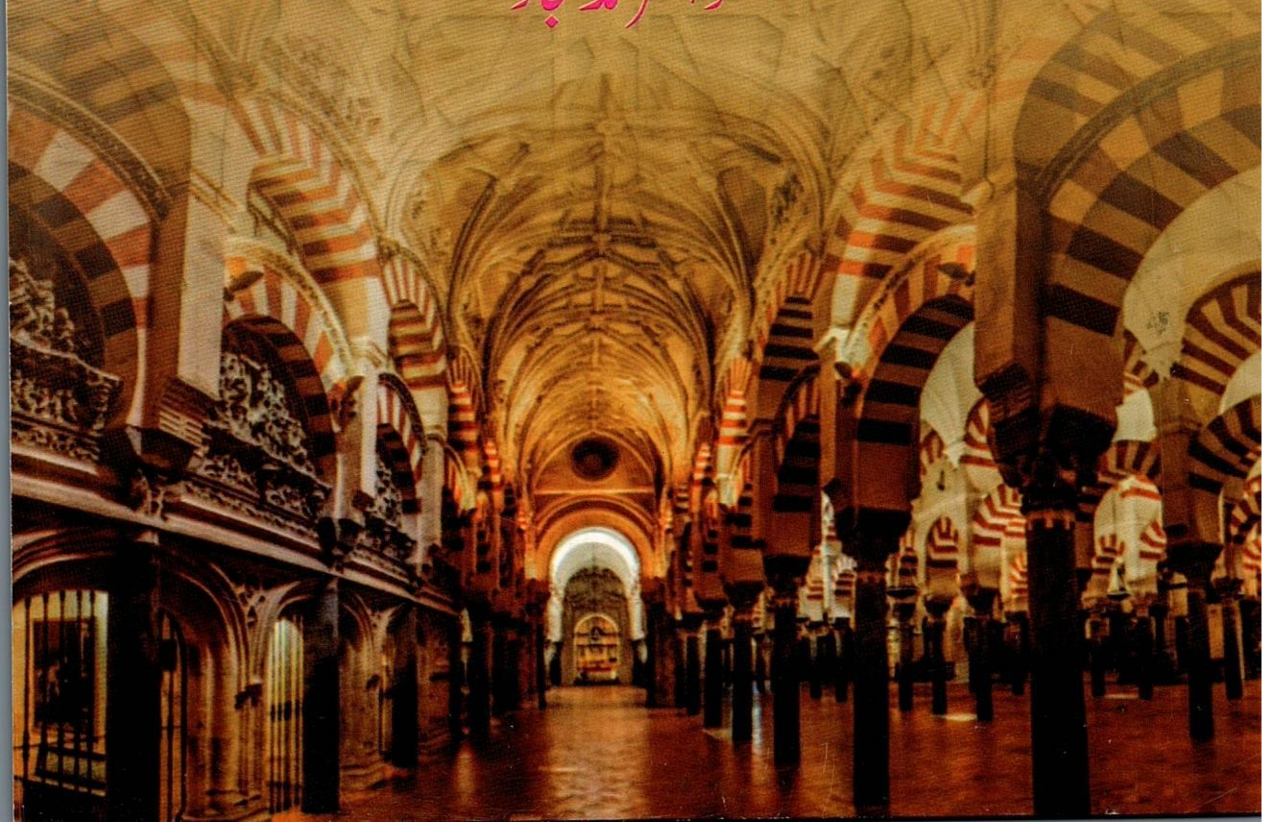
تاریخ اسلام (لازمی کورس)

(دور بنوامیہ تا عہد حاضر)

برائے ایم اے علوم اسلامیہ

کوڈ 4602 یونٹ 1 تا 9

مرتب
ڈاکٹر محمد سجاد



تاریخ اسلام

(دور بنو امیہ تا عہد حاضر)

(لازمی کورس)

برائے ایم اے علوم اسلامیہ

کوڈ 4602 (یونٹ 1 تا 9)

مرتب

ڈاکٹر محمد سجاد

ایسوسی ایٹ پروفیسر



شعبہ اسلامی فکر، تاریخ و ثقافت

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس کوڈ 4602

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

اشاعت.. 2019

تعداد اشاعت.. 5000

قیمت.. -/200 روپے

نگران طباعت.. مینجمنٹ کمیٹی برائے پی پی یو

طابع.. ایم عباس انٹر پرائزز

ناشر.. علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس ٹیم

چیئرمین: ---------------------------- پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی
ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

مؤلفین: ---------------------------- پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی
شعبہ فکر اسلامی تاریخ وثقافت

نظر ثانی: ---------------------------- پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
---------------------------- پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی
---------------------------- ڈاکٹر محمد سجاد

کورس رابطہ کار: ---------------------------- ڈاکٹر محمد سجاد
---------------------------- ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ فکر اسلامی تاریخ وتمدن
---------------------------- علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

تدوین: ---------------------------- انوار الحق

فہرست مضامین

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو انسان کی بنیادی ضرورتوں کا سامان بھی پیدا کیا۔ اس کی مادی ضرورتیں پوری کیں۔ اسی طرح اس نے انسانوں کی روحانی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے ہر دور اور ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے۔ بعض انبیاء اور رسل پر اپنی کتابیں بھی نازل کیں۔ تا کہ انسانیت ان پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو جائے۔

تاریخ اسلام کا آغاز پہلے نبی اور رسول کی آمد سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ انبیاء اور رسل کے خاتم حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری سے اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کی تکمیل فرماتا ہے اور اپنے دین کو مکمل فرما دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت سے لے کر آج تک کے جدید واقعات جن کا تعلق اسلام اور اہل ایمان سے ہے یہ سب تاریخ اسلام و مسلمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مطالعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، قرآن حکیم نے سابقہ اقوام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے جو مقاصد واضح کئے ہیں ان میں بنیادی مقصد عبرت و نصیحت ہے اور تاریخ اسلام کا بھی بنیادی مقصد یہی ہے کہ ماضی کے واقعات سے انسان خود اپنے سماج اور معاشرہ کو سنوارے، اپنے شاندار ماضی، علمی ورثہ اور عظیم فکری و علمی تراث کو پیش نظر رکھے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی کمزوریوں، کوتاہیوں اور لغزشوں کا بھی تحلیل و تجزیہ کریں تا کہ اس کا مستقبل شاندار ہو۔

زیر نظر کورس تاریخ اسلام (بنو امیہ تا عہد حاضر) ایم اے علوم اسلامیہ کا لازمی کورس ہے، جسے شعبہ اسلامی فکر تاریخ و ثقافت کے اساتذہ نے ڈین کلیہ عربی و علوم اسلامیہ کی نگرانی میں مرتب کیا ہے۔ میں اس موقع پر کلیہ عربی و علوم اسلامیہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے نصاب کو از سر نو ترتیب دیا ہے، ہماری کوشش ہے کہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کتب پر نظر ثانی ہو اور نصاب کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔

ان شاء اللہ اس پر کام بڑی تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ زیرنظر کتاب اسی سلسلہ کی کڑی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں علم کے نور سے منور فرمائے اور اس نور کو دوسروں تک پہنچانے کی توفیق اور صلاحیت عطا فرمائے (آمین)۔

وائس چانسلر

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

حرف آغاز

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے علم کے میدان میں تمام اقوام عالم پر ایسی برتری عطاء فرمائی ہے کہ اس کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا ایک عام انسان کیلئے تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔ مسلمانوں نے جن علوم کو ایجاد کیا یا جن کے معیاروں کو جدید تحقیقی بنیادیں عطا کیں، ان کی ایک طویل فہرست ہے مثلاً علم تفسیر، علم حدیث، علم اصول حدیث، علم الفقہ، علم اصول فقہ، علم الکلام، علم فلکیات، علم ارضیات، علم الہیات، علم الادیان وغیرہ۔ ان تمام علوم کی بنیادیں رکھنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے علم تاریخ میں جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ اس کے اندر نئے تحقیقی اصولوں کو رواج دینا ہے۔ جن سے مسلمانوں سے ماقبل قومیں یہودی، عیسائی، مجوسی، ہندو، بدھ وغیرہ تو قطعاً نابلد تھیں لیکن یہ امر باعث حیرت ہے کہ ان تحقیقی اصولوں کی آج بھی جدید یورپی اقوام دور حاضر میں مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ مسلمانوں نے تاریخ کی بنیاد رکھ کر تمام دنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ جس کی مثال دور قدیم یا دور جدید میں کسی سطح پر بھی نہیں دی جاسکتی۔

مسلمانوں کے ان تاریخی تحقیقی اصولوں سے قبل دنیا میں تمام اقوام کی تاریخ ایک رطب و یابس، افسانوی اور دیو مالائی کہانیوں کا مجموعہ تھی۔ اس حقیقت کو دور جدید کے تمام مصنفین چاہے ان کا تعلق ہندومت سے ہو یا یورپ کے کسی فکر و مذہب سے اب تک تسلیم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے مقابلے میں کوئی قوم اپنی سابقہ تاریخ کی حقانیت اور سچائی کی دعویدار نہیں اس کا اقرار خود دور جدید کے یورپی مورخین مثلاً گبن، ہٹی، لیان، وغیرہ اور پنڈت جواہر لال نہرو نے ہندوستان کے اندر برملا کیا ہے۔

مسلمانوں نے علم تاریخ کی تجدید کرنے کے ساتھ ساتھ اس علم کی مختلف اقسام کو بھی رواج دیا ہے۔ مثلاً سیرت النبی ﷺ، سیرت صحابہؓ، سیرت خلفائے راشدینؓ، تاریخ الملوک، تاریخ الامم، تاریخ العلوم، تاریخ انساب، تاریخ کتب، تاریخ وزراء، شخصیات کی تاریخ اور اس کے علاوہ متعدد اقسام پائی جاتی ہیں۔ اس قسم کی تمام اقسام ہمیں دور جدید میں بھی یورپ یا دنیا کے کسی خطے میں نہیں ملتیں اور یہ بات مسلمانوں کی علمی برتری پر دور جدید میں بھی واضح دلالت کرتی ہے اور یہ برتری رسول اکرم ﷺ کے اس قول کی مرہون منت ہے کہ ''اسلام ہر دور میں بلند رہے گا اور اس پر کوئی اور نظریہ برتری حاصل نہیں کر سکے گا'' بلاشبہ اس سے مراد سیاسی و علمی دونوں برتریاں ہیں لیکن دور حاضر میں یہ حدیث علمی غلبہ کی واضح

نشاندہی کر رہی ہے۔

زیرنظر کورس تاریخ اسلام ایم اے علوم اسلامیہ کے طلبہ و طالبات کیلئے ایک لازمی کورس کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے اس کورس میں ایک طالب علم کیلئے یہ کوشش کی گئی ہے کہ وہ تاریخ اسلام کے تمام ادوار اور اس سے قبل کے حالات سے بھی آگاہی حاصل کرلے۔ایک طالب علم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اس حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک دنیا پر اس طریقے سے حکمرانی کی ہے کہ آج بھی اس کی مثال دور حاضر کے مقتدر طبقے کیلئے ایک بہترین سبق ہے۔اور اگر دنیا امن کی طرف گامزن ہونا چاہتی ہے تو اسے دوبارہ مسلمانوں کی سیاسی برتری کو تسلیم کرنا پڑیگا۔

زیرنظر کورس میں تمام ادوار کی تفصیل بیان نہیں کی گئی بلکہ ان ادوار کا ایک موثر تعارف جو طالب علم کی رہنمائی کیلئے کافی بنیاد فراہم کرتا ہے پیش کیا گیا ہے۔ایم۔اے اسلامیات کی سطح پر اس کورس کو متعارف کرانے کا مقصد ایک طالب علم کو تاریخ اسلام کی حقیقت سے آگاہ کرنا ہوتا ہے اور اگر طالب علم اس میں مزید دلچسپی لینا چاہیے تو اس کیلئے ایم فل اور ڈاکٹریٹ کی سطح پر اس علم میں مزید تعلیم کے حصول کے مواقع موجود رہتے ہیں اور اس سطح پر علم تاریخ میں اپنی علمی تشنگی کو سیراب کرسکتا ہے۔

بندہ اس لازمی کورس کی تیاری میں محترم وائس چانسلر جناب پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن بٹ صاحب کا تہہ دل سے مشکور وممنون ہے کہ جن کی دل آویز سرپرستی سے آج یہ کورس پایہ تکمیل تک پہنچ رہا ہے۔مزید اپنے شعبے کے دونوں رفقاء کار محترم ڈاکٹر محمد سجاد صاحب اور محترم محی الدین ہاشمی صاحب کی شبانہ روز انتھک محنتوں کی داد دیئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ ان کی کوششوں نے اس خواب کو حقیقت کا روپ بخش دیا۔میں ان دونوں حضرات کا بھی از حد شکر گزار ہوں۔

مزید شعبے کے تمام غیر تدریسی ممبران کو اور خصوصاً محمد نعیم قاضی کو بھی خراج تحسین پیش کرتے ہوئے رب ذوالمنن کے حضور سجدہ ریز ہو کر دعا گو ہوں کہ وہ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور اس کورس کو طلبہ و طالبات اور اہل علم طبقہ کیلئے خیر کثیر کا باعث بنائے۔(آمین)

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

ڈین

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس کا تعارف

تاریخ اسلام (بنو امیہ تا عہد حاضر) کا کورس ایم اے علوم اسلامیہ کے طلبہ کیلئے پیش کیا جا رہا ہے، علم تاریخ اصطلاحاً اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے امراء، فاتحین، علماء، اولیاء، مصلحین اور مشہور شخصیات کے حالات اور ازمنہ رفتہ کے عظیم الشان واقعات تک رسائی حاصل ہو سکے۔ نیز اقوام سابقہ کی معاشرت، اخلاق اور تہذیب و تمدن وغیرہ سے واقف ہونے کا ذریعہ بن سکے۔

تاریخ کے ذریعے ہم اپنے اسلاف کے احوال اور کارہائے نمایاں سے واقف ہوتے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کیلئے عقیدت اور ارادت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ حوصلہ کو بلند کرتا ہے۔ نیکیوں کی ترغیب دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے بوجھل دل ہلکے ہوتے ہیں، قوت فیصلہ بڑھتی ہے، صبر و استقلال کی صنعت پیدا ہوتی ہے۔ اور دل و دماغ میں ہر وقت تازگی کی کیفیت موجود رہتی ہے۔ علم تاریخ ہزاروں واعظوں کا ایک واعظ اور عبرت آموزی کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ تاریخی مطالعہ کے ذریعہ انسان ہر وقت اپنے آپ کو حکام، فاتحین، مصلحین، حکماء اور علما کی مجلس میں پاتا ہے اور ان تمام شخصیات کے علم و عمل سے استفادہ کرتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ گوناگوں فوائد کا مجموعہ ہونے کے علاوہ نہایت دلچسپ اور دلکش بھی ہے۔

دنیا کی تمام اقوام میں صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جس کی تاریخ شروع سے لے کر آخر تک محفوظ و موجود ہے۔ مسلمان مورخین نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک مسلمانوں پر گزرنے والے حالات و واقعات کے قلم بند کرنے اور بذریعہ تحریر محفوظ کرنے میں مطلق کوتاہی اور غفلت سے کام نہیں لیا۔ مسلمان کو بجا طور پر فخر ہے کہ وہ اسلام کی مکمل تاریخ ہم عصر مورخین اور عینی شاہدوں کے بیان سے مرتب کر سکتے۔ اور پھر ان مورخین اور

بااعتماد راویوں کے بیانات میں تواتر کا درجہ بھی دکھا سکتے ہیں، غرضیکہ مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جو اپنی مستند اور مکمل تاریخ رکھتی ہے۔

تاریخ اسلام پندرہ صدیوں کے واقعات، حادثات، نشیب وفراز اور احوال وحالات پر مشتمل ہے، اس حوالہ سے مسلمان مورخین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مسعودی، ابن جریر طبری، ابن خلدون، ابن کثیر اور ابن خلکان اس فن کے مشہور نام ہیں۔ اس وسیع وعریض تاریخی مواد کے مطالعہ کیلئے بھرپور توجہ اور طویل وقت کی ضرورت ہے۔ اس کورس میں کوشش کی گئی ہے کہ تاریخ اسلام کے ان پہلوؤں کو متعارف کرایا جائے، جن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور طلبہ کو اتنا مطالعہ کرادیا جائے جس کی بنیاد پر انہیں اس موضوع کے ساتھ مناسبت اور دلچسپی پیدا ہو جائے۔

اس کتاب میں تاریخ اسلام والمسلمین کے مختلف ادوار کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس کورس کی بنیاد جن کتابوں پر رکھی گئی ہے، ان کے نام ذیل میں دیئے جارہے ہیں۔ طلبہ کو چاہیے کہ ان کتابوں کا مطالعہ، اس کتاب میں دی گئی ترتیب کے مطابق کریں۔

1۔	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین احمد ندوی
2۔	تاریخ اسلام	اکبر شاہ خان نجیب آبادی
3۔	تاریخ الخلفاء (اردو ترجمہ)	علامہ جلال الدین سیوطی
4۔	تاریخ ملت	مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی
5۔	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ	ثروت صولت
6۔	دولت عثمانیہ	محمد عزیز
7۔	سلاطین ترکیہ	لین پول (اردو ترجمہ نصیب اختر)
8۔	تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ

9- آب کوثر شیخ محمد اکرام

10- اورنگزیب عالمگیر علامہ شبلی نعمانی

طلبہ کو جو کتاب دی جا رہی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ طالب علم کے سامنے اہم نکات، یونٹ کے اغراض ومقاصد اور یونٹ کے درسی مواد کا خلاصہ آجائے گا (اور وہ باآسانی سمجھ سکے گا کہ دوران مطالعہ اس نے کن کن گوشوں پر زیادہ توجہ دینا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ طلبہ اس کورس کو پوری توجہ، دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ پڑھیں گے اور نہ صرف یہ کہ خود اس سے مستفید ہونگے بلکہ اپنے احباب اور عزیز واقارب کو بھی اس مطالعہ میں شریک کرینگے، اس کورس میں تیاری کے لئے راقم ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی اور برادرم محی الدین ہاشمی صاحب کا تہہ دل سے مشکور ہے۔ اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کورس رابطہ کار!

ڈاکٹر محمد سجاد
ایسوسی ایٹ پروفیسر
شعبہ اسلامی فکر، تاریخ وثقافت
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس کے مقاصد

امید ہے اس کورس سے متعلق درسی مواد کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

1۔ خلافت اموی کے آغاز وارتقاء اور نمایاں خدمات سے آگاہ ہوسکیں۔

2۔ خلافت عباسی کے عہد میں مسلمانوں کی علمی وتہذیبی ترقی کا مطالعہ کرسکیں۔

3۔ سپین کے مسلمانوں کے حالات اور مصر وشمالی افریقہ کے حالات کا جائزہ لے سکیں۔

4۔ ایران کی قدیم وجدید تاریخ سے آگہی حاصل کرسکیں

5۔ خلافت عثمانیہ کی فتوحات اور وسعت کا مطالعہ کرسکیں۔

6۔ برصغیر میں مسلم حکومت کے قیام اور زوال کے اسباب جان سکیں۔

7۔ جدید دنیائے اسلام کے معروضی حالات سے آگاہ ہوسکیں۔

یونٹ نمبر 1

دور بنو امیہ نمبر 1

آغاز، عروج، زوال اور اس کے اسباب

تالیف

محی الدین ہاشمی

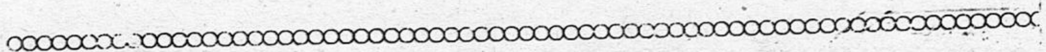
نظر ثانی

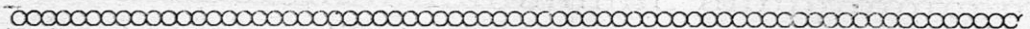
پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

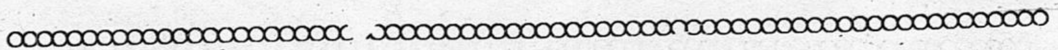


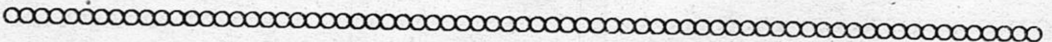
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات









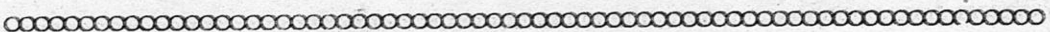
یونٹ کا تعارف:

خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت کی بناء پڑ گئی، اس کے بانی حضرت امیر معاویہؓ تھے۔ آپ کا تعلق قریش کی ایک شاخ بنو امیہ سے تھا، اس یونٹ میں آپ خاندان بنو امیّہ کے تعارف، خلافت کے قیام کے لیے ان کی جدو جہد، اموی خلافت کے قیام، خلفاء کے حالات زندگی اور ان کے کارناموں کا مطالعہ کریں گے۔ علاوہ ازیں آپ ان اسباب و عوامل کا مطالعہ بھی کریں گے جن کی بناء پر اموی حکومت شکست و ریخت کا شکار ہوئی اور بالآخر اختتام پذیر ہوئی۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ بنو امیہ کی تاریخ اور اموی خلافت کے قیام کے حالات بیان کر سکیں۔
2۔ امیر معاویہ کے عہد میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر بحث کر سکیں۔
3۔ سانحہ کربلا اور عبداللہ بن زبیر کی خلافت اسلامیہ کے قیام کی جدو جہد کو تفصیلاً بیان کر سکیں۔
4۔ اموی عہد کی شاندار فتوحات پر تبصرہ کر سکیں۔
5۔ عمر بن عبدالعزیز کی اسلامی اصلاحات پر روشنی ڈال سکیں۔
6۔ اموی حکومت کے زوال کے اسباب پر ایک جامع نوٹ قلمبند کر سکیں۔



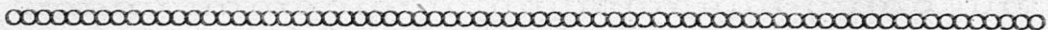
1۔ خاندان بنوامیہ کا تعارف

قبیلہ قریش کی چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں:

1۔ بنی ہاشم	2۔ بنی امیہ	3 بنی نوفل
4۔ بنی عبددار	5۔ بنی اسد	6۔ بنی تیم
7۔ بنی مخزوم	8۔ بنی عدی	9۔ بنی جمع
10۔ بنی سہم		

اگرچہ یہ سب شاخیں نسبی اعزاز میں قریب قریب تھیں اور ان سب کے پاس قریش کے اجتماعی نظام کا کوئی نہ کوئی عہدہ تھا مگر بنی ہاشم اور بنی امیہ دنیاوی وجاہت اور شان وشوکت میں ان سب میں ممتاز تھے۔ خاندان بنی ہاشم خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے ممتاز تھا جبکہ خاندان بنی امیہ کو افرادی اکثریت، کثرت مال اور سپہ سالاری کی وجہ سے عرب میں امتیاز حاصل تھا۔

خاندان بنی امیہ کے مورث اعلیٰ کا نام امیہ بن عبدشمس تھا انہی کے نام کی نسبت سے یہ خاندان بنی امیہ کہلایا۔ ہجرت مدینہ کے بعد قریش اور مسلمانوں کے مابین جو جنگیں ہوئیں ان میں سپہ سالار اسی خاندان میں سے ہوئے۔ ان دونوں خاندانوں میں ابتداء ہی سے رقابت ومسابقت پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرمؐ کو نبوت ملی تو آپ کے خاندانِ بنی ہاشم سے ہونے کی بناپر خاندانِ بنی امیہ نے سب سے زیادہ مخالفت کی۔ ان کی یہ مخالفت فتحِ مکہ تک بڑے زور شور سے جاری رہی لیکن جب 8 ہجری میں فتح مکہ کے بعد ان کا زور ٹوٹا تو اس وقت جہاں قریش کے خاندانوں نے اسلام قبول کیا وہاں خاندانِ بنوامیہ نے بھی اسلام کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کردیا۔ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے بنوامیہ کی تالیفِ قلب فرمائی اور جلد ہی آپ کے زیرِ سایہ عربوں کی تمام باہمی رقابتیں اور تعصبات مٹ گئے اور ان کی جگہ اسلامی اخوت، محبت اور بھائی چارے نے لے لی۔



1.1 اموی خلافت کا قیام:

دورِ نبویؐ اور عہدِ خلافت راشدہ میں خاندانِ بنوامیہ کے لوگوں کو مختلف عہدے اور منصب حاصل تھے۔ حضرت عثمان جو بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے، نبی اکرمؐ کے داماد تھے۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان کی بیٹی تھیں جبکہ ابوسفیان عہد نبویؐ میں نجران کے عامل تھے۔ فتحِ مکہ کے بعد حضورﷺ نے عتاب بن اسید کو مکہ کا عامل مقرر کیا جن کا تعلق بنوامیہ سے تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دور آیا تو انہوں نے ابوسفیان کے بیٹے یزید بن ابوسفیان کو شام پر فوج کشی کرنے کیلئے فوج کے ایک حصے کا افسر مقرر کیا تھا۔ عہد فاروقی میں یزید بن ابوسفیان کو فتح دمشق کے بعد وہاں کا عامل بنا دیا گیا اور 18 ہجری میں ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی معاویہ کو وہاں کا عامل مقرر کر دیا۔ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے دور میں امیر معاویہ تمام بلادِ شام بشمول دمشق، اردن اور فلسطین کے والی مقرر کیئے گئے لیکن شہادت عثمانؓ کے بعد جب حضرت علیؓ کا دور آیا تو آپ نے اس خاندان کے تمام گورنر بیک قلم معزول کر کے نئے گورنر مقرر کر دیئے، مگر شام کے حاکم امیر معاویہ نے گورنری چھوڑنے سے صاف انکار کرتے ہوئے قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کر دیا۔ اس طرح انہوں نے شامی سرداروں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ گویا شہادتِ عثمانؓ کا واقعہ حضرت علیؓ کی وجہ سے ہوا۔ چنانچہ شامی بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے چنانچہ 37 ہجری میں دونوں کی فوجوں کے مابین صفین کے مقام پر جنگ ہوئی جو جنگ صفین کہلاتی ہے۔ اس جنگ میں شامی فوج کو جب شکست ہونے لگی تو انہوں نے قرآن مجید کے اوراق نیزوں پر بلند کر کے اعلان کر دیا کہ ہمارے درمیان قرآن حکم ہے اور وہی فیصلہ کرے گا۔ حضرت علیؓ جانتے تھے کہ یہ ایک جنگی چال ہے مگر آپ کی فوج نے قرآن کو حکم ماننے پر زور دیا اور یوں جنگ بند ہو گئی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حضرت علیؓ کی طرف سے اور عمر بن العاصؓ کو امیر معاویہ کی طرف سے حکم مقرر کیا گیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا مگر عمرو بن العاص نے حضرت علیؓ کو تو معزول کر دیا مگر امیر معاویہؓ کو برقرار رکھا۔ حضرت علیؓ نے اس نامنصفانہ فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا اور امیر معاویہؓ کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ ہوئے۔ مگر آپ کی فوج نے ساتھ نہ دیا اور بہت سے لوگ الگ ہو گئے۔ چنانچہ امیر معاویہ شام کے حکمران بن گئے، اسی دوران آپ نے مصر پر بھی اپنا تسلط قائم کر لیا۔ مسلسل خانہ جنگی اور آئے دن کی شورشوں سے تنگ آکر حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کے ساتھ صلح کر لی جس کی رو سے شام، مصر اور مغربی علاقوں پر امیر معاویہ کی حکومت تسلیم کر لی گئی

اور عراق، ایران اور مشرقی علاقے حضرت علیؓ کی تحویل میں رہے۔

جب حضرت حسنؓ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے تو امیر معاویہ نے عراق پر پھر حملہ بول دیا۔ امام حسنؓ طبعی طور پر امن پسند اور صلح جو واقع ہوئے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ امت میں مزید کشت و خون ہو چنانچہ چند شرائط پر صلح کر لی اور امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ اب امیر معاویہ تمام ممالک اسلامیہ کے بلا شرکت غیرے خلیفہ تسلیم کر لئے گئے۔

1.2 خلفائے بنوامیہ:

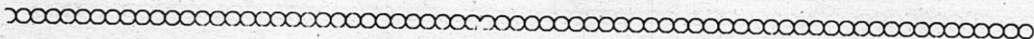
خلفائے بنوامیہ کا زمانہ 41 ہجری سے لے کر 132 ہجری تک ہے۔ اس طرح انہوں نے کل 92 سال حکومت کی اور اس عرصے میں کل چودہ خلفاء منصبِ خلافت پر فائز ہوئے۔ اس عہد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔ دورِ عروج:

یہ دور 41 ہجری سے لے کر 101 ہجری تک ہے۔ یہ دور ستر برس پر محیط ہے اور اس عرصے میں کل آٹھ خلفاء گزرے ہیں۔

2۔ دورِ زوال:

یہ دور 102 ہجری سے لے کر 132 ہجری تک ہے اور اس عرصے میں کل چھ خلفاء ہوئے ہیں۔



سے فوج کشی ہوئی، ایک فوج کابل کو فتح کرتی ہوئی درۂ خیبر کے راستے سرزمینِ ہند میں داخل ہوئی جبکہ دوسری فوج مکران کے راستے سندھ پر حملہ آور ہوئی اور ہندوستان میں کئی مقامات فتح ہوئے۔

ترکستان کے کئی علاقے اسلامی سلطنت کا حصہ بنے جن میں بخارا، سمرقند اور ترمذ کے علاقے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ شمالی افریقہ میں اسلامی فوجوں نے طرابلس، تیونس، الجزائر، لواتہ اور زناطہ کے علاقوں کو فتح کیا۔ سوڈان کا ایک بڑا حصہ بھی آپ کے دور میں فتح کرلیا گیا۔

امیر معاویہ کے دور میں مسلمان افواج نے رومی فوجوں کو کئی معرکوں میں شکست دی۔ روڈوس کا مشہور جزیرہ بھی ان سے چھین لیا گیا۔ آپ کے دور میں پہلی مرتبہ اسلامی فوجوں نے مشرقی رومی سلطنت کے پایۂ تخت، قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ اسلامی بحری بیڑہ بحیرۂ روم سے گزر کر آبنائے فاسفورس میں داخل ہوگیا۔ مسلمان سپاہیوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔ کافی مدت تک مسلمان مجاہدین نے یہ محاصرہ جاری رکھا مگر موسم کی شدت اور ناموافق حالات کے باعث اسلامی لشکر کو محاصرہ اٹھا کر لوٹنا پڑا۔

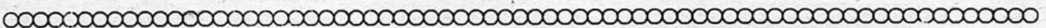
2.1.3 نظام خلافت اور کارنامے

الف) خلافت کے ڈھانچے میں تبدیلی:

امیر معاویہؓ نے اسلامی طرزِ حکومت میں چند ایسی بنیادی تبدیلیاں کیں جن کی وجہ سے ملوکیت کا آغاز ہوا اور انکی حکومت خلافتِ راشدہ کے نہج سے ہٹ گئی۔

خلفائے راشدین کے طریقِ انتخاب پر نظر ڈالیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان کے انتخاب میں عوام کی رائے کا بڑا دخل تھا اور کسی بھی خلیفہ نے اپنے بعد اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا۔ امیر معاویہ نے اس طریقۂ کار کو چھوڑ کر اپنے بیٹے یزید کو نامزد کیا اور اس کیلئے بیعت بھی لے لی۔

خلافتِ راشدہ شورائیت اور جمہوریت پر مبنی تھی اور ان کی رہنمائی کیلئے مجلس شوریٰ موجود تھی۔ اس مجلس کے ارکان ایسے اکابر صحابہ تھے جو پوری آزادی سے ملکی معاملات میں خلیفہ کو مشورہ دیتے تھے۔ امیر معاویہ نے مجلس شوریٰ کو ختم کردیا۔ آپ کے دور میں خلیفہ مرکزی حکومت کا سربراہ تھا جو کسی کے سامنے جواب دہ نہ تھا اور جس کی ذات میں تمام فوجی اور انتظامی



اختیارات جمع تھے۔ مرکزی حکومت کا کام مختلف محکموں کو تفویض تھا، پورے ملک کو صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر صوبے کے لئے الگ گورنر تھا جسے خلیفہ مقرر کرتا تھا۔

ب) فوجی نظام:

امیر معاویہؓ نے بری اور بحری افواج کی تنظیم نو کی اور فوجیوں کی تنخواہیں دگنی کر دیں۔ آپ سے پہلے فوج دو حصوں میں تقسیم تھی، تنخواہ دار فوج اور رضا کار فوج، لیکن آپ نے رضا کار فوج کو بھی باقاعدہ تنخواہ دار فوج بنا دیا۔ آپ کے عہد میں باقاعدہ فوج کی تعداد 2 لاکھ بیس ہزار تھی۔ موسموں اور ملکوں کے اختلاف کی وجہ سے آپ نے فوج کے دو حصے کر دیئے، شتائیہ (سرمائی فوج) اور صائفہ (گرمائی فوج)، تاکہ فوجی مہموں میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

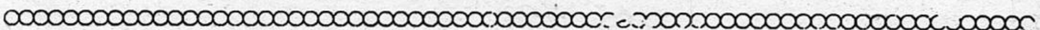
بحری فوج کی تشکیل حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں آپ نے ہی کی تھی، مگر اپنے دور میں اس میں بہت اضافہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں پانچ سو جہازوں کا بیڑا تھا جبکہ حضرت امیر معاویہ کے عہد حکومت میں بحری بیڑا 1700 جنگی جہازوں پر مشتمل تھا۔ اسلامی بحریہ کی مزید ترقی کے پیش نظر ملک کے ساحلی علاقوں میں متعدد جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے گئے، منجنیق کا استعمال پہلی مرتبہ انہی کے عہد میں ہوا اور کابل کے محاصرہ میں سنگ باری کر کے شہر کی فصیل توڑی گئی۔

ج) قلعوں کی تعمیر:

دفاع کو مضبوط بنانے کیلئے بہت سے قلعے تعمیر کرائے گئے، شام کے علاقہ کو جسے بازنطینی حکومت کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا، وہاں قلعوں کو مضبوط کیا، کئی پرانے اور ویران قلعوں کو ازسرنو آباد کیا گیا، رومیوں کے پرانے قلعے ''جبلہ'' کو جو فتح شام کے وقت ٹوٹ گیا تھا، دوبارہ تعمیر کیا گیا، روڈس میں ایک قلعہ بنایا گیا، جو تقریباً سات سال تک فوجی مرکز رہا، مدینہ طیبہ میں ''قصر خل'' کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کروایا گیا، نیز انطرطوس، مرقیہ اور بلینیسارس میں کئی نئے قلعے تعمیر کئے گئے۔

د) پولیس کا نظام:

ملک میں داخلی امن کے قیام کیلئے امیر معاویہؓ نے پولیس کے محکمے کو بہت ترقی دی۔ یہ محکمہ عدلیہ کے ماتحت تھا جس کا کام قاضیوں کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ جرائم کی روک تھام، سماج دشمن عناصر کی سرکوبی، حکومتی احکام کے نفاذ میں



تعاون اور حدود الٰہیہ کا قیام بھی پولیس کے فرائض میں داخل تھا۔

خوارج اور سبائی عناصر کو اگرچہ ظاہری طور پر دبایا جا چکا تھا مگر یہ دونوں تحریکیں اندرون ملک میں مخفی طور پر کام کر رہی تھی۔ چنانچہ ان کے تمام مشتبہ افراد کے نام رجسٹر میں درج کئے گئے اور ان کی دیکھ بھال اور نگرانی کیلئے مختلف صوبوں میں نگران مقرر کئے گئے۔

ھ) محکمہ ڈاک:

امیر معاویہؓ کے دور سے قبل پیغام رسانی کیلئے کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ آپ نے برید (ڈاک) کے نام سے ایک محکمہ قائم کیا جس کا نظام یہ تھا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ سرکاری ہرکارے اور گھوڑے منزل بہ منزل بدلتے رہتے تھے، اس طرح کم سے کم وقت میں ڈاک ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی تھی۔

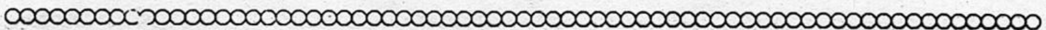
و) دیوان خاتم:

دیوان خاتم کے نام سے آپ نے ایک محکمہ قائم کیا جو سرکاری فرمان جاری کرتا تھا، اس کی نقل اس محکمہ میں محفوظ رکھی جاتی تھی اور فرمان کو لفافہ میں بند کر کے اس پر سرکاری مہر ثبت کی جاتی تھی، اس طرح فرامین میں ردوبدل کا امکان نہ رہا۔

ز) رفاہِ عامہ:

امیر معاویہ کے دورِ حکومت میں رفاہِ عامہ کے کاموں میں خاصی ترقی ہوئی جس سے رعایا کو بہت فائدہ پہنچا۔ زراعت کی ترقی کیلئے ملک بھر میں نہریں کھودی گئیں، مدینہ کے قرب و جوار میں نہر کظامہ، نہر ارزق، نہر شہداء وغیرہ متعدد نہریں کھدوائی گئیں، نہر معقل جو حضرت عمرؓ کے عہد میں بنائی گئی تھی اسے دوبارہ کھدوا کر صاف کروایا۔

آپ کے عہد میں بہت سے پرانے تباہ شدہ شہر آباد ہوئے اور کئی شہر نئے بھی بسائے گئے چناچہ شام کا اجڑا ہوا شہر مرعش دوبارہ آباد کیا گیا۔ افریقہ میں بربر قوم کو قابو میں رکھنے کیلئے قیروان شہر کی بنیاد عقبہ کے ہاتھوں رکھی گئی جس سے رفتہ رفتہ یہ شہر ترقی کر کے شمالی افریقہ کا مرکز بن گیا۔



آپ نے کئی مساجد تعمیر کروائیں اور بہت سی پرانی مساجد کو منہدم کر کے انہیں از سر نو تعمیر کروایا۔ چنانچہ زیاد بن ابی سفیان نے بصرہ کی جامع مسجد گروا کر اسے از سر نو اینٹ اور چونے سے نہایت وسیع اور خوبصورت شکل میں بنوایا۔ اشاعت اسلام کی طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی، یہی وجہ ہے کہ رومیوں کی ایک بڑی تعداد اِس عہد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔

امیر معاویہؓ نے بیس برس کی خلافت کے بعد 60ھ میں وفات پائی۔

2.2 یزید اوّل بن معاویہ (60ھ تا 64ھ بمطابق 680ء تا 683ء)

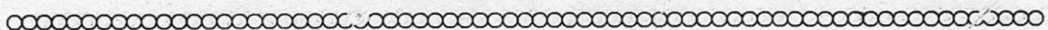
امیر معاویہ کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا یزید 60 ہجری میں خلیفہ بنا۔ یزید 26ھ میں پیدا ہوا تھا جس وقت امیر معاویہ شام کے حکمران تھے۔ اس کی پرورش شاہانہ ماحول میں بڑے نازونعم سے کی گئی جس کی وجہ سے اس کی طبیعت شروع ہی سے عیش پسندی کی طرف مائل ہوگئی۔ یہ ان تمام فضائل ومحاسن سے یکسر عاری تھا جن کا ایک بڑے حکمران میں پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔

اس کے چار سالہ مختصر عہد میں کوئی بھی تعمیری کام نہ ہوا بلکہ اس نے ایسے کام کئے جو تاریخ کے چہرے پر بدنما داغ ہیں۔ یزید کے عہد میں تین واقعات ایسے ہوئے جنہیں اس کے سیاہ کارناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے، پہلا حادثہ کربلا، دوسرا واقعہ حرّہ اور تیسرا خانہ کعبہ پر سنگ باری ہے۔

2.2.1 سانحہ کربلا:

یزید نے اقتدار سنبھالتے ہی ان لوگوں سے بیعت لینا چاہی جنہوں نے امیر معاویہ کے زمانے میں اس کیلئے بیعت نہ کی تھی۔ ان میں امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ شامل تھے۔ اسے زیادہ خطرہ امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے تھا کہ اگر انہوں نے دعویٰ خلافت کر دیا تو لوگ ان کے ساتھ مل جائیں گے۔ ان حضرات نے یزید کی بیعت نہ کی اور مکہ مکرمہ چلے گئے۔

مکہ میں امام حسینؓ کو کوفہ والوں نے کئی خطوط لکھے جن میں انہیں کوفہ آنے کی دعوت دی تاکہ آپ وہاں سے خلافتِ اسلامیہ کے قیام کی جدوجہد کا آغاز کر سکیں۔ امام حسینؓ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو تمام حالات کا جائزہ لینے کیلئے



کوفہ بھیجا۔ ابتدأ بارہ ہزار کوفیوں نے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ حالات سازگار دیکھ کر مسلم بن عقیل نے امام حسینؓ کو کوفہ آنے کیلئے لکھ دیا۔ امام حسینؓ اپنے اہل وعیال اور عزیز واقارب کے ہمراہ روانہ ہو گئے لیکن راستے میں انہیں مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر مل گئی۔ مسلم کے ساتھ کوفیوں نے غداری کی اور عبیداللہ ابن زیاد والی کوفہ کے ساتھ مل گئے۔

مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر مقام ثعلبیہ پر ملی تھی۔ امام حسینؓ متردّد ہوئے لیکن مسلم کے بھائیوں نے سفر جاری رکھنے پر زور دیا۔ مقام ذی حشم پر حر بن یزید تمیمی نے امام حسینؓ کا راستہ روکا اور ابن زیاد کے حکم کے مطابق کربلا میں اترنے پر مجبور کردیا چنانچہ آپ 2 محرم کو کربلا میں خیمہ زن ہوئے۔ 3 محرم کو ابن زیاد کے حکم پر عمر بن سعد چار ہزار کا لشکر لے کر کربلا پہنچ گیا۔ عمر بن سعد نے قرہ بن سفیان کو آپ کے پاس بھیجا تا کہ ان کے یہاں آنے کی غرض وغایت معلوم کرے۔ حضرت حسینؓ نے اس سے کہا کہ تمہارے شہر کے لوگوں نے مجھے خطوط لکھ کر بلایا ہے اگر تمہیں میرا آنا پسند نہیں ہے تو میں واپس مکہ چلا جاتا ہوں۔ عمر بن سعد نے ابن زیاد کو اس جواب سے مطلع کیا لیکن ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام حسینؓ اور ان کے تمام ساتھیوں سے یزید کی بیعت لو اور اگر وہ انکار کردیں تو ان کا پانی بند کردو۔ چنانچہ سات محرم کو دریائے فرات پر ایک دستہ متعین کر کے آپ کا پانی بند کردیا گیا۔ 10 محرم کو یزیدی فوجوں اور 72 نفوس پر مشتمل حسینی لشکر کا آمنا سامنا ہوا۔ عصر تک امام حسینؓ کے تمام ساتھی اور عزیز شہادت پا چکے تھے۔ اب امام حسینؓ تنہا رہ گئے تو انہیں یزیدی فوج نے گھیر لیا اور جب آپ زخموں سے چور اپنے خالق کے حضور سجدہ ریز ہوئے تو زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کا سر تن سے جدا کردیا۔ تاریخِ اسلام کا یہ المناک ترین واقعہ 10 محرم 61ھ بمطابق 10 اکتوبر 680ء کو وقوع پذیر ہوا۔

2.2.2 واقعہ حرّہ:

تاریخ اسلام میں سانحہ کربلا کے بعد یزید کا دوسرا بڑا سیاہ کارنامہ واقعۂ حرہ ہے۔ شہادتِ امام حسینؓ کی خبر سن کر سرزمین حجاز میں انقلاب آ گیا۔ اہل مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کر کے عبداللہ بن زبیر کی بیعت کرلی اور اموی حکام کو صوبے سے نکال دیا۔ یزید نے ولید بن عقبہ کی ماتحتی میں ایک فوج روانہ کی جس سے مدینہ کے باہر حرہ کے میدان میں خون ریز جنگ ہوئی اور اہلِ مدینہ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ فتح کے بعد مسلم بن عقبہ نے اعلان کیا کہ مدینہ تین روز تک مباح رہے گا۔ اس نے تین دن تک مدینۃ الرسولؐ میں قتل وغارت اور لوٹ کا بازار گرم رکھا جس میں باشندگان مدینہ کی اکثریت تہ تیغ کردی گئی اور جو باقی بچے انہوں نے مجبوراً بیعت کرلی۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

2.2.3 خانہ کعبہ پر سنگ باری:

اہل مکہ نے بھی شہادتِ امام حسینؓ کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ مدینے کی بے حرمتی کے بعد یزیدی فوج عبداللہ بن زبیر کی سرکوبی کیلئے مکہ کی طرف بڑھی۔ عبداللہ بن زبیر نے شکست کھائی اور حرم میں پناہ گزین ہوگئے۔ شامیوں نے بڑھ کر محاصرہ کرلیا اور حرمتِ کعبہ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے منجنیقوں کے ذریعے شہر پر سنگ باری کی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو کافی نقصان پہنچا۔ یہ محاصرہ ابھی جاری تھا کہ 14 ربیع الاوّل 24ھ کو یزید کا انتقال ہوگیا اور لڑائی رک گئی۔ یہ اس کے عہد کا تیسرا افسوسناک واقعہ ہے۔

عہدِ یزیدی میں ان شرمناک واقعات کے علاوہ چند ایک فتوحات بھی ہوئیں جن کا تذکرہ غیر اہم ہے۔

2.3 معاویہ ثانی بن یزید (64ھ بمطابق 684ء)

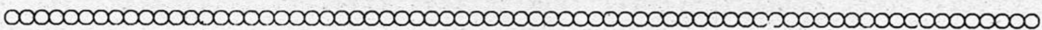
یزید نے اپنے بیٹے معاویہ کو اپنی زندگی ہی میں جانشین نامزد کردیا تھا۔ چنانچہ یزید کے بعد 64ھ میں معاویہ ثانی خلافت کے عہدے پر فائز ہوا۔ یہ نہایت نیک فطرت اور دین دار شخص تھا۔ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اسے دنیاوی جاہ و جلال سے سخت نفرت ہوگئی تھی چنانچہ تین ماہ کی خلافت کے بعد از خود خلافت سے دستبردار ہوگیا اور لوگوں کے سامنے تقریر کی!

''مجھ میں حکومت کا بار اٹھانے کی طاقت نہیں، میں نے چاہا تھا کہ ابوبکرؓ کی طرح کسی کو اپنا جانشین بنا دوں یا عمرؓ کی طرح چھ آدمیوں کو نامزد کرکے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دوں لیکن نہ عمرؓ جیسا کوئی نظر آیا اور نہ ویسے چھ آدمی ملے اس لئے میں منصب سے دست بردار ہوتا ہوں، تم جسے چاہو اپنا خلیفہ بنالو''۔

خلافت سے دستبرداری کے کچھ عرصہ بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ معاویہ کی دست برادری سے ایک سیاسی خلاء پیدا ہوگیا اور خلافت کے کئی دعویدار پیدا ہوگئے۔ آخر کار خلافتِ اسلامیہ مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیر کی دو متوازی خلافتوں میں تقسیم ہوگئی۔

2.4 مران بن حکم (64ھ تا 65ھ بمطابق 684ء تا 685ء):

مروان نے فتحِ مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ مروان حضرت عثمانؓ کا حقیقی چچازاد بھائی تھا اور آپ کے عہدِ خلافت



میں ان کا سیکرٹری تھا۔ امیر معاویہ کے عہد میں اسے مدینے کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ معاویہ ثانی کی خلافت سے دستبرداری کے بعد مملکت کے بیشتر حصوں میں عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی گئی۔ عبداللہ بن زبیر نے تمام امویوں کو مدینہ سے نکلنے کا حکم دے دیا، مروان جو اس وقت مدینہ میں تھا اپنے بیٹے عبدالملک کو لے کر شام چلا گیا۔ مدینہ سے مروان کا اخراج اس کی سیاسی زندگی کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔

جب مروان شام پہنچا تو اموی اس وقت خوف و پریشانی کے عالم میں باہمی اختلافات کا شکار تھے۔ انہوں نے تجربہ کار اور عمر رسیدہ ہونے کی بنا پر مروان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ مروان کے خلیفہ بننے کے بعد خلافت' آلِ معاویہ سے آلِ مروان کو منتقل ہوگئی۔

مروان نے تقریباً ایک سال حکومت کی اور اس عرصے میں وہ صرف ابن زبیر کے اثر ورسوخ کو ختم کرنے میں سرگرداں رہا۔ چنانچہ شام اور مصر سے ابن زبیر کے حامیوں کو نکال کر وہاں اپنا تسلط مستحکم کیا۔ اس طرح شام کے وہ تمام مقبوضات جو ابن زبیر کے زیر اثر تھے پھر سے بنوامیہ کے قبضہ اختیار میں آ گئے اور اموی اقتدار جو چراغِ سحر کی طرح ٹمٹما رہا تھا دوبارہ مستحکم ہوگیا۔ اس مختصر سے عہد میں وہ اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے سوا کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام نہ دے سکا۔

2.5 عبداللہ بن زبیر (64ھ تا 73ھ بمطابق 485ء تا 695ء)

عبداللہ ابن زبیر، حضرت زبیر بن عوام کے صاحبزادے تھے ان کی والدہ حضرت اسماء حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی بہن تھیں۔ آپ خلفائے راشدین کے عہد میں کئی ایک مہمات میں شریک ہوئے۔ جب امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزید کو خلیفہ نامزد کیا تو انہوں نے اس کی شدید مخالفت کی۔ شہادتِ امام حسینؓ کے بعد اہل مکہ اور اہل حجاز نے ابن زبیر کی بیعت کر لی تھی، اس کے ساتھ ہی عراق و مصر کے حکمرانوں اور عمائدینِ سلطنت نے بھی اپنی ہمدردیاں انہیں سے وابستہ کر دیں۔ اس طرح آپ کی خلافت کی حدود حجاز کے علاوہ عراق اور مصر تک وسیع ہوگئیں۔ البتہ شام میں مروان بن حکم کا برسرِ اقتدار آنا ابن زبیر کے اقتدار کیلئے خطرے کا باعث بن گیا۔ چنانچہ مرج راھط کے مقام پر مروان اور بن زبیر کے حامی قبیلۂ قیس کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں قبیلۂ قیس کو شکست ہوئی اور پورا شام مروان کے قبضہ میں آ گیا۔ اس کے بعد شامی لشکر مصر پر حملہ آور ہوا جس کے لئے مصریوں میں مقابلہ کی تاب نہ تھی، اس لئے انہوں نے لڑے بغیر مران کی بیعت کو قبول کر لیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

مروان کے انتقال کے بعد 65ھ میں اس کا بیٹا عبدالملک برسر اقتدار آیا تھا۔ مروان قطعاً برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ عراق ابنِ زبیر کی عملداری میں رہے اس لئے اس نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ عراق پر حملہ کردیا۔ ابنِ زبیر نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو مقابلے کیلئے بھیجا مگر کوفیوں نے بے وفائی کی۔ چنانچہ مصعب بن زبیر کو شکست ہوئی اور وہ مارے گئے۔ مصعب کی شکست اور عراق چھن جانے سے عبداللہ بن زبیر کی فوجی طاقت کو بڑا دھچکا لگا۔ ان حالات میں عبدالملک نے ابنِ زبیر کی طاقت کو ختم کرنے کی ٹھانی اور حجاج بن یوسف کو فوج دے کر روانہ کیا۔ حجاج نے 73ھ میں مکہ کا محاصرہ کرکے شہر پر سنگ باری شروع کردی جس سے حدودِ حرم کو بھی نقصان پہنچا۔ یہ محاصرہ سات ماہ تک جاری رہا۔ جس کے نتیجے میں خورد ونوش کے تمام ذخیرے ختم ہو گئے اور محصورین نے ابنِ زبیر کا ساتھ چھوڑنا شروع کردیا۔ بالاخر تنگ آکر ابنِ زبیر تن تنہا دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

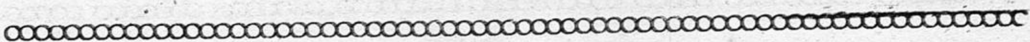
یوں ابنِ زبیر کی شہادت کے ساتھ ہی عبدالملک پوری سلطنتِ اسلامیہ کا فرمانروا تسلیم کرلیا گیا۔

2.6 عبدالملک بن مروان (65ھ تا 86ھ بمطابق 685ء تا 705ء):

مروان کی وفات کے بعد 65ھ میں عبدالملک 39 سال کی عمر میں خلیفہ بنا۔ اس وقت بنوامیہ کی حکومت چند روز کی مہمان نظر آتی تھی اور ہر طرف بغاوتیں اور شورشیں برپا تھیں۔ حجاز اور عراق نے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کررکھی تھی اور محبانِ اہل بیت کی کئی ایک تحریکیں بھی وجود میں آچکی تھیں۔ عبدالملک نے اپنے تدبر اور دوراندیشی سے ان تمام مشکلات پر یکے بعد دیگرے قابو پایا اور دشمنوں کا قلع قمع کرکے اموی سلطنت کی بنیادوں کو پھر سے استوار کیا۔ یہی وجہ ہے اسے خلافتِ بنوامیہ کا حقیقی بانی شمار کیا جاتا ہے۔

2.6.1 بغاوتوں اور شورشوں کا خاتمہ

خلیفہ بننے کے بعد عبدالملک نے سب سے پہلے جس گروہ کی سرکوبی کی وہ توابین تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے امام حسینؓ کو کوفہ بلاکر ان کی مدد نہیں کی تھی، یہ اپنے کئے پر شرمسار تھے اور قاتلینِ امام حسینؓ سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔ توابین نے



سلیمان بن ہرو کی قیادت میں بغاوت کی تھی جس کے خاتمے کیلئے حجاج بن یوسف کو بھیجا گیا۔ حجاج نے عین الوردہ کے مقام پر توابین کوشکست دی، سلیمان مارا گیا اور جو باقی بچے وہ کوفہ واپس چلے گئے۔ سلیمان کے بعد ان بچے کھچے توابین کی قیادت مختار ثقفی نے سنبھالی جس کا تعلق قبیلہ بنوثقیف سے تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی طاقت بڑھتی گئی اور وہ پورے عراق پر قابض ہو گیا۔ عراق پر قبضے کے بعد مختار نے قاتلین حسین سے چن چن کر بدلے لئے۔

توابین کے قلع قمع اور عراق پر قبضے کے بعد عبدالملک نے ابنِ زبیر کا اقتدار ختم کرنے کی ٹھانی۔ اس کے متعلق تفصیل سے آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔

عبداللہ بن زبیر اور عبدالملک کے درمیان معرکہ آرائیوں سے خوارج نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ایران، عراق، بحرین اور یمن میں شورشیں برپا کر دیں۔ عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو کوفہ کا گورنر مقرر کر کے اسے تاکید کی کہ خارجیوں کا قلع قمع کرے۔ ان دنوں خارجیوں کا سردار شبیب تھا جس نے حجاج کی بھیجی ہوئی فوجوں کو کئی بار شکست دی مگر حجاج نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر کار کوفہ کے نزدیک ایک خونریز جنگ میں شبیب نے شکست کھائی۔ شبیب' اہواز کی طرف نکل گیا اور دریا عبور کرتے ہوئے ڈوب مرا، اس کی موت سے خارجیوں کا زور ٹوٹ گیا۔ اس کے علاوہ سیستان میں رتبیل اور عراق میں ابن اشعث نے بغاوت کی جسے عبدالملک کے حکم سے حجاج نے ختم کر کے وہاں امن قائم کیا۔

2.6.2 اصلاحات:

ملک سے بغاوتوں کا قلع قمع کرنے کے بعد عبدالملک نے مختلف اصلاحات کی طرف توجہ دی جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(الف) عربی بطور دفتری زبان:

رومی اور ایرانی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد عربوں نے وہاں کے سرکاری دفاتر کے قدیمی نظام میں کوئی تبدیل نہیں کی تھی۔ دفتری کام ایران میں فارسی اور رومی مقبوضات میں یونانی اور عبرانی زبان میں ہوتا تھا جس سے مختلف قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ عبدالملک کی اصلاحات میں سے یہ سب سے اہم کارنامہ ہے کہ اس نے سلطنت کے تمام دفاتر میں عربی زبان کو رائج کیا۔

(ب) عربی رسم الخط کی اصطلاح:

عبدالملک نے عربی رسم الخط کی اصلاح کی، اس وقت تک عربی حروف پر نقطے نہیں ہوتے تھے جس سے مشابہ الفاظ پڑھنے میں دقت ہوئی تھی، عبدالملک نے حروف پر نقطے لگوانے کے ساتھ ساتھ اعراب بھی لگوائے۔

(ج) اسلامی سکوں کا اجراء:

عبدالملک کا ایک اور بڑا کارنامہ اسلامی سکوں کا اجراء ہے۔ اس وقت تک اسلامی مملکت کے تمام علاقوں میں رومی اور ایرانی سکے رائج تھے جس سے بڑی حد تک مسلمانوں کی اقتصادی باگ ڈور ان قوموں کے ہاتھ میں تھی، عبدالملک نے رومی درہم کے مقابلے میں نئے درہم و دینار جاری کیئے جن پر "قل ھواللہ احد" کی عبارت کندہ تھی۔ عبدالملک کے دور میں دمشق اور کوفے میں سکے ڈھالنے کی ٹیکسال بھی قائم کی گئیں۔

ان اصلاحات کے علاوہ عبدالملک نے عوامی بہبود اور خوشحالی کیلیئے بھی متعدد اقدامات کیئے، سڑکیں بنوائیں، بند تعمیر کروائے اور شہر آباد کیئے جن میں واسط کا شہر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، خانہ کعبہ کی عمارت کو از سرِ نو تعمیر کروایا اور ہر سال خانہ کعبہ پر نیا غلاف چڑھانے کی رسم کی ابتداء کی۔

عبدالملک نے 21 سال کی خلافت کے بعد 705ء میں وفات پائی۔ اس نے اپنی زندگی میں اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو جانشین نامزد کر دیا تھا، چنانچہ اس کی وفات کے بعد ولید بن عبدالملک خلیفہ بنا۔

2.7 ولید بن عبدالملک (86ھ تا 96ھ بمطابق 705ء تا 715ء)

عبدالملک اپنے زمانہ میں تمام مخالف قوتوں اور اندرونی سازشوں کا قلع قمع کر کے میدان بالکل صاف کر گیا تھا اس لیے ولید کو پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ بیرونی فتوحات اور تعمیری کام کرنے کا موقع ملا۔ خوش قسمتی سے اسے قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم جیسے باصلاحیت سپہ سالار بھی میسر آئے جن کی بدولت اسلامی حکومت کی حدود چین سے یورپ تک وسیع ہو گئیں، اسی بنا پر ولید کے عہد کو فتوحاتِ اسلامی کا درخشاں دور کہا جاتا ہے۔



2.7.1 وسط ایشیا کی فتوحات:

ولید کی تخت نشینی کے بعد قتیبہ بن مسلم، خراسان کا والی مقرر ہوا تو ترکستان کے قبائل نے سرکشی اختیار کر لی۔ قتیبہ نے ان پر فوج کشی کر کے انہیں اطاعت پر مجبور کیا۔ 87ھ میں قتیبہ نے بخارات کے شہر بیکند پر حملہ کر کے اسے فتح کرلیا۔ 88ھ میں اس کے ہاتھوں نومشکث، 90ھ میں بخارا جبکہ 93ھ میں سمرقند فتح ہوئے۔ ں کے بعد خوارزم، شاش اور فرغانہ کے علاقے بھی فتح کر کے انہیں اموی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔

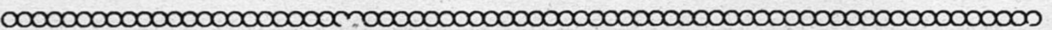
2.7.2 فتح سندھ:

ولید کے عہد تک سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ نہ تھا، لیکن ایک اہم واقعہ نے مسلمانوں کو سندھ کی تسخیر پر مجبور کر دیا۔ لنکا کے راجہ نے خلیفۂ اسلام کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنے ملک میں مقیم مسلم عرب تاجروں کے پسماندگان کو تحفے دے کر جہازوں میں روانہ کیا۔ لیکن سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل کے قریب پہنچنے پر ان جہازوں کو بحری ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا۔

حجاج بن یوسف کو واقعہ کا علم ہوا تو اس نے سندھ کے راجہ داہر سے قیدیوں کی رہائی اور ان کا مال واسباب واپس دلانے کا مطالبہ کیا۔ راجہ نے نہ تو ڈاکوؤں کو سزا دی اور نہ مسلمانوں کو ان کے نقصان کا معاوضہ دیا۔ اس واقعے پر حجاج نے اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم کو لشکر دے کر سندھ کی مہم پر روانہ کیا۔ محمد بن قاسم نے دیبل پہنچ کر شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اہل شہر قلعہ بند ہو گئے اور محاصرہ طول پکڑتا گیا۔ آخر کار محمد بن قاسم نے شہر پر ہلہ بول دیا اور اہلِ دیبل کو شکست کا سامنا ہوا۔ فتح کے بعد محمد بن قاسم نیرون کی طرف بڑھا اور اسے فتح کرتا ہوا راوڑ جا پہنچا۔ راوڑ میں اس کا مقابلہ راجہ داہر سے ہوا، راجہ داہر کی فوج نے شکست کھائی اور وہ خود مارا گیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد، آرور، باتیہ، کسکا اور اسکلندہ فتح کئے اور دریائے چناب عبور کر کے ملتان کا تاریخی شہر بھی فتح کرلیا۔

2.7.3 سپین کی فتح:

سپین جسے ہسپانیہ بھی کہا جاتا ہے، براعظم یورپ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ افریقہ کے ساحلی علاقے سپین



کے زیر تسلط تھے۔ موسیٰ بن نصیر نے جب افریقہ کو زیرِ نگین کیا تو ہسپینی مقبوضات بھی اس کے تصرف میں آ گئے۔ سپین کے بادشاہ کو اس کا بڑا رنج ہوا، چنانچہ افریقہ کے بربر قبائل نے جب شورش برپا کی تو اس نے بربریوں کی امداد کیلئے جہاز اور کمک بھیجی۔ سپین پر ایک ظالم حکمران راڈرک کی حکومت تھی۔ اس نے کونٹ جیولن جو ہسپانیہ کے علاقہ ستبتہ کا گورنر تھا کی بیٹی کی بے حرمتی کی جس پر کونٹ نے غضبناک ہو کر موسیٰ بن نصیر کو سپین پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ علاوہ ازیں وہاں کے عوام معاشی اور معاشرتی لحاظ سے بھی بہت پسماندہ تھے۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے سپہ سالار موسیٰ بن نصیر نے نامور فوجی جرنیل طارق بن زیاد کو اس مہم پر روانہ کیا۔

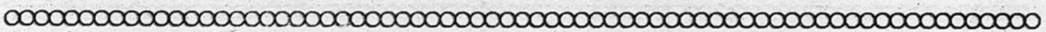
طارق بن زیاد کی قیادت میں بربری سپاہ کشتیوں کے ذریعے ساحل سپین کی ایک چٹان جبل الطارق (جبرالٹر) پر اتری۔ طارق کی پہلی جنگ مرسیہ کے گورنر تھیوڈومیر سے ہوئی جو شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد شاہ راڈرک ایک لاکھ فوج کے ساتھ دریائے گوڈالٹ کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ طارق کی فوج کی تعداد 12000 تھی۔ جنگ شروع ہونے سے قبل طارق نے کشتیاں جلا کر مسلمان سپاہیوں پر واضح کر دیا کہ ان کیلئے صرف دو راہیں ہیں ''موت یا فتح''۔ چنانچہ واپسی کا خیال ترک کر کے مسلمان سپاہی اس بہادری کے ساتھ لڑے کہ اپنے سے کئی گنا زیادہ فوج کو شکست دے دی۔ اس فتح کے بعد طارق نے مزید پیش قدمی کی اور غرناطہ، قرطبہ، مالقہ اور طلیطلہ کی ریاستوں کو فتح کر لیا۔ ان فتوحات کا حال سن کر موسیٰ بھی اس کے پاس پہنچ گیا اور دونوں نے مل کر سپین کے بقیہ علاقوں سرگونہ، ارغوان، بوشلونہ پر قبضہ کر لیا اور اس طرح شمالی اسپین کو فتح کر لیا۔

2.7.4 رومیوں کے خلاف فتوحات:

قسطنطنیہ کی حکومت مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف تھی۔ ولید کے بھائی مسلم اور بیٹے عباس نے ایشیائے کوچک میں رومیوں کیخلاف کئی فتوحات حاصل کیں۔ اردلیہ، عموریہ، طرطوس اور انطاقیہ فتح ہوئے، بحیرۂ روم کے جزائر سارڈینا، منورقہ اور میورقہ بھی زیر نگین ہوئے۔

2.7.5 ملکی نظم ونسق اور تعمیری کارنامے:

ولید نے عظیم الشان فتوحات کے ساتھ ساتھ ملکی نظم ونسق کی طرف بھی توجہ دی اور مندرجہ ذیل تعمیری کارنامے



انجام دیئے:

i) سڑکوں کی تعمیر و مرمت کروائی اوران پر سنگ میل نصب کروائے۔

ii) شفاخانے اور حفظانِ صحت کے مراکز قائم کروائے۔

iii) مہمان خانے تعمیر کروائے۔

iv) یتیموں کی کفالت کا معقول انتظام کیا اور نابینا اشخاص کو راستہ بتانے کیلئے ملازم مقرر کئے۔

v) گداگری کی قانوناً ممانعت کی اور معذوروں اور اپاہجوں کے روزینے مقرر کئے۔

vi) رمضان میں روزہ داروں کیلئے مسجد میں کھانے کا انتظام کیا گیا۔

vii) قیمتوں میں توازن قائم رکھنے کیلئے خود بازار کی نگرانی کی۔

viii) قرآن مجید کی تعلیم کی طرف توجہ دی، قرآن مجید حفظ کرنے والوں کو عطیے بخشتنے اور دینی احکامات سے غفلت برتنے والوں کو سزا دینے کا اہتمام کیا گیا۔

ix) فوجی نظام کو بہت وسعت دی اور جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے، چنانچہ تیونس کے کارخانے میں صرف اس کے زمانے میں ایک سو جہاز تیار ہوئے۔

ولید کو فنِ تعمیر سے گہرا لگاؤ تھا۔ اس کا سب سے بڑا تعمیری کارنامہ مسجد نبویؐ کی تعمیر ہے۔ 88ھ میں مسجد کی ازسرِنو تعمیر شروع ہوئی اور 90ھ میں یہ پایہ تکمیل کو پہنچی۔ امہات المومنین کے حجرے اور مسجد سے متصل مکانات خرید کر مسجد میں شامل کر لئے گئے، مسجد کی پوری عمارت پتھر سے تعمیر کی گئی، تمام در و دیوار اور چھت پر اعلیٰ درجے کی مینا کاری کی گئی۔ قبلہ رخ دیواروں کی محرابوں اور اس کی طلائی مینا کاری پر پینتالیس ہزار اشرفی خرچ آیا، اس کے علاوہ روضہ نبویؐ کے چاروں طرف دوہری دیوار کھڑی کی گئی۔

ولید کا دوسرا بڑا کارنامہ جامع مسجد دمشق کی تعمیر ہے، جس پر بے دریغ دولت صرف ہوئی، ایک اندازے کے مطابق 56 لاکھ اشرفیاں خرچ ہوئیں۔ پوری عمارت سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی جس میں مختلف رنگوں کے پتھروں کی آمیزش سے جدت پیدا کی گئی، دیواروں پر طلائی اور لاجوردی کام اور جفت کاری کی گئی اور محرابوں میں جواہرات جڑے گئے۔ یہ عمارت بارہ ہزار مزدوروں اور ماہر کاری گروں کی آٹھ سال کی محنت کے بعد تیار ہوئی۔ بلاشبہ ولید کا عہد اسلامی تاریخ کا سنہری دور ہے جس میں عظیم الشان فتوحات کے ساتھ ساتھ ملکی نظم و نسق اور تعمیر و ترقی پر بھی توجہ دی گئی۔ ولید نے 9 سال 8 ماہ کی حکمرانی کے بعد 715ء میں وفات پائی۔



2.8 سلیمان بن عبدالملک (97ھ تا 99ھ بمطابق 717ء تا 719ء)

ولید کے انتقال کے بعد عبدالملک بن مروان کا دوسرا بیٹا سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنا۔ یہ فطرتاً شریف النفس انسان تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے نیک و صالح شخص، جو اس کے مشیر تھے، کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے اس کی شخصیت کے اچھے پہلو دن بدن نکھرتے چلے گئے۔ وہ کئی لحاظ سے اپنے پیشرو حکمرانوں سے بہتر تھا۔ اس کی تخت نشینی سے اموی حکومت کی سیاست اور اصول بدل گئے۔ اس نے خلیفہ بنتے ہی ظالم عمال حکومت کو معزول کر دیا، مظلوموں اور ستم رسیدہ اشخاص کو جو مدتوں سے جیل میں بند تھے رہا کر دیا اور لوگوں کے دلوں سے خوف دور کر کے انہیں امن بخشا۔

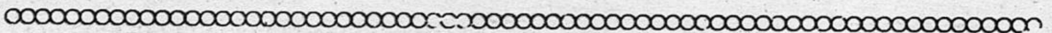
بہر حال ایک چیز جو سلیمان کی تمام خوبیوں پر پردہ ڈالتی ہے وہ اس کا جذبہ انتقام تھا۔ اسے ولی عہدی کے زمانے میں جس سے بھی شکایت تھی خلیفہ بننے کے بعد وہ اس غضب کا شکار ہوا۔ اس نے فاتح سندھ محمد بن قاسم جیسے عظیم سپہ سالار کو موت کے گھاٹ اتروا دیا اور موسیٰ بن نصیر جیسے نامور جرنیل کو ذلت آمیز زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا، تاریخ میں محسن کشی کی ایسی مثالیں کم ہی ملتی ہیں۔

سلیمان کا تین سالہ عہد زیادہ تر عظیم فاتحین سے انتقام لینے اور چند فتوحات میں گزار۔ اس کے عہد میں طبرستان، قہستان اور جرجان کے علاقے فتح ہوئے، قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی بھی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس نے دو سال آٹھ ماہ حکومت کرنے کے بعد 45 سال کی عمر میں وفات پائی، وفات سے پہلے عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن عبدالملک کو یکے بعد دیگرے جانشین مقرر کیا۔

2.9 عمر بن عبدالعزیز (99ھ تا 101ھ بمطابق 719ء تا 720ء):

سلیمان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا چنانچہ اس کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز 99ھ میں خلیفہ بنے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز مشہور اموی فرمانروا مروان بن حکم کے پوتے تھے جبکہ آپ کی والدہ حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی تھیں، اس لحاظ سے آپ کی رگوں میں فاروقی خون بھی شامل تھا۔ آپ کے والد عبدالعزیز مصر کے گورنر تھے جس کی وجہ



سے آپ نے شاہانہ ماحول میں پرورش پائی۔ آپ اموی خلیفہ عبدالملک کے بھتیجے اور داماد ہونے کی وجہ سے مختلف عہدوں اور مناصب پر فائز رہے تھے۔ شروع ہی سے آپ کی طبیعت میں شاہانہ وقار تھا' آپ بے حد نفیس لباس پہنتے اور خوشبویات کا کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ خلافت کا بار اٹھانے کے بعد آپ کے تمام معمولات میں تبدیلی آ گئی' تمام شاہانہ ٹھاٹھ ختم کر دیئے اور شاہی لباس اتار کر فقیرانہ لباس زیب تن کر لیا۔ کنیزوں کو آزاد کر دیا اور اپنے لئے انتہائی سادہ اور عسرت کی زندگی کو پسند کیا۔ الغرض آپ فقر و استغناء کا پیکر ہو کر رہ گئے تھے۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ خلفائے راشدین کی پیروی کریں۔

2.9.1 اصلاحات:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور خلافت پورے عہد بنوامیہ میں روشن و ممتاز رہا۔ انہوں نے اپنے زمانے میں ایسی اصلاحات نافذ کیں جس سے دورِ فاروقی کی یاد تازہ ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

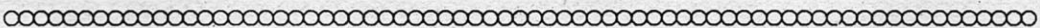
آپ کی اصلاحات کا اجمالی جائزہ حسبِ ذیل ہے:

الف) غصب شدہ جاگیروں کی واپسی:

اموی حکمرانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں ظلم و تشدد سے عوام کی جاگیروں کو اپنی ملکیت میں لے لیا تھا۔ خلیفہ بننے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان تمام خلفاء کی جائیدادوں کو ضبط کرنے کے احکامات جاری کئے اور اس کا آغاز اپنی ذات سے کیا۔ آپ کے پاس بہت بڑی موروثی جائیداد تھی جسے آپ نے اپنی ملکیت سے نکال کر عوام کی ملکیت میں دے دیا۔ اموی خلفاء نے آپ کو باز رکھنے کی بہت کوشش کی مگر آپ نے کسی کی نہ سنی اور اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیا۔

ب) باغ فدک کی واپسی:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو دوسرا اہم مسئلہ باغِ فدک کا درپیش ہوا۔ فدک' خیبر کے نواح میں کھجوروں کا باغ تھا۔ عہدِ نبویؐ اور عہدِ خلافت راشدہ میں اس باغ کی آمدنی بنو ہاشم کی ضروریات کی تکمیل اور حاجت مندوں پر خرچ ہوتی تھی لیکن بعد میں مروان بن حکم نے اسے اپنی جاگیر میں شامل کر کے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اس جائیداد کا ایک حصہ اپنے والد عبدالعزیز سے اور دوسرا حصہ جو عبدالملک کے بیٹوں ولید اور سلیمان کو پہنچا تھا،



وہ بھی ان کے تصرف میں آ گیا۔ آپ نے اسے اپنی ملکیت سے نکال کر اس کی آمدنی کو بنو ہاشم کی ضروریات کی تکمیل کیلئے وقف کر دیا۔

ج) بیت المال کی آمدنی کا صحیح استعمال:

خلفائے بنوامیہ نے بیت المال کو ذاتی ملکیت قرار دے کر اس کی آمدنی میں خوب تصرفات کئے تھے۔ بیت المال کا بڑا حصہ ان کے ذاتی تعیش پر صرف ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے ذاتی ملکیت سے نکال کر عوام کی امانت قرار دیا اور اس کی آمدنی میں سے جو تحفے تحائف دیئے جاتے تھے انہیں موقوف کر دیا۔ ملک میں جتنے مجبور، معذور اور اپاہج تھے، ان سب کی فہرست تیار کر کے ان کے وظائف مقرر کئے۔ آپ نے بیت المال کی حفاظت اور احتساب کا کامل انتظام کیا۔ آپ نے یذید بن مہلب والئ خراسان کو خیانت کی بنا پر نہ صرف معطل کیا بلکہ قید میں ڈال دیا۔ یمن کے بیت المال سے صرف ایک اشرفی کم ہوگئی تو افسر خزانہ کو نہ صرف ڈانٹ ڈپٹ کی بلکہ اسے کہا کہ تم پر فرض ہے کہ اپنی صفائی میں شرعی قسم کھاؤ۔

د) غیر اسلامی ٹیکسوں کی تنسیخ:

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اموی خلفاء کے رائج کردہ ان تمام ٹیکسوں کو منسوخ کر دیا جو غیر اسلامی تھے مثلاً نو مسلموں سے جزیہ کی وصولی وغیرہ۔

ھ) حضرت علیؓ پر لعن طعن کرنے کی رسم کا خاتمہ:

خلفائے بنوامیہ نے جمعہ کے خطبات میں حضرت علیؓ پر لعن طعن کرنے کی مذموم رسم جاری کر رکھی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کا خاتمہ کیا۔

و) احیائے شریعت و اخلاقی اصلاح:

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پورے معاشرے میں اسلامی روح پھونک دی۔ لوگوں کو نماز، روزہ کی طرف مائل کیا اور زکوٰۃ و صدقات کے نظام کو منظم کر کے لوگوں کی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھال دیا۔ اخلاقی اصلاح کیلئے شراب، جواء اور ناچ گانے کی محفلوں پر پابندی لگادی۔ اس طرح غیر شرعی رسوم کا خاتمہ کر کے معاشرے کی اصلاح کی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

ز) اسلامی تعلیمات کی اشاعت:

آپ نے قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیمات اور تدوینِ حدیث اور اس کی اشاعت پر خصوصی توجہ دی۔ قرآن و حدیث کے عالموں کو مختلف علاقوں میں تعلیم کیلئے بھیجا گیا۔ کتاب و سنت کی ترویج کے ساتھ ساتھ اشاعتِ اسلام پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔

ح) ظالم والیوں کی معزولی:

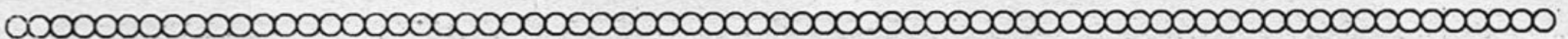
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نظامِ حکومت میں نہایت اہم اور انقلابی تبدیلیاں لانا چاہتے تھے، لہٰذا آپ نے تمام ظالم و جابر والیوں کو معزول کر دیا۔ سب سے پہلے یزید بن مہلب کو معزول کیا، اس کے بعد حجاج بن یوسف کے خاندان کو جو اپنے مظالم میں مشہور تھا جلاوطن کیا، حجاج کے مامور کئے ہوئے تمام عمال معزول کیے اور ان کی جگہ نیک اور دیانتدار افراد کو اعلیٰ مناصب پر فائز کیا تاکہ نظامِ حکومت کی اصلاح ہو۔

ط) رفاہ عامہ:

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عوام کی فلاح و بہبود کیلئے ملک میں نہایت کثرت سے سرائیں اور لنگر خانے بنوائے، چشموں سے نہریں نکلوائیں اور چراگاہیں عام کیں۔ آپ نے جیل خانوں کی بھی اصلاح کی اور قیدیوں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔

ی) ذمیوں سے حسن سلوک:

اموی عہد میں ذمیوں کے ساتھ بہت زیادتیاں کی جاتی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ذمیوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کیا، ان کے خون کی قیمت مسلمان کے برابر قرار دی، ان کے مذہبی حقوق کا تحفظ کیا اور قانون کی نگاہ میں ذمی اور مسلمان کو برابر کا درجہ دیا۔ عمال کو ہدایت تھی کہ جزیہ وصول کرتے وقت وہ کسی قسم کی سختی یا تشدد روا نہ رکھیں اور معذور و محتاج ذمیوں کے بیت المال سے وظیفے مقرر کئے جائیں۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح ذمیوں کی غصب شدہ جائیدادیں بھی آپ نے واپس کرادیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی چند ایک عبادت گاہیں جنہیں پہلے خلفاء کے زمانے میں مسلمان زبردستی اپنے تصرف میں لے آئے تھے، بحال کردیں۔



حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات کا جائزہ لینے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے دور میں انقلابی اقدامات کئے اور ایسی عظیم الشان اصلاحات نافذ کیں کہ دور خلافت کی یاد تازہ ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا زمانہ خلافت ڈھائی سال پر مشتمل ہے، آپ نے 101 ھ میں اس زہر کے اثرات سے وفات پائی جو اموی خاندان کے لوگوں نے آپ کو دلوایا تھا۔

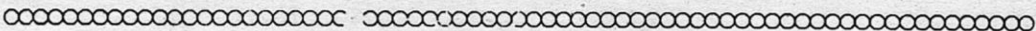
3۔ دورِ زوال

3.1 یزید بن عبدالملک (101 ھ تا 105 ھ بمطابق 720 ء تا 724 ء):

یزید بن عبدالملک حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد 101 ھ میں تخت نشین ہوا۔ وہ چالیس دن سے زیادہ اپنے قابل فخر پیش رو کے طرز عمل کو اختیار نہ کر سکا اور اس نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی تمام اصلاحات منسوخ کر کے اپنے پیشرو حکمرانوں کے نظام کو جاری کر دیا۔

یزید کی عیاشی اور سلطنت سے ناواقفیت اور تساہل کی بدولت قبائلی تعصبات نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ حمیری اور مضری قبائل جو آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے ان کا تعصب عود کر آیا۔ حمیری قبیلہ کا ایک شخص یزید بن مہلب، جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں نظر بند تھا، جیل سے فرار ہوگیا اور عراق میں بغاوت کر دی۔ یزید ثانی نے اپنے بھائی مسلمہ کو اس کی سرکوبی کیلئے بھیجا' عراق میں انبار کے نزدیک ایک خون ریز جنگ ہوئی جس میں یزید بن مہلب کی شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اس کے علاوہ ترک اور سفدی قبائل نے بھی بغاوتیں کیں جنہیں اگرچہ دبا دیا گیا مگر اس سے قبائلی تعصبات جاگ اٹھے اور ملک میں خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔

یزید (ثانی) کے عہد کو بنوامیہ کا بدترین عہد کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس عہد سے بنوامیہ کے دورِ زوال کا آغاز ہوا اور عباسیوں کو اپنی دعوت پھیلانے کی سرگرمیاں تیز کرنے کا خوب موقع ملا۔ یزید نے وفات سے قبل اپنے بھائی ہشام بن عبد الملک اور بیٹے ولید کو بالترتیب اپنا جانشین نامزد کیا۔



3.2 ہشام بن عبدالملک (105ھ تا 125ھ بمطابق 724ء تا 743ء):

یزید ثانی کی وفات کے بعد ہشام 105ھ میں منصبِ خلافت پر فائز ہوا، یہ عبدالملک کے لائق ترین فرزندوں میں سے تھا۔ جس وقت ہشام خلیفہ بنا، ہر طرف انتشار اور فساد تھا' چنانچہ وہ اپنے طویل دورِ حکومت میں خلافتِ بنوامیہ کو تباہی سے بچانے کی کوششوں میں مصروف رہا۔ اس کی یہ تھکا دینے والی طویل جدوجہد اس کی ہمت اور مستقل مزاجی کی شاندار داستان ہے۔ اگرچہ وہ بنوامیہ کو تباہی سے نہ بچا سکا لیکن وقتی طور پر اموی قصرِ اقتدار کو اس نے سہارا ضرور دیا۔

3.2.1 فتوحات:

ہشام کے دور میں ترکستان میں بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں جن کا سبب عربوں کا قبائلی تعصب اور نومسلموں سے حکومت کا ناروا سلوک تھا۔ علاوہ ازیں ان علاقوں میں کئی چھوٹے چھوٹے سردار' حکومت کی گرفت ڈھیلی پڑنے پر یہ بغاوت کر دیتے۔ ہشام نے خالد بن عبداللہ کو ترکستان کا گورنر مقرر کیا جس نے بلخ، سمرقند، بخارا اور مرو پر مسلمانوں کا تسلط دوبارہ قائم کر دیا۔

آذربائیجان اور آرمینیا میں ترکوں نے شورش برپا کی مگر مروان بن محمد نے وہاں دوبارہ امن و امان قائم کیا۔ ایشیائے کوچک میں مروان بن محمد نے 105ھ میں قونیہ اور لکخ کے علاقے فتح کئے۔ 108ھ میں مسلمہ نے قیساریہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد خرشنہ اور مطمورہ بھی اسی خلیفہ کے عہد میں اسلامی مملکت کا حصہ بنے۔

3.2.2 عباسی دعوت:

عباسی دعوت اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں شروع ہوگئی تھی مگر ہشام کے عہد میں اس نے زیادہ وسعت اختیار کر لی۔ خلافت کے دعویدار اہلِ بیت نبویؐ تھے یا حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد، لیکن سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں ان دعویداروں کی قیادت آل عباس میں منتقل ہوگئی اور عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی اس تحریک کے قائد بنے جنہوں نے باقاعدہ ایک منظم تحریک قائم کر کے دعوت کا آغاز کیا۔ ہشام کے زمانے میں خراسان اور عراق کے بڑے حصے میں عباسی دعوت پھیل گئی اور جابجا اعلانیہ اس کے مظاہر بھی نظر آنے لگے۔ اس وقت ہشام نے ادھر توجہ دی مگر عمر نے وفا نہ کی، بالآخر یہی تحریک بنوامیہ کے زوال کا سبب بن گئی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

3.2.3 ملکی اصلاحات وخدمات:

ہشام نے بغاوتوں کے استیصال کے ساتھ ساتھ ملکی نظم ونسق پر بھی توجہ دی، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1۔ ملک کی تمام بنجر اور نا قابلِ کاشت زمینوں کو قابلِ کاشت بنایا گیا۔

2۔ دفتروں میں ہر چیز کا دفتری ریکارڈ رکھا گیا۔ کاغذات کی صحت وترتیب کے اعتبار سے اس کا زمانہ تمام خلفاء میں ممتاز تھا۔

3۔ ریشمی کپڑے کی صنعت کو ترقی دی گئی۔

4۔ نئے شہروں کی آبادکاری ہوئی، مثلاً شام میں قنسرین کے علاقے میں رصافہ اور سندھ میں منصورہ اور محفوظہ آباد ہوئے۔

5۔ بحری بیڑے کی ترقی کیلئے شمالی افریقہ میں جہاز سازی کے مزید کارخانے قائم کئے گئے۔

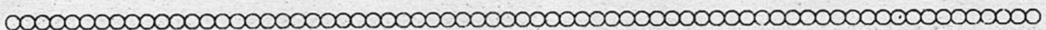
ان کارناموں کے ساتھ ساتھ ہشام نے مذہبی خدمات بھی انجام دیں۔ اس نے امام زہری سے چار سو احادیث پر مشتمل ایک مجموعہ مرتب کرایا تھا۔

ہشام انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا، اس کے ایوان میں مسلم وغیر مسلم سب برابر تھے۔ ہشام کے اس پورے عہد کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر اسے پر امن دور ملا ہوتا تو اس کا عہد تاریخ اسلام کا بہترین دور ہوتا۔ ہشام نے 125ھ میں وفات پائی۔

3.3 ولید ثانی بن یزید (125ھ تا 126ھ، بمطابق 743ء تا 744ء):

ہشام کی وفات کے بعد یزید بن عبدالملک کا بیٹا ولید ثانی 125ھ میں خلیفہ بنا۔ یہ امورِ مملکت سے غافل اور ہر وقت فسق وفجور میں غرق رہتا تھا۔ اس نے خلیفہ بننے کے بعد عوام اور فوج کو اپنا ہمنوا بنانے کیلئے بہت پیسہ خرچ کیا اور فوج کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا۔

ہشام اپنی خلافت کے آخری ایام میں ولید کی نالائقیوں سے تنگ آ کر اپنے بیٹے مسلمہ کو اپنا جانشین مقرر کرنا



چاہتا تھا اس لئے ولید ہشام کے خاندان کا سخت دشمن ہو گیا تھا۔ خلیفہ بننے کے بعد اس نے ہشام کی اولاد اور عزیزوں پر بہت مظالم ڈھائے اور ان کی جائیداد ضبط کر لی۔ اس کی فاسقانہ طرزِ زندگی اور ظالمانہ رویئے کی وجہ سے عوام اس سے سخت متنفر ہو گئے۔ اس نے قبائلی عصبیت کو بھی خوب ابھارا اور یمنی قبائل کے ممتاز رہنما خالد بن عبداللہ القسری کو گرفتار کروا کر مروا دیا۔ اس پر یمنی قبائل کے جذبات بھڑک اٹھے، انہوں نے اس کی بیعت کو فسخ کر کے ولید بن عبدالملک کے بیٹے یزید ثالث کی بیعت کر لی۔

ولید ثانی اس وقت حمص اور دمشق کے درمیان قلعہ نجرا میں مقیم تھا جب مشتعل یمنی قبائل اور یزید ثالث کی فوج نے وہاں پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر کے ولید ثانی کو قتل کر دیا۔

3.4 یزید ثالث بن ولید (126ھ بمطابق 744ء):

ولید ثانی کے قتل کے بعد یزید بن ولید اول خلیفہ بنا۔ وہ فطرتاً ایک شریف النفس انسان تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے جو خطبہ دیا اس میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے، حدود اللہ کی حفاظت کرنے، ملک سے فتنہ و فساد دور کرنے، عوامی ضروریات کی فراہمی اور ملکی سرحدوں کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عوامی فلاح و بہبود چاہتا تھا، مگر موت نے اسے یہ تمام وعدے پورے کرنے کی مہلت نہ دی۔

یزید ثالث اپنے مختصر ترین عہدِ حکومت میں عراق، خراسان، حمص، فلسطین اور آرمینیا کے علاقوں سے بغاوتوں کا خاتمہ کرنے کی کوششوں میں مصروف رہا۔

اپنے عہدِ حکومت میں اس نے ایک بڑی غلطی یہ کی تھی کہ اس کے باپ ولید اول نے فوج کی جو تنخواہیں بڑھائی تھیں ان میں کمی کر دی، اس طرح فوج کی ہمدردیاں اس کے ساتھ وابستہ نہیں رہیں۔ اسی واقعہ کی بنا پر اسے یزید الناقص (کمی کرنے والا) بھی کہا جاتا ہے۔

یزید ثالث کو حکومت سنبھالے ابھی صرف چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ 126ھ میں اس کی وفات ہو گئی۔ مرنے سے پہلے اس نے اپنے بھائی ابراہیم بن ولید بن عبدالملک کو جانشین مقرر کیا تھا۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

3.5 ابراہیم بن ولید (126ھ تا 127ھ بمطابق 744ء تا 745ء):

یزید کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابراہیم 126ھ میں تخت نشین ہوا لیکن وہ برائے نام خلیفہ ثابت ہوا۔ اس کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا گیا اور چند ہی مہینوں میں مروان بن محمد نے اس کی حکومت کا خاتمہ کر کے خود خلیفہ بن گیا۔

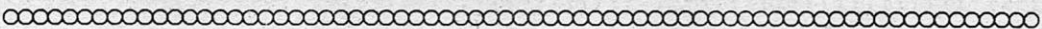
3.6 مروان ثانی بن محمد بن مروان (127ھ تا 132ھ بمطابق 745ء تا 750ء):

مروان ثانی نہایت پر آشوب حالات میں برسر اقتدار آیا تھا۔ وہ سن رسیدہ، تجربہ کار، مستقل مزاج اور بہادر خلیفہ تھا، لیکن اس وقت اموی حکومت شدید بدنظمی اور انتشار کا شکار ہو چکی تھی۔ مضری اور یمنی قبائل کی کشمکش بھی جاری تھی' مروان نے چونکہ مضری قبائل کی مدد حاصل کی تھی اس لئے یمنی قبائل اس کے مخالف ہو گئے اور ان کے اثر سے شام میں بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ ان بغاوتوں کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مروان نے دمشق کو چھوڑ کر حران کو دارالخلافہ بنایا تھا۔ اس کے اس اقدام سے شامی اس کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے بغاوتیں شروع کر دیں جنہیں مروان نے فوجی کارروائی کر کے کچل دیا۔ حضرت جعفر طیار کے پوتے عبداللہ بن معاویہ نے بھی یمنی اور ربیعہ قبائل کی مدد سے بغاوت کی تھی مگر شکست کھائی۔

خوراج نے اس عہد میں بہت شورش برپا کی۔ انہوں نے ضحاک بن قیس شیبانی کو سردار بنا کر عراق میں شورش برپا کی تھی۔ مروان کے بیٹے عبداللہ نے فوجی کارروائی کر کے انہیں شکست دی اور ضحاک مارا گیا۔ اس کے بعد خوراج نے یکے بعد دیگرے خیبری اور شیبان بن عبدالعزیز کو سردار بنا کر بغاوت کی، مگر مروان نے ان بغاوتوں کو کچل دیا اور کوفہ اور بصرہ پر مروان کا قبضہ بحال ہوا۔ اسی زمانے میں ایک خارجی سردار ابوحمزہ نے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کر کے امویوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، مروان کے ایک جرنیل عبدالملک بن محمد نے ان کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دی۔

3.6.1 عباسی تحریک اور مروان کا خاتمہ:

مروانی عہد کے انتشار اور بدنظمی سے عباسیوں نے خوف فائدہ اٹھایا اور اپنی دعوت کو سارے خراسان میں پھیلا دیا۔ مروان کے عہد میں عباسی تحریک کے قائد ابراہیم بن محمد عباسی تھے جبکہ ابو مسلم خراسانی اس تحریک کا سب سے سرگرم داعی



تھا۔ اس نے مروانی عہد کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر 129 ھ میں خراسان میں خروج کیا اور بہت سے علاقے فتح کر لئے۔

یہ صورت حال مروان بن حکم کیلئے انتہائی پریشان کن تھی، چنانچہ اس نے ابراہیم عباسی کو گرفتار کر کے قتل کروادیا۔ بعد ازاں ابراہیم کے بھائی ابوالعباس نے اس تحریک کی قیادت سنبھال لی۔

اب حالات روز بروز عباسیوں کے حق میں بہتر ہوتے جا رہے تھے۔ مروان نے فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ کرلیا اور دریائے زاب کے کنارے ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر خیمہ زن ہوا۔ عباسیوں اور امویوں کے درمیان خونریز جنگ ہوئی جس میں مروان کو شکست ہوئی۔ مروان بھاگ کر پہلے موصل گیا لیکن وہاں کے لوگوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا جس پر وہ خراسان آیا پھر وہاں سے مصر بھاگا لیکن عباسیوں نے اس کا مسلسل پیچھا کیا۔ بالآخر بوحیر کے مقام پر 132 ھ میں مروان لڑتا ہوا مارا گیا۔

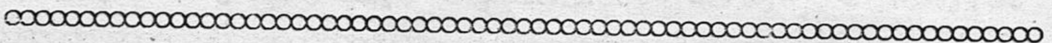
اس شکست نے تاریخ اسلام کا رخ بدل دیا اور 132 ھ میں اموی اقتدار عباسی ہاتھوں میں منتقل ہو گیا۔

4۔ بنوامیہ کے زوال کے اسباب

بنوامیہ کم وبیش ایک صدی تک دنیائے اسلام کے حکمران رہے۔ اس دوران انہوں نے بڑے تزک و احتشام اور جاہ وجلال سے امورِ جہانبانی کو انجام دیا۔ اموی سلطنت کے ظاہری جلال و جبروت اور استحکام کے پیش نظر کون یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ قصرِ عظیم اس قدر جلد پیوند خاک ہو جائے گا۔ اموی حکومت کا زوال اگرچہ اس کے قیام کے تقریباً ایک صدی کے بعد ہوا لیکن اس کی تعمیر کے وقت ہی اس میں زوال کے عناصر مضمر تھے اور بعد کے خلفاء کی سیاست اور ان کے عمال کی بدعنوانیوں نے اس میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس طرح اموی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی ہوتی گئیں اور بالآخر وہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئی۔ ذیل میں بنو امیہ کی حکومت کے زوال کے اسباب کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

4.1 شخصی حکومت:

اموی حکومت کے زوال کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب اسلامی نظامِ خلافت کے بجائے موروثی اور شخصی حکومت



تھی گو کہ اس کے بانی حضرت امیر معاویہؓ تھے جو ایک صحابی ہونے کے ناطے رسالت مآب کا مقدس دور دیکھے ہوئے تھے اور شخصی حکومت کی بدعت کے باوجود انہوں نے ریاستی نظام کو اسلامی روایات پر قائم رکھنے کی پوری کوشش بھی کی مگر ان کے جانشین اس روش کو قائم نہ رکھ سکے۔ چنانچہ امیر معاویہ کے بعد اموی حکومت اسلامی روح سے خالی ہوگئی اور اس میں رفتہ رفتہ شخصی حکومت کی تمام برائیاں عود کر آئیں۔ بیت المال خلیفہ کی ذاتی ملکیت بن گیا اور اس کی آمدنی عوام کی فلاح و بہبود کے برعکس خلیفہ کی ذات پر خرچ ہونے لگی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں صورتِ حال کی اصلاح کی کوشش کی لیکن ان کے بعد پھر وہی پرانا غیر شرعی اور استبدادی نظام جاری ہوگیا۔ مسلمانوں نے خلافت راشدہ کا دور دیکھا ہوا تھا' اس لئے اموی حکومت عوام کے دلوں میں جگہ پیدا نہ کرسکی۔

4.2 شیعان علیؓ:

شیعانِ علیؓ خلافت کو محض اہلِ بیت نبویؐ کا حق سمجھتے تھے، اگرچہ حضرت امام حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری اور امیر معاویہؓ کی مصالحانہ حکمت عملی کے باعث شیعان علیؓ وقتی طور پر خاموش ہوگئے تھے لیکن سانحۂ کربلا نے ان میں مزید اشتعال و اضطراب پیدا کر دیا۔ واقعہ کربلا سے مسلمانوں کا ہر طبقہ متاثر ہوا اور ہر طرف ایک شدید جذباتی اور روحانی ہیجان پیدا ہوگیا، نتیجہ یہ ہوا کہ عام مسلمانوں کی تمام تر ہمدردی اور تعاون بھی اہل بیت کو حاصل ہوگیا۔ علاوہ ازیں عہدِ بنوامیہ میں حضرت علیؓ پر خطبہ میں لعن طعن کی رسم شروع کی گئی جس نے عوام کے جذبات کو مزید بھڑکایا۔ اس کے جواب میں وہ اموی خلفاء کو برا بھلا کہتے اور جب انہیں سزا دی جاتی تو ان کا جوش و غضب اور بڑھ جاتا۔

4.3 ولی عہدی کا غلط طریقہ:

بنوامیہ کے دور میں اگرچہ حکومت ایک ہی خاندان میں محدود تھی، لیکن اس کے باوجود جانشینی کے اصولوں کا فقدان تھا۔ مروان اول کے عہد میں ہی حکمرانوں نے ایک کے بجائے دو دو ولی عہد نامزد کرنے شروع کر دیئے۔ اس سے یہ خرابی پیدا ہوئی کہ پہلا ولی عہد مسند خلافت پر بیٹھتے ہی دوسرے ولی عہد کو جو اکثر اس کا بھائی یا قریبی عزیز ہوتا تھا، معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتا۔ اس سے شاہی خاندان میں شدید اختلافات پیدا ہو جاتے' اس کا اثر امرائے سلطنت پر بھی پڑتا اور ان میں بھی گروہ بندی شروع ہو جاتی تھی۔ پھر ہر نیا خلیفہ اپنے مخالفین سے انتقام لینے کی کوشش کرتا۔ سلیمان نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے پیشرو خلیفہ ولید کے زمانے کے تمام مقتدر فاتحین کو اپنی انتقامی کارروائی کا نشانہ

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

بنایا کیونکہ وہ اس کی ولی عہدی کے مخالف تھے۔ اس طریقِ کار سے نہ صرف حکومت کے مفادات متاثر ہوئے بلکہ عرب قوم کو بھی نا قابلِ تلافی نقصان پہنچا۔

4.4 قبائلی تعصب:

زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں قبائلی تعصب زوروں پر تھا، مگر اسلام نے اسے ختم کر کے عرب قوم کو اخوت و مساوات کے عالمگیر اصولوں پر منظم کر دیا تھا۔ جوں جوں ان کے اندر اسلامی روح کم ہوتی گئی یمنی اور مضری قبائل کی پرانی عصبیت پھر سے ابھر آئی۔

اموی حکمران شروع سے ہی یمنی قبائل کی طرف زیادہ مائل تھے لیکن جب یزید بن مہلب نے یزید ثانی کے خلاف بغاوت کی تو یزید ثانی نے ابن مہلب کے سارے خاندان کو تباہ کر دیا۔ چونکہ وہ یمنی تھے اور خلیفہ خود مضری، اس لئے یہ سب کچھ قبائلی تعصب پر محمول کیا گیا اور آتش بغاوت خوب بھڑکی۔ ہشام نے از سرِ نو یمن پروری شروع کر دی اور ان کو مختلف مناصب پر فائز کیا لیکن اپنے عہد کے آخر میں اس نے مضریوں کو پھر سے اقتدار میں لانا شروع کر دیا۔ قبائلی جھگڑوں کا یہ سب سے بڑا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔

بدقسمتی سے قومی منافرت خراسان میں بہت زیادہ تھی جس کے باعث حکام کی زیادہ تر تبدیلیاں بھی خراسان میں ہوئی۔ ابو مسلم خراسانی نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا' پہلے یمنی اور مضری قبائل کو لڑا کر بنو امیہ کی طاقت کو کمزور کیا اور بالآخر انہیں ختم کر کے بلا شرکت غیرے خراسان کا مالک ہو گیا۔

4.5 موالی:

یہ وہ عجمی لوگ تھے جو غلامی سے آزادی حاصل کرنے یا اسلام قبول کرنے کے بعد عرب معاشرے کا جزو بننے کیلئے اپنے آپ کو کسی نہ کسی عرب قبیلہ کے ساتھ منسلک کر دیتے تھے۔ اموی حکومت نے انہیں اسلامی مراعات سے محروم کر رکھا تھا اور بعض اوقات ان سے جزیہ اور خراج تک وصول کیا جاتا تھا جو سراسر ناجائز تھا۔ حکومت کے کلیدی عہدوں پر عربوں کو اجارہ داری حاصل تھی اور عجمیوں سے ان کا سلوک نہایت متعصبانہ تھا جبکہ عجمی اپنے کو عربوں سے زیادہ مہذب و متمدن خیال کرتے تھے۔ انہیں عربوں کی نسلی قومیت بالکل پسند نہ تھی چنانچہ وہ گروہ در گروہ ہاشمی تحریک میں شامل ہو گئے۔ ابو مسلم خراسانی کی فوج میں

ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھی جو اموی حکومت کے استبدادی نظام اور اس کے مطلق العنان عمال کے مظالم کے زخم خوردہ تھے۔

4.6 خوارج:

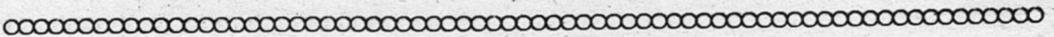
یہ لوگ سیاسی حیثیت سے اگرچہ اہلِ بیت سے بالکل مختلف تھے لیکن بنوامیہ سے عداوت میں ان کے ساتھ تھے اور اموی حکومت کا تختہ الٹنے میں انہوں نے کسی دوسرے طبقے سے کم حصہ نہیں لیا۔ بنوامیہ کے تقریباً سارے دور میں انہوں نے جنگ جاری رکھی اور بنوامیہ کی بیش بہا فوجوں کو برباد کیا۔ اگرچہ اس سرفروش جماعت کے پیرو بھی ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے، لیکن انہوں نے امویوں کی اطاعت قبول نہ کی۔ وہ بنوامیہ کی حکومت کو ختم تو نہ کر سکے مگر ان کی طاقت کو ضرور نقصان پہنچایا۔

4.7 اراکینِ سلطنت کی ناقدری:

جن امراء، سالاروں اور اراکین سلطنت کے حسن تدبر اور قوت کے بل بوتے پر اموی حکومت قائم ہوئی، پروان چڑھی اور اسے استحکام ملا، اموی خلفاء نے بالعموم ان کی ناقدری کی۔ فاتحِ سندھ محمد بن قاسم کو مروا دیا گیا، موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد جیسے اولوالعزم فاتح، سلیمان کے عتاب کا شکار ہوئے اور موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز والی اندلس کو قتل کر دیا گیا۔ یزید بن عبدالملک نے آل مہلب کو جن کی اموی حکومت میں بہت نمایاں خ. مات تھیں، ختم کرا دیا۔ اسی خلیفہ کے بیٹے ولید ثانی نے اموی خاندان کے پرانے وفادار اور عراق کے گورنر خالد بن عبداللہ قسری کو اس کے جانی دشمن یوسف بن عمرو ثقفی کے ہاتھوں بھاری رقم کے عوض بیچ دیا۔ یوسف نے اسے طرح طرح کی اذیتیں دے کر مروا ڈالا۔ اس سے امراء میں بددلی پھیل گئی اور ان میں حکومت کے ساتھ وفاداری اور جان نثاری کا جذبہ باقی نہ رہا۔

4.8 علمائے حق کی مخالفت:

علمائے حق کا طبقہ بھی بنوامیہ کے غاصبانہ اقدامات، جاہ پرستی اور تعیش دیکھ کر ان کی غیر اسلامی حکومت سے سخت بیزار تھا۔ اس طبقہ میں بزرگانِ دین، صحابہ کی اولاد اور علماء شامل تھے جو اس چیز کے آرزومند تھے کہ خلافتِ راشدہ کا اسلامی نظام دوبارہ قائم ہو۔ وہ ہر ایسی تحریک کی مدد کو تیار تھے جو بنوامیہ کی غیر شرعی طرزِ حکومت کا خاتمہ کر کے اسلامی روایات کو دوبارہ زندہ



کرے۔ اسلامی تعلیم وتبلیغ کے ذریعے یہ لوگ اقتدارِ شاہی پر برابر ضربیں لگاتے رہے اور حکومتی انتقام کا نشانہ بھی بنے۔ اموی حکومت نے امام ابوحنیفہ کو سرکاری ملازمت پر مجبور کرنا چاہا، لیکن جب آپ نے تسلیم نہ کیا تو آپ کو کوڑوں سے پیٹا گیا لیکن آپ کی عزیمت واستقامت میں کوئی فرق نہ آیا۔ علمائے حق کی قربانیاں بالآخر رنگ لاکر رہیں اور انہوں نے اموی اقتدار کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔

4.9 اخلاقی پستی:

یہ ایک فطری امر ہے کہ کوئی بھی قوم اخلاقی پستی اور عیش وعشرت میں پڑ کر اپنے عروج واقتدار کو برقرار نہیں رکھ سکتی جبکہ بلند کردار کی حامل قومیں ہی ہمیشہ ترقی وعروج حاصل کرتی ہیں۔ چند اموی خلفاء کے علاوہ باقی خلفاء شراب، عیش وعشرت اور راگ ورنگ کے رسیا تھے۔ یہ اخلاقی زوال بنوامیہ کی حکومت کو گھن کی طرح کھائے جارہا تھا، خلفاء عیش ونشاط کے مشاغل میں الجھے رہتے تھے اور امورِ جہانبانی کی انجام دہی سے غافل رہتے تھے۔ لازم تھا کہ ایسے حکمرانوں سے عوام متنفر ہوجائیں اور حکومت کے دشمن حکمرانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر ان کی حکومت کا خاتمہ کردیں۔

4.10 عباسی تحریک:

عباسی تحریک نے بھی بنوامیہ کے زوال کو قریب سے قریب تر کردیا۔ عباسی ائمہ کی ذہانت وقابلیت اور ابومسلم خراسانی کی خداداد صلاحیتوں کے سامنے اموی اقتدار ریت کی دیوار ثابت ہوا۔ انہوں نے اپنی تنظیمی اہلیت اور سیاسی بصیرت کی مدد سے اپنے داعیوں کے ذریعے امویوں کے مظالم اور استبداد کی تشہیر اس طریقہ سے کی کہ رعایا کے تمام غیر مطمئن عناصر عباسی جھنڈے تلے متحد ہوگئے، یہاں تک کہ یمن اور ربیعہ کے عرب قبائل بھی عباسی تحریک کے حلقہ بگوش ہوگئے اور مملکت کے تمام حصوں میں بنوامیہ کی حکومت کے خلاف نعرے بلند ہونے لگے۔ آخر کار اس ملک گیر تحریک نے اموی اقتدار کا تختہ الٹ کر عباسی خلافت کے قیام کی راہ ہموار کردی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

خودآزمائی:

1۔ بنوامیہ کی وجہ تسمیہ بیان کیجئے۔

2۔ دورنبوی ﷺ اور عہد خلفاء راشدین میں بنوامیہ کو حکومت میں کون کون سے مناسب حاصل تھے؟

3۔ جنگ صفین کے بعد ثالثوں نے کیا فیصلہ دیا تھا؟

4۔ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں خلافت کے ڈھانچے میں کیا تبدیلی آئی؟

5۔ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں رفاہ عامہ کے کیا کیا کام ہوئے؟

6۔ حضرت امام حسینؓ مکہ سے کوفہ کیوں روانہ ہوئے تھے؟

7۔ واقعہ حرہ پر مختصراروشنی ڈالئے۔

8۔ خلافت آل معاویہ سے آل مروان میں کیسے منتقل ہوئی؟

9۔ عبداللہ بن زبیرؓ کی شکست کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔

10۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے دور خلافت میں کیا اصلاحات کیں؟

11۔ سندھ کس کے دور حکومت میں فتح ہوااور مسلمانوں کے سندھ پر حملے کا سبب کون ساواقعہ بنا؟

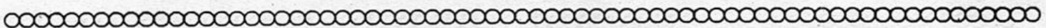
12۔ ولید بن عبدالملک نے ملکی نظم ونسق کے حوالے سے کیا کارنامے سرانجام دیئے؟

13۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے بعد کس کو جانشین بنایا؟

14۔ عمر بن عبدالعزیز کو عمر ثانی کیوں کہا جاتا ہے؟

15۔ بنوامیہ کے دورزوال میں ہشام بن عبدالملک کا عہد ہمیں منفرد کیوں نظر آتا ہے؟

16۔ ولید ثانی کے اقتدار کا خاتمہ کیسے ہوا؟



17۔ یزید الثالث کو یزید الناقص کیوں کہا جاتا ہے؟

18۔ یمنی قبائل اور شامی مروان ثانی کے مخالف کیوں بنے؟

19۔ شیعان علیؓ کا اموی حکومت کے ساتھ اختلاف کس وجہ سے تھا؟

20۔ بنوامیہ کے عہد میں عرب قبائل کے درمیان تعصب میں اضافے کی کیا وجوہات تھیں؟

21۔ موالی کون لوگ تھے اور امویوں کا ان کے ساتھ رویہ کیسا تھا؟

22۔ اموی حکمرانوں نے اپنے محسن سالاروں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

23۔ امام ابوحنیفہ کو امویوں کی مخالفت کی پاداش میں کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا؟



یونٹ نمبر 2

دور بنو امیہ نمبر 2

علمی و ادبی سرگرمیاں، معاشی و معاشرتی حالات، سیاسی و مذہبی تحریکیں

تالیف

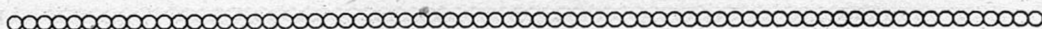
محی الدین ہاشمی

نظر ثانی

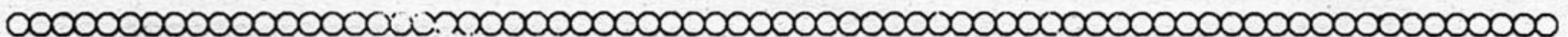
پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

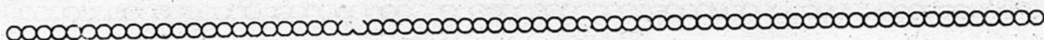


علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد



فہرست عنوانات





یونٹ کا تعارف

اموی دور حکومت کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ علم وفن سے خالی تھا، اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی اصلی علمی تاریخ عباسی عہد سے شروع ہوتی ہے، اس زمانہ میں علوم کی تدوین ہوئی اور مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم کی جانب توجہ کی لیکن علمی ترقی کا آغاز بنوامیہ کے عہد میں ہو چکا تھا اور اس میں مختلف قسم کے علوم کی ترقی و ترویج کے لیے کوششیں کی گئیں جن میں دینی علوم کے علاوہ سائنسی علوم، ادب اور شاعری وغیرہ شامل ہیں۔

اس عہد میں معاشی لحاظ سے عوام خوشحال تھے اور دولت کی فراوانی نے عوام وخواص کو شاہانہ زندگی بسر کرنے کا خوگر بنا دیا تھا، جاگیردارانہ نظام کے باعث معاشرہ طبقات میں بٹا ہوا تھا جو ایک دوسرے سے مختلف طرز زندگی رکھتے تھے۔اس دور میں کئی سیاسی تحریکوں نے جنم لیا۔ حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، خوارج اور عباسی تحریکیں اس دور کی اہم سیاسی تحریکیں ہیں جنہوں نے سیاست پر دور رس اثرات مرتب کیے۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ اموی عہد کی علمی وادبی خدمات پر روشنی ڈال سکیں۔

2۔ اموی دور کے ذرائع آمدن اور وہاں کے معاشی حالات پر سیر حاصل تبصرہ کر سکیں۔

3۔ اس عہد کی معاشرتی سرگرمیوں کا جائزہ لے سکیں۔

4۔ دور بنوامیہ میں اٹھنے والی سیاسی تحریکوں کے اسباب، ان کی سرگرمیوں اور معاشرے پر ان کے اثرات پر تبصرہ کر سکیں۔

1۔ اموی عہد کی علمی وادبی سرگرمیاں

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اموی عہد میں علمی وادبی سرگرمیوں کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی اصل علمی تاریخ کی ابتداعہدِ عباسیہ سے ہوتی ہے جس میں علوم وفنون کی تدوین ہوئی اور مسلمانوں نے دوسری اقوام کے ملاپ سے نئے نئے علوم سیکھے، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اموی عہد میں علوم وفنون پر بالکل توجہ نہیں دی گئی۔ اس عہد کے حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے بنوامیہ نے نامساعد حالات، جنگ و جدل اور کشور کشائی کی مصروفیات کے باوجود علوم وفنون کی سرپرستی کی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ عہد علوم وفنون کی ترقی کا محض ابتدائی دور تھا اور علوم کی ترقی و تکمیل کی جو صورت عباسی عہد میں ظاہر ہوئی اس کی جڑیں بلاشبہ اموی عہد میں پیوست ہیں اسی بنا پر اموی عہد' علوم کی تخم ریزی اور پرورش کا دور کہلاتا ہے۔ ذیل میں اس عہد کے علوم کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

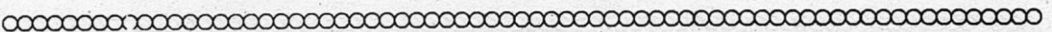
1.1 دینی علوم:

خلفائے راشدین کے عہد میں دینی علوم کی نشرواشاعت کا کام سرکاری سرپرستی میں کیا جاتا تھا اور حصول اور ترویجِ علوم کیلئے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی، لیکن اموی عہد میں یہ سب کچھ ثانوی حیثیت اختیار کرگیا۔ بہر حال خلفائے بنوامیہ' دینی علوم کی ترویج اور اشاعت کی کوششوں کی حوصلہ افزائی اور علوم کی سرپرستی کسی حد تک کرتے رہے۔

دینی علوم میں قرآن وسنت اور فقہ وغیرہ سے متعلق علوم شامل ہیں۔ اس عہد میں بہت سے ایسے صحابہؓ تابعین اور علماء موجود تھے جنہوں نے بنفس نفیس دین کی ترویج واشاعت کے کام کو جاری رکھا۔ ان میں حضرت عبداللہؓ بن عباس، عبداللہؓ بن عمر، عبداللہؓ بن مسعود، حضرت عائشہؓ، زید بن ثابتؓ اور حضرت انس بن مالکؓ خاص طور پر مشہور ہیں۔

1.1.1 قرآن مجید:

قرآنِ مجید کتاب ہدایت اور تمام اسلامی علوم کا منبع ومصدر ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں قرآن فہمی اور اس کی



اشاعت پر خصوصی توجہ دی گئی ، چنانچہ حفاظت قرآن ،قرأت اور عربی زبان کی ترویج واشاعت کیلئے بہت سے اقدامات کئے گئے۔اس وقت تک قرآن مجید پر نقطے اور اعراب نہیں تھے جس کی وجہ سے نومسلموں کو قرآن مجید پڑھنے میں سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ساتھ ہی بہت سی غلطیاں پیدا ہونے کا امکان بھی تھا۔ان دشواریوں کے پیشِ نظر عبدالملک بن مروان نے الفاظِ قرآنی پر نقطے اور اعراب لگانے کا اہتمام کیا۔اس کام کیلئے حجاج بن یوسف کی خدمات حاصل کی گئیں جسے قرآنِ مجید پر اعراب و نقطے لگانے کی سعادت حاصل ہوئی۔اس طرح عجمیوں کیلئے قرآن کو پڑھنا اور سمجھنا آسان ہو گیا۔

قرآنِ مجید کے مشہور قرائے سبعہ یعنی سات قاری بنوامیہ ہی کے دور کے تھے۔

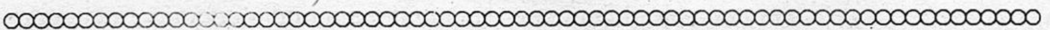
حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں قرآنی علوم کی ترویج کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی گئی اور مختلف علاقوں میں علماء کو قرآنِ مجید کی تعلیم کیلئے بھیجا گیا۔

1.1.2 علمِ تفسیر:

قرآنِ مجید کی تفسیر کی ابتداء نزولِ قرآن کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو نبی اکرم ﷺ اس کی تفسیر بیان کر دیا کرتے تھے۔صحابہ کرامؓ کے اقوال اور اجتہادات بھی تفسیر میں شمار ہوتے تھے۔لیکن تفسیر ایک باقاعدہ فن کی حیثیت سے اموی عہد میں متعارف ہوئی۔اس عہد کے نامور مفسرین میں عکرمہؒ، قتادہ بن دعامہ سدوسی، مجاہد بن جبیر، سعید بن جبیر اور حسن بصری شامل ہیں جن میں سے مجاہد، حسن بصری، سعید بن جبیر، امام باقر اور ابوحمزہ نے تفسیریں بھی لکھیں تھیں۔

1.1.3 حدیثِ علم:

اموی عہد میں علمِ حدیث کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی گئی اور اس کی ترویج واشاعت کا کام بڑی تیزی سے ہوا۔اس عہد میں عوام میں احادیث کو یاد کرنے اور جمع کرنے کا ایک خاص ذوق پیدا ہو گیا تھا۔مدینہ میں حدیث کا درس دینے کے حلقے قائم تھے جہاں دور دور سے لوگ حدیث سننے کیلئے آیا کرتے تھے۔امام شہاب زہری احادیث کی تلاش میں مدینے کی گلی گلی میں پھرتے تھے۔ابو قلابیہ جرمی ایک ایک حدیث کو سننے کئی کئی دن تک مدینہ میں مقیم رہتے تھے۔امام مکحول نے علمِ حدیث کی تلاش میں بے شمار سفر کئے اور دنیائے اسلامی کے مختلف گوشوں میں محدثین سے استفادہ کیا۔خلیفہ ہشام بن



عبدالملک نے امام ابن شہاب زہری سے چارسو احادیث پر مشتمل ایک مجموعہ مرتب کروایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے احادیث کی تدوین اور ترویج واشاعت میں تمام اموی خلفاء سے زیادہ حصہ لیا۔ انہوں نے تمام علاقوں کے عاملین کو خطوط لکھے جن میں انہیں احادیث جمع کرنے اور انہیں لکھوا کر آپ کی طرف بھیجنے کا حکم تھا، چنانچہ ان کے عہد میں بڑی تعداد میں احادیث کے مجموعے مرتب ہوئے۔ انہوں نے احادیث کے یہ مجموعے تمام شہروں میں پھیلا دیئے تا کہ لوگ صحیح احادیث سے واقف ہو سکیں۔ سعید بن جبیر، سعید بن مسیّب، سالم بن عبداللہ، طاؤس بن کیسان، امام شعبی، عطا بن ابی رباح، عکرمہ، نافع، علقمہ ابن قیس، قتادہ بن دعامہ سدوسی، مجاہد، محمد بن سیرین، ابن شہاب زہری، محمد بن منکدر اور مکحول اسی عہد کے عظیم محدثین ہیں۔

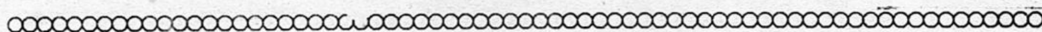
1.1.4 فقہ:

بنو امیہ کے عہد میں عبیداللہ ابن عبداللہ بن مسعود، ابو بکر بن عبدالرحمان، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، سعید بن مسیّب، سلیمان بن یسار اور خارجہ بن زید علم حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ میں بھی کمال رکھتے تھے اسی وجہ سے یہ فقہائے سعبہ (سات فقہاء) کے نام سے مشہور تھے، اس عہد میں زیادہ تر انہی فقہاء کے ذریعہ فقہ کی اشاعت ہوئی۔

فقہائے سعبہ کے علاوہ ربیعہ بن فرخ رائی، ابراہیم نخعی، امام شعبی، امام جعفر صادق، عبدالرحمٰن بن ابی سلمیٰ اور قاضی شریح ایسے نامور فقیہ تھے جنہوں نے فقہ پر باقاعدہ کتابیں بھی تحریر کیں۔ عروہ بن زبیر نے فقہ پر ایک کتاب لکھی، مکحول نے دو کتابیں ''کتاب السّنن'' اور ''کتاب المسائل'' لکھیں جن میں سے اوّل الذکر احادیث سے متعلق تھی اور دوسری فقہ کی کتاب تھی۔ امام زہری کے فتاویٰ کو تین ضخیم جلدوں میں جمع کیا گیا تھا جو بعد میں آنے والوں کیلئے رہنمائی کا باعث ہوا۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک بھی بنو امیہ کے دور میں گزرے ہیں، یہ حضرات علمِ فقہ میں اپنے رسوخ کی بناء پر دو الگ الگ فقہی مسالک کے امام بنے۔

1.1.5 علمِ تاریخ:

تاریخ نویسی کا باقاعدہ آغاز اموی عہد سے ہوا، اس سے پہلے تاریخ نویسی قصہ گوئی کے درجے سے آگے نہ بڑھ سکی تھی جس میں مؤرخین کا تخیل اور افسانوی رنگ شامل ہوتا تھا۔ اموی عہد میں پہلی مرتبہ تاریخی حقائق کو بے لاگ بیان کرنے کی روایت قائم ہوئی۔



تاریخ نویسی کی ابتداء سیرت ومغازی سے ہوئی، اسلام کی ابتدائی تاریخ انہی دونوں (سیرت ومغازی) سے عبارت ہے، اموی عہد میں عروہ بن زبیر، شرحبیل بن سعد، وہب بن منبہ، عکرمہ، عاصم ابن عمرو بن قتادہ، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ اور معمر بن راشد اس فن کے امام تھے۔ کشف الظنون کے مطابق مغازی اور سیرت پر پہلی کتاب عروہ بن زبیر نے لکھی تھی، لیکن امام سہیلی کے نزدیک اس فن پر پہلی تصنیف امام زہری کی ہے۔ حضرت امیر معاویہ کے دور میں عبید بن شربہ نے ''کتاب الامثال اور کتاب الملوک واخبار الماضین'' تالیف کیں اور اسی دور میں ایک مورخ عوانہ بن حکم نے ''کتاب التاریخ'' اور ''سیرت معاویہ'' لکھی۔ ان بنیادی کتب کے بعد سیرت ومغازی پر جو بھی تصانیف ہوئیں انہی علماء کی بیان کردہ روایات سے فائدہ اٹھا کر لکھی گئیں۔ اس فن کو سب سے زیادہ ترقی جس شخصیت نے دی وہ محمد بن اسحاق ہیں۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ انہوں نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ پھر بعد میں کوئی اس میں اضافہ نہ کر سکا۔ انہوں نے سلاطین اور امراء کی توجہ لایعنی قصوں سے ہٹا کر تاریخی حقائق کی طرف مبذول کرائی تھی۔ انہوں نے تاریخ، سیرت اور مغازی پر ''کتاب السیرۃ و المبتداء و المغازی'' اور ''کتاب الخلفاء'' کے نام سے دو کتابیں لکھیں جو بڑے پائے کی کتابیں تھیں مگر بدقسمتی سے ناپید ہوگئیں۔ البتہ ''سیرت ابنِ ہشام'' جو ابنِ اسحاق ہی کی بیان کردہ روایات پر مشتمل ہے، آج بھی موجود ہے اور سیرت پر بڑی مستند اور بلند پائے کی کتاب مانی جاتی ہے۔

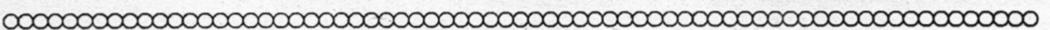
وہب بن منبہ (110ھ) نے جو مغازی اور سیرت کے ساتھ عرب کی تاریخ بھی ماہر تھے، سلاطین حمیر کے حالات پر ایک کتاب لکھی تھی۔

1.2 سائنسی علوم:

اس عہد میں سائنسی علوم کو بھی فروغ حاصل ہوا، خصوصاً کیمیا اور طب کے میدان میں بہت ترقی ہوئی۔

1.2.1 علمِ کیمیا:

بنوامیہ میں خالد بن یزید بن معاویہ (85ھ) کو علمِ کیمیا سے بہت شغف تھا، اس نے مصر کے عیسائی عالم سے علمِ کیمیا، طب اور ہیئت پر یونانی اور عربی زبان میں کتابوں کا ترجمہ کروایا اور ان کی مدد سے نئی نئی کتابیں تصنیف کروائیں۔ اس کے عہد میں اصطفان نے کیمیا کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا اور ایک تجربہ گاہ بھی تعمیر کی۔ خالد بن یزید نے خود بھی اس موضوع پر



چار کتابیں ''کتاب الحرارة''، ''کتاب الصحیفة الکبیرة''، ''کتاب الصیحفة الصغیرة'' اور ''کتاب وصیة الی ابنه فی الصنعة'' تحریر کیں۔

1.2.2 علمِ طب:

طب کے میدان میں عربوں نے یونانیوں کی کوششوں سے فائدہ اٹھایا، اس عہد میں طائف کا ایک طبیب حارث بن کلدہ اس فن میں بے نظیر مہارت رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ''حکیمِ عرب'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس کا بیٹا نصر بھی اپنے زمانے کا مشہور طبیب تھا۔ امیر معاویہ کا شاہی طبیب ابن اثال نصرانی بھی اس فن کا ماہر تھا۔ خالد بن یزید بن معاویہ نے یونانی طب کی کتب کے تراجم کروائے۔ اس عہد میں یونان کے ایک مشہور طبیب اہرن القیس کی علمِ طب پر ایک مشہور کتاب ''الکناش'' کا عربی زبان میں ماسرجویہ نے مروان بن حکم کے حکم سے ترجمہ کیا تھا جو شاہی کتب خانے میں محفوظ تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کتاب کی نقلیں کرا کے مختلف صوبوں میں بھیج دی تھیں تاکہ لوگ طبِ یونان سے استفادہ کر سکیں۔ اسی کتاب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ولید اول نے غرباء کیلئے شفا خانے اور طبی مدرسے قائم کئے تھے۔

1.2.3 فلسفہ:

اموی عہد میں یونانی علوم کے ترجمہ کی بدولت یونانی فکر و فلسفہ نے مسلمانوں پر اپنا اثر ڈالا۔ خلفائے راشدین کے عہد میں چونکہ یونانی علوم نے مسلمانوں کو قطعاً متاثر نہیں کیا تھا، اس لئے وہ یونانی خیالات کے اثر سے محفوظ تھے۔ لیکن اموی عہد میں بعض نئی بحثوں اور فلسفیانہ نظریات نے جنم لیا اور بالخصوص جبر و قدر کے مسئلے نے شدت اختیار کر لی تھی۔ علماء کا ایک طبقہ انسان کو اپنے افعال کا مختار اور اپنی قسمت پر قادر خیال کرتا تھا، یہ لوگ قدریہ کہلاتے تھے جبکہ اس کے برعکس دوسرے گروہ کے لوگ انسان کو اپنے اعمال کے سلسلے میں مجبور و بے بس قرار دیتے تھے' اس عقیدے کے حامل لوگ جبریہ کہلائے۔ دونوں مکاتب فکر نے اپنے اپنے اثرات چھوڑے اور عوام کے علاوہ خلفائے بنوامیہ بھی ان کے خیالات سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ معاویہ ثانی اور یزید ثالث دونوں قدریہ کے نقطۂ نظر کے قائل تھے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

1.3 ادبیات:

بنوامیہ کے عہدِ خلافت میں ادب اور شاعری کو بہت فروغ حاصل ہوا، ذیل میں اس دور کے ادبیات میں ہونے والے کارناموں کا جائزہ لیا جاتا ہے:

1.3.1 شاعری:

عہدِ بنوامیہ کے اکثر وبیشتر حکمران شعروشاعری سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔انہی کی سرپرستی اور قدردانی کی بدولت شاعری نے بہت ترقی کی اور اخطل ،جریر،فرزدق ،اعشیٰ ،نابغہ اور کمیت جیسے اعلیٰ پایہ کے شعراء پیدا ہوئے۔

اس عہد کی شاعری موضوعات اور اقسام کے لحاظ سے پہلے ادوار سے کافی مختلف ہے۔اس سے پہلے کی شاعری میں صحرائی اور بدوی عنصر زیادہ تھا' تشبیہ اشارات کے لحاظ سے بھی پہلے ادوار کی شاوی بدویانہ ماحول سے متاثر تھی اور ان کے موضوعات میں وسعت اور تنوع نہ تھا۔اموی شاعری موضوعات اور خیالات دونوں لحاظ سے متنوع نظر آتی ہے۔روم وایران کے تمدن، باغات اور سبزہ زاروں نے عربی شاعری کا رنگ بدل دیا اور اسے خیالات کی لطافت اور حسین معانی سے مالا مال کردیا۔اس سے پہلے قصیدے کا عام رواج تھا جبکہ غزل' ایک الگ صنفِ سخن کے لحاظ سے کہیں موجود نہ تھی۔غزلیہ شاعری کی ابتداء اسی دور سے ہوئی جس کا بانی عمر بن ربیعہ کو قرار دیا جاتا ہے۔

ایک اور چیز جو اس عہد میں بڑی نمایاں نظر آتی ہے وہ ہے جماعتی اور سیاسی شاعری۔ چونکہ اس عہد میں قبائلی، سیاسی اور مذہبی اختلافات نے جنم لیا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں کئی گروہ مثلاً شیعہ ،خوراج ،علوی اور عباسی پیدا ہوگئے تھے جو ایک دوسرے کے مخالف تھے۔اسی بنا پر اس زمانے میں جماعتی شعراء کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوگئی تھی ،مثلاً نعمان بن بشیر، یزید بن ربیعہ، ایمن بن خریم علویوں کے حامی شعراء تھے جبکہ مسکین دارمی ،اعشیٰ اموی تھے اور طرماح بن عدی ،عمران بن خطان ، خارجیوں اور آل زبیر کے حمایتی تھے۔

اس کے علاوہ ان شعراء کی بھی ایک بڑی تعداد تھی جو کسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے ،مثلاً جمیل بن معمر، عمران بن ابی ربیعہ، عبد بن قیس ،ابن عبادہ ،احوص ،ذی الرمہ ،سعید دارمی ،عبید بن حصین اور عبداللہ بن خارجہ وغیرہ۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

اموی عہد کے اکثر حکمران ادبیات کے مربی وسرپرست تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے دربار میں شعراء موجود رہتے تھے۔ عمران بن ابی ربیعہ، جمیل، نصیب اور لیلیٰ اخیلیہ غزل گو شعراء میں ممتاز تھے جبکہ قصیدہ نگاروں میں فرزدق، جریر اور اخطل نے خوب نام کمایا۔ ان قصیدہ گو شعراء میں باہمی رقابت بھی پائی جاتی تھی چنانچہ انہوں نے ایک دوسرے کی ہجو میں ہجویہ اشعار بھی کہے۔

اس عہد میں حماد الراویہ نے قدیم عرب شاعری کے نمونے جمع کیے جن میں سبعہ معلقات (سات ضرب المثل قصائد جو خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں تھے) بھی شامل ہیں۔

1.3.2 خطابت:

عہدِ بنوامیہ میں خطابت کو جو ترقی ملی وہ آئندہ کسی عہد میں نہ ہو سکی۔ خطباء اس فن سے نمازِ جمعہ کے خطبوں میں مذہبی تلقین کرتے تھے۔ سپہ سالار اس کے ذریعے سے جنگی جوش ابھارتے اور صوبوں کے والی رعایا میں وطن پرستی کے جذبات پیدا کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف، زیاد بن ابی سفیان اور طارق بن زیاد نے اسی فن سے کام لے کر اپنی افواج میں جنگی جذبات ابھارے تھے۔

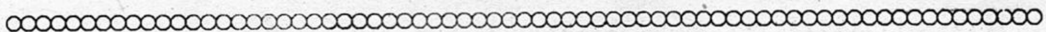
2۔ معاش

2.1 آمدن کے ذرائع:

عہدِ بنوامیہ میں دولت کی فراوانی تھی۔ حکومت کے خزانے بھرے ہوئے تھے جن کا بیشتر حصہ عمائدینِ سلطنت سامانِ جلالت مہیا کرنے اور عیش و عشرت کے مزے لوٹنے میں استعمال کیا کرتے تھے۔ یہاں اس عہد کے ذرائع آمدن کا مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

1۔ خمس:

یہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ ہوتا تھا جو بیت المال میں جمع ہوتا، باقی چار حصے فاتح فوج میں تقسیم کردیئے جاتے تھے۔



2۔ زکوٰۃ:

زکوٰۃ ہر مسلمان صاحبِ نصاب سے اس کی آمدنی پر اڑھائی فیصد کے حساب سے وصول کی جاتی تھی جسے بعد میں مستحقین اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کیا جاتا تھا۔

3۔ عشر:

مسلمان زمین داروں سے ان کی فصل کا جو دسواں حصہ حکومت وصول کرتی تھی، اسے عشر کہتے ہیں۔

4۔ عشور:

تجارتی مال پہ ٹیکس وصول کیا جاتا تھا، مسلم اور غیر مسلم کے لیے اس کی شرح میں فرق تھا۔

5۔ خراج:

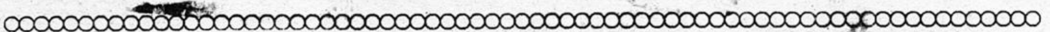
مفتوحہ علاقوں کے مالکانِ اراضی سے جو ٹیکس ان کی زمینوں کی پیداوار پر وصول کیا جاتا تھا، خراج کہلاتا تھا، اس عہد میں غیر مسلم اپنی پیداوار کا نصف حصہ بطور خراج ادا کرتے تھے۔

6۔ جزیہ:

یہ ٹیکس حکومت اپنی غیر مسلم رعایا سے وصول کرتی تھی، اس کے عوض غیر مسلم فوجی خدمات سے مستثنیٰ تھے اور ان کی جان، مال اور آبرو کا تحفظ کیا جاتا تھا، عورتوں، بوڑھوں، بچوں، معذوروں اور بیماروں سے جذیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

7۔ باج:

یہ ٹیکس ان سرحدی حکمرانوں سے وصول کیا جاتا تھا جنہیں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست ہو جاتی اور وہ مسلمانوں سے باجگزاری کا معاہدہ کر کے صلح کر لیتے۔



2.2 غیر شرعی محصولات:

اسلامی فتوحات سے پہلے ساسانی اور بازنطینی حکومتوں نے بعض ایسے محصولات اپنی رعایا پر عائد کرر کھے تھے جن کی ادائیگی رعایا کیلئے سخت تکلیف کا باعث بنتی تھی۔ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے ایسے تمام محصولات کی آمدنی اپنے دورِ خلافت میں قانوناً بند کردی تھی لیکن جب اموی دور خلافت شروع ہوا تو یہ تمام غیر شرعی محاصل اپنی آمدنی بڑھانے کیلئے دوبارہ جاری کر دیئے گئے۔

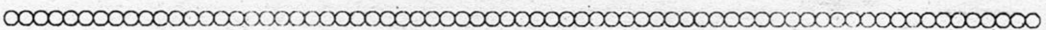
بیت المال کے ان تمام ذرائع آمدنی کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اموی عہد میں شرعی محاصل کے ساتھ ساتھ خزانے میں اضافہ کیلئے چند ایک غیر شرعی محاصل بھی عائد کئے گئے تھے جن کا بوجھ عوام کیلئے ناقابلِ برداشت تھا۔ عراق کا گورنر حجاج بن یوسف اس معاملہ میں اتنا بڑھ چکا تھا کہ اس نے نومسلموں پر بھی جزیہ لگا دیا، حالانکہ شریعت کی رو سے یہ ٹیکس صرف غیر مسلموں پر عائد کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس بدعت کو منسوخ کر دیا تھا مگر بعد کے حکمرانوں نے اس ٹیکس کو دوبارہ جاری کر دیا۔

2.3 تجارت:

تجارت نے اموی دور میں بہت فروغ پایا اور لوگوں میں رجحان بہت بڑھ گیا تھا۔ دورِ خلافت راشدہ کے بہت سے سپاہ پیشہ اشخاص نے تجارت کو بطور پیشہ اپنا لیا تھا اور انہوں فتوحات سے حاصل کی ہوئی دولت کو تجارت میں لگایا۔ انہوں نے تجارتی سامان کی خرید وفروخت کیلئے دوسرے شہروں کا رخ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس عہد میں تجارت اپنے عروج پر تھی اور عرب دنیا کے سب سے بڑے تاجر شمار ہوتے تھے۔ مکہ، مدینہ، دمشق، بصرہ، کوفہ وغیرہ اس دور کے اہم تجارتی مراکز تھے۔

2.4 صنعت وحرفت:

اس عہد میں صنعت وحرفت کی ترقی کی طرف بھی توجہ دی گئی چنانچہ دمشق، حمص، بیروت، حیرہ، کوفہ، واسط اور حلب اس عہد کے اہم صنعتی مراکز تھے۔ کپڑا بننے اور چمڑا رنگنے کی صنعتوں کو بالخصوص فروغ ملا۔ قدس عمدہ کپڑے اور شیشے کے برتن



تیار کرنے میں دوسرے تمام شہروں سے بازی لے گیا تھا۔ جفاکش عرب گاؤں سے شہروں میں آکر آباد ہوئے تو بڑے شہروں میں جتنی صنعتیں تھیں (مثلاً کپڑے کی صنعت ، برتن بنانے اور چمڑا رنگنے کی صنعت وغیرہ) وہ انہوں نے سیکھ کر ان میں مکمل مہارت حاصل کی ۔ اس طرح یہ بادنشین آہستہ آہستہ بڑے صنعتکار بننے لگے۔

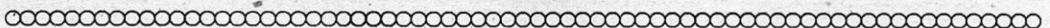
2.5 زراعت:

زراعت کی ترقی اور فروغ کیلئے بھی اموی عہد میں اقدامات کئے گئے ۔ حضرت امیر معاویہ کے عہد میں زیادہ سے زیادہ زمین کو آباد کرنے کی کوشش کی گئی اور کھیتی باڑی کے لئے کاشتکاروں کو بہت سہولتیں دی گئیں ۔ زراعت کی ترقی کیلئے نہریں کھودی گئیں اور بند تعمیر کئے گئے ۔ نہر معقل جو حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں کھودی گئی تھی اسے اور گہرا کیا گیا۔ اس کے علاوہ امیر معاویہؓ نے مدینہ کے گرد ونواح میں نہریں کھدوائیں جن سے پیداوار میں اضافہ ہوا۔

حجاج بن یوسف والی عراق نے انیل اور الذابی دو نہریں کھدوائیں ۔ نیل کے ذریعے دریائے دجلہ اور فرات کو ملا دیا گیا جس سے نہ صرف موسم برسات کی طغیانیوں پر قابو پایا گیا بلکہ بے آب وگیاہ زمینیں لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل ہوگئیں۔

ولید نے بھی زراعت کی ترقی کیلئے نہریں کھدوائیں ۔ کھیتی باڑی کیلئے چونکہ جانوروں کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس نے حکم دیا کہ بیلوں کو ذبح نہ کیا جائے تا کہ وہ کھیتی باڑی کے کام آسکیں۔

اس عہد کے معاشی حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پہ پہنچتے ہیں کہ حکومت کے معاشی حالات بہت بہتر تھے، تجارت عروج پر تھی، مختلف صنعتوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی اور زراعت کی ترقی کیلئے خلفاء ذاتی دلچسپی لے رہے تھے۔ انہی اسباب کی بنا پر یہ دور خوشحالی کا دور تھا جس میں عوام کی اقتصادی حالت اچھی تھی۔



3۔ معاشرتی سرگرمیاں

اموی حکومت خالص عربی حکومت تھی، اس لئے اس عہد میں لوگوں کی سماجی اور معاشرتی زندگی میں عربیت کا عنصر بہت غالب تھا۔ تاہم رومی اور ایرانی قوموں سے ملاپ کی وجہ سے ان تہذیبوں کے اثرات بھی اموی تہذیب پر مرتب ہوئے اور نتیجتاً ان کی زندگیوں میں شان و شوکت اور نمود و نمائش کا عنصر بہت نمایاں ہوگیا تھا۔ باوجود ان تمام تبدیلیوں کے جو اموی عہدِ حکومت کے دوران رونما ہوئیں، عوام کو بالعموم خوشحالی، امن و امان اور عدل و انصاف حاصل رہا۔

اس عہد میں قبائلی عصبیت کے سر ابھارنے کی وجہ سے غیر عرب مسلمانوں کے ساتھ بعض خلفاء کا رویہ اچھا نہ تھا بلکہ ان سے اسلام لانے کے بعد بھی جزیہ وصول کیا جاتا تھا، البتہ غیر مسلموں کے ساتھ ان کا رویہ بہتر تھا۔ انہیں پوری مذہبی آزادی حاصل تھی اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کا پورا اہتمام کیا جاتا تھا۔ حضرت امیر معاویہ کے دور میں عیسائیوں کا ایک کلیسا زلزلے کی وجہ سے تباہ ہوگیا تو آپ نے دوبارہ اس کی تعمیر کا حکم دیا۔

اس عہد میں امویوں کا پایۂ تخت (دمشق) تہذیب و تمدن کے لحاظ سے دنیا کے حسین ترین اور متمدن شہروں میں شمار کیا جانے لگا تھا۔ شہر میں پانی کی بہم رسانی کا شاندار انتظام موجود تھا۔ اپنے محلات، صنعت و تجارت، زیب و زینت اور باغات کی کثرت کی وجہ سے یہ دنیا کے خوبصورت ترین شہروں میں شامل ہوگیا تھا۔ بڑی شاندار اور خوبصورت عمارات تعمیر کی گئیں۔ شہر میں دور تک سفید رنگ کے گنبد ہی گنبد نظر آتے جن سے اس دور کے کاریگروں اور معماروں کی فنی صلاحیتوں کو انسان بے اختیار تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دمشق کے وسیع شہر میں کئی بازار تھے جو مسقّف تھے جس کی وجہ سے گرمیوں میں بھی خوب ٹھنڈے رہتے۔ تمام اموی خلفاء سوائے عمر بن عبدالعزیز کے شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خلفائے بنو امیہ میں حضرت امیر معاویہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز، ہشام بن عبدالملک اور یزید ثالث کے علاوہ تمام اموی خلفاء شراب نوشی اور رقص و سرور کے دلدادہ تھے خلفاء کی دیکھا دیکھی یہی اطوار امرائے سلطنت اور عوام نے بھی اپنائے۔ چنانچہ معاشرے میں مے نوشی عام تھی اور رقص و سرور کی محفلوں میں شرکت کرنا عوام کا دل پسند مشغلہ بن گیا۔

اس عہد میں عوام گھوڑ دوڑ میں بہت دلچسپی رکھتے تھے، اموی خلفاء بھی اس مشغلہ کو پسند کرتے تھے اور اکثر و بیشتر گھوڑ دوڑ

کے مقابلے قومی سطح پر بھی منعقد کروائے جاتے تھے۔ ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں ایک گھوڑ دوڑ میں چار ہزار گھوڑے شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ مرغوں کی لڑائی، جواء اور تاش کھیلنے کا رواج عام تھا۔ خلفاء اور امراء کو شکار سے بھی بہت شغف تھا، یزید اول نے شکار کیلئے سینکڑوں کتے پال رکھے تھے، کتوں کے علاوہ شکار میں پالتو چیتوں سے بھی کام لیا جاتا تھا۔

اموی معاشرے میں جاگیردارانہ نظام رائج تھا جس میں سماجی اور سیاسی تقاضوں کے مطابق گروہ بندی تھی جس کی وجہ سے معاشرے میں ہر طبقہ اور گروہ کا الگ مقام تھا اس معاشرے میں مندرجہ ذیل لوگ اہم تھے:

3.1 حکمران طبقہ:

اموی معاشرے میں سب سے اہم طبقہ حکمرانوں کا تھا، جس میں خلیفہ، شہزادے، اموی خاندان کے اراکین، حکومت کے اعلیٰ عہدے داران اور فوجی جرنیل تھے۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے تمام لوگ عربی النسل ہوتے تھے، ان لوگوں کے پاس بڑی بڑی جائیدادیں تھیں جن کے بل پر وہ عیش کرتے تھے، یہ طبقہ بعض اوقات اپنی اعلیٰ سیاسی اور سماجی خدمات کا فائدہ اٹھا کر اپنے مخالفین کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے سے بھی دریغ نہیں کرتا تھا۔

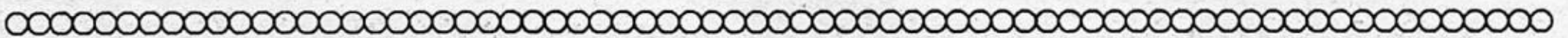
3.2 عام عرب:

یہ طبقہ فوجی ملازمین اور عام عربوں پر مشتمل تھا۔ حکومت سے وفاداری اور فوجی خدمات کے عوض انہیں وظائف اور تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ ان کے اہل وعیال کو بھی وظائف دئے جاتے تھے اس کے علاوہ اکثر اموی خلفاء بھی ان پر کرم کی بارش کرتے تھے اور انہیں تحفے تحائف سے نوازتے تھے۔

اس طبقے کی اقتصادی حالت بھی بہت اچھی تھی جس کی وجہ سے یہ شان وشوکت اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

3.3 موالی:

مفتوحہ علاقوں کے نومسلم موالی کہلاتے تھے۔ جس کی بہت بڑی تعداد تھی۔ ابتداء جب کوئی غلام آزاد ہوتا یا کوئی غیر مسلم ایمان لاتا تو وہ عربی معاشرے کا جزو بننے کیلئے کسی عرب قبیلے کے ساتھ منسلک ہو جاتا، اس طرح اسے قبیلے کے



دوسرے افراد کے برابر حقوق حاصل ہو جاتے تھے بعد میں جب وسیع پیمانے پر اسلام کی اشاعت ہوئی تو عجمیوں کیلئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ کسی عرب قبیلے کے موالی بنیں اس لئے ان کو موالی اسلام کہا جانے لگا۔ چونکہ یہ غیر عرب تھے اور انہیں کسی قبیلے کی حمایت حاصل نہ تھی، اس لئے اموی حکومت کا رویہ ان کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ وہ انہیں مسلمانوں جیسی مراعات نہ دیتی تھی بلکہ اسلام لانے کے باوجود ان سے جزیہ اور خراج بھی وصول کرتی تھی اور سرکاری ملازمتوں میں بھی ان کے ساتھ تفریق برتی جاتی تھی۔ ان اقدامات کی وجہ سے ان کے دلوں میں امویوں کے خلاف دشمنی کے جذبات پیدا ہوئے جس کی وجہ سے عجم میں شعوبی تحریک (عجمی قوم پرستی) نے جنم لیا۔ چنانچہ انہوں نے ہر اس تحریک کا ساتھ دیا جس کا مقصد اموی خلافت کا خاتمہ تھا۔

3.4 ذمی:

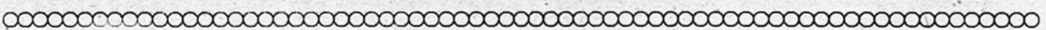
وہ لوگ جنہوں نے مفتوحہ علاقوں میں اسلام قبول نہیں کیا تھا، ذمی کہلاتے تھے جنہوں نے اموی حکومت کی سیاسی اطاعت تو اختیار کرلی تھی۔ لیکن اپنے مذہب کے نہ چھوڑا تھا، ذمیوں کا اسلامی حکومت کے ساتھ معاہدہ ہو جاتا جس کے تحت اسلامی حکومت ان کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت کرتی تھی۔ یہ فوجی خدمات سے مبرا رہتے تھے، چنانچہ اس کے عوض وہ حکومت کو جذیہ ادا کرتے تھے۔

اس عہد میں یہ لوگ بڑے اطمینان اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان میں سے جو صاحب علم تھے انہیں قدر و منزلت حاصل تھی۔ جن میں سے بعض نے نہایت اہم عہدے بھی حاصل کر لئے تھے۔ مذہبی نقطہ نگاہ سے ذمیوں کو ہر طرح کی آزادی حاصل تھی، ان کی عبادت گاہیں محفوظ تھیں، ان کے مقدمات کے فیصلے ان کے اپنے قوانین کے مطابق کئے جاتے تھے۔

معاشی لحاظ سے یہ خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے، ان کی اکثریت زراعت پیشہ تھی، صنعت و حرفت اور تجارت میں بھی ان کا بڑا دخل تھا۔

3.5 غلام:

اس عہد میں شاندار فتوحات کی بدولت بہت سے جنگی قیدی غلام بنا کر لائے گئے، ان میں سے بیشتر کو تو آزاد کر دیا گیا اور بقیہ کو امراء کی خدمت گزاری پر مامور کر دیا گیا، ان کی عورتیں بھی خادمہ کی حیثیت سے امراء کے گھروں میں کام کاج



کیا کرتی تھیں ۔ ان غلاموں کو خریدا اور بیچا جا سکتا تھا لیکن اس عہد میں غلاموں کی باقاعدہ تجارت شروع نہیں ہوئی تھی جو بعد میں عباسی عہد میں ہوئی۔

4- سیاسی سرگرمیاں

اموی عہد کے سیاسی حالات کا اندازہ اس دور میں اٹھنے والی مختلف سیاسی تحریکوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس عہد میں بہت سی تحریکیں اٹھیں جن میں حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیر، خوارج اور ابو مسلم خراسانی کی تحریکیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان تحریکوں نے بنوامیہ کی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کئے، یہی وہ تحریکیں تھیں جنہوں نے اس خاندان کے زوال میں نمایاں کردار ادا کیا۔

4.1 حضرت امام حسینؓ کی تحریک:

60 ہجری میں یزید نے خلیفہ بننے کے بعد امام حسینؓ سے بیعت لینا چاہی تو آپ نے انکار کر دیا تھا۔ یزید انتہائی عیش پسند اور احکام شریعت سے بے خبر حکمران تھا، حضرت امام حسینؓ کے انکار پر انہیں کربلا کے المناک سانحے سے دوچار ہونا پڑا جو پوری اسلامی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت نے حجاز میں انقلاب برپا کر دیا تھا، مکہ اور مدینہ کے لوگوں نے یزید کی بیعت فسخ کر کے ابن زبیر کی بیعت کر لی تھی ۔ اس انقلاب نے اموی خلافت کیلئے بے شمار مشکلات پیدا کر دی تھیں، عبداللہ بن زبیر کی تحریک جس نے اموی اقتدار کو ہلا کر رکھ دیا در حقیقت اسی سانحہ کی پیداوار ہے۔

تحریک امام حسینؓ کی وجہ سے اقتدار و خلافت آل معاویہ سے آل مروان میں منتقل ہوگئی۔ معاویہ ثانی حضرت امام حسینؓ کی شہادت سے اس حد تک دلبرداشتہ ہو چکا تھا کہ اس نے چند ماہ کی خلافت کے بعد دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ بالآخر اقتدار کیلئے شروع ہونے والی کشمکش مروانی اقتدار کے خاتمے پر منتج ہوئی۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

توابین کا ظہور بھی اسی سانحہ کے بعد ہوا، انہوں نے 685ء میں باقاعدہ تنظیم کی صورت اختیار کر لی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت امام حسینؓ کو کوفہ بلایا تھا مگر ان کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔ اب وہ اپنے کئے پر شرمسار اور حضرت امام حسینؓ کے قاتلوں سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے سلیمان بن صرد کی قیادت میں بغاوت کی جسے حجاج بن یوسف نے عین الوردہ کے مقام پر شکست سے دوچار کیا۔ اس مقابلے میں سلیمان مارا گیا۔ جس کے بعد توابین کی قیادت مختار ثقفی نے سنبھالی مختار نے اتنی زیادہ قوت حاصل کر لی کہ وہ پورے عراق پر قابض ہو گیا اس کے بعد اس نے قاتلین حسینؓ سے چن چن کر بدلے لئے۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں انہوں نے بہت فساد برپا کئے رکھا۔ اگر عبدالملک کے ہاتھوں اس تحریک کا خاتمہ نہ ہوتا تو اموی اقتدار کا قائم رہنا بہت مشکل تھا۔

4.2 عبداللہ بن زبیرؓ کی تحریک:

عبداللہ بن زبیر نے یزید کی بیعت نہ کی تھی جب یزید نے ان سے بیعت لینی چاہی تو یہ ایک دن کی مہلت لے کر مکہ چلے گئے اور وہیں رہائش پذیر ہو گئے۔ شہادت امام حسینؓ کے بعد لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور یہیں سے ان کی تحریک کا آغاز ہوا۔ یزید نے اس تحریک کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر کامیابی نہ ہو سکا، واقعہ حرہ اور خانہ کعبہ پر سنگ باری یزید کی انہی مذموم کوششوں کی کڑیاں ہیں۔

ابنِ زبیر کی تحریک پورے عراق اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی اس نے پورے دس سال تک خلافت اسلامیہ کے قیام کی جدوجہد کو جاری رکھا اور 685ء سے 695ء تک اموی خلافت کو دو حصوں میں تقسیم کئے رکھا۔ شام اور اس کے نواح میں عبدالملک بن مروان کی خلافت تھی جبکہ عراق میں عبداللہ بن زبیر کی خلافت، جو بالآخر 695ء میں عبدالملک بن مروان کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔ اس تحریک کے خاتمے کے ساتھ ہی اموی خلافت مکمل طور پر آل مروان کے ہاتھ میں چلی گئی۔

4.3 خارجی تحریک:

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ جنگ صفین کے دوران جب شامی قرآن مجید کو نیزوں پر اٹھا کر آگے بڑھے اور پکارنے لگے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کتاب ثالث ہے، تو یہ تجویز نہایت کارگر ثابت ہوئی اور عراقیوں نے لڑائی سے ہاتھ روک لئے۔ حضرت علیؓ نے اسے شامیوں کی جنگی چال گردانتے ہوئے اس کی پرزور مخالفت کی مگر عراقیوں کے اصرار پر

آپ کو لڑائی بند کرنا پڑی۔ اب یہ طے پایا کہ طرفین ایک ایک نمائندہ مقرر کریں جو قرآن کی روشنی میں اس نزاع کا فیصلہ کریں۔ مگر جب تحکیم کا معاہدہ طے پایا گیا تو عراقیوں میں سے ہی ایک جماعت آپ کے خلاف ہوگئی، ان کو اس بات پر سخت اعتراض تھا کہ خلافت جیسے اہم مسئلہ پر انسانوں کو کیوں ثالث بنایا گیا ہے، ان کا نعرہ یہ تھا کہ ''لاحکم الا اللہ'' یعنی اللہ کے علاوہ کسی اور کا فیصلہ ہم نہیں مانیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی فوج سے علیحدگی اختیار کر لی، ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو دھمکی دی کہ اگر آپ تحکیم تسلیم کرتے ہیں تو ہم خدا کے لئے آپ سے لڑیں گے۔ اب ان لوگوں نے آپ کی عملی مخالفت شروع کردی اور اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے لگے، یہی لوگ بعد میں خوارج کہلائے۔

4.3.1 خوارج کے عقائد و افکار:

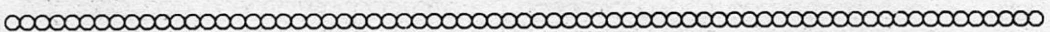
1۔ خلیفہ کا تقرر آزادانہ اور منصفانہ انتخاب سے ہونا چاہیے جس میں تمام مسلمان حصہ لیں اور کسی ایک گروہ پر اکتفا نہ کیا جائے۔

2۔ خلیفہ اس وقت تک اپنے منصب پر قائم رہے گا، جب تک وہ عدل پر قائم رہے، شریعت کے احکام نافذ کرے اور خطا اور کج روی سے کنارہ کش رہے، اگر ان چیزوں کو چھوڑ دے تو اس کا معزول کردینا بلکہ قتل کردینا جائز ہے۔

3۔ خلافت کسی عرب خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، قریش کی بھی اس میں کوئی تخصیص نہیں جیسا کہ دوسرے (اہل سنت) کہتے ہیں۔ اسی نقطہ نظر کے تحت خارجیوں نے اپنا امیر عبداللہ بن وہب الراسبی کو بنایا اور اسے امیر المومنین کہنے لگے، یہ شخص قریشی نہیں تھا۔

4۔ خوارج ہر گناہ گار کو کافر سمجھتے تھے خواہ یہ گناہ ادارۂ گناہ اور بری نیت سے ہو یا غلط فہمی اور خطاء اجتہادی سے، یہی وجہ تھی کہ تحکیم کے معاملہ میں وہ حضرت علی کو (معاذ اللہ) کافر کہتے تھے۔ انہی افکار و عقائد کی بناء پر خوارج جمہور اہل اسلام کو مشرک قرار دیتے تھے۔

ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے عہد میں بہت فساد برپا کیے رکھا۔ حضرت علیؓ نے ان کی سرگرمیوں سے تنگ آکر نہروان کے مقام پر ان سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑی جس میں خوارج کو شکست ہوئی مگر پھر بھی یہ خفیہ سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ اب اموی ... میں ان کی سرگرمیاں دوبارہ شروع ہوگئی تھیں انہوں نے مختلف ادوار میں بہت زیادہ شورش برپا کی اور



امن وامان کی صورت حالت کومسلسل خراب کئے رکھا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں فروہ بن نوفل خارجی نے بغاوت کا علم بلند کیا اور امیر معاویہؓ کی بھیجی ہوئی فوج کوشکست دی۔خوراج کے خلاف امیر معاویہؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ کی قیادت میں لشکر روانہ کیا جس نے مسلسل ایک سال تک ان کے خلاف لڑائی کی جس کی وجہ سے خوراج کی کمر کافی حد تک ٹوٹ گئی اور کچھ عرصہ تک وہ دوبارہ مقابلے کی ہمت نہ کر سکے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کے دور میں خوارج نے دوبارہ قوت پکڑلی اور نافع بن ارزق کی قیادت میں عراق میں فتنہ وفساد پھیلائے رکھا جس پر بصرہ کے والی عبداللہ بن حارث نے ان کے خلاف جنگ کی۔ س جنگ میں اگر چہ نافع مارا گیا مگر خوراج کی طاقت میں کمی نہ آئی۔ ابعبد اللہ بن زبیر نے مہلب بن ابی صفرہ کو خارجیوں کے مقابلے کیلئے بھیجا جس نے بڑی خون ریز جنگ کے بعد انہیں شکست دی۔عبدالملک کے دور حکومت میں خارجی دوبارہ طاقت پکڑلی اور حجاز میں بغاوت کا اعلان کر دیا۔ حجاج بن یوسف والئی عراق نے ان کے خلاف کئی مہمات روانہ کیں مگر اسے کوئی کامیابی نہ ملی اور خارجیوں نے کوفہ تک آپہنچے، بالآخر حجاج بن یوسف خود خوراج کے مقابلے کیلئے نکلا اور انہیں شکست دی۔

ہشام بن عبدالملک کے دور میں خوارج کی سرگرمیاں دوبارہ شروع ہوگئیں اور کافی عرصہ تک یہ فتنہ برپا رہا۔اس پر خالدالقسر ی کی قیادت میں اموی افواج نے اس فتنہ اور بغاوت کوختم کیا،مروان ۔ ن کے دور حکومت میں خوراج نے ضحاک بن قیس شیبانی کی سرکردگی میں علم بغاوت بلند کیا اور کوفہ پر قبضہ کیا لیکن نصیبن کے مقام پر مروان ثانی کے ساتھ مقابلے میں مارا گیا۔اس کے بعد موصل کے قریب تقریباً چھ ماہ تک مروان اور خوراج کے درمیان معرکے رہے جسمیں خاجی پسپا تو ہو گئے لیکن عراق پر اب بھی ان کا قبضہ تھا۔

ادھر ایک خارجی سردار ابوحمزہ نے مکہ پر قبضہ کرلیا اور پھر مدینہ کا رخ کیا، مدینہ کے قریب اہل مدینہ کی فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ ہوا، جس میں مدینہ والوں کوز بردست شکست ہوئی اور ان کی ایک کثیر تعداد کام آئی ،کوئی گھر ماتم سے خالی نہ تھا بعدازاں ابوحمزہ نے شام کا قصد کیا، راستے میں وادی القری میں ان کا سامنا ، ردان کی فوج سے ہوا جس میں انہوں نے شکست کھائی۔خوراج کی ایک بڑی تعداد ماری گئی اور ان میں مزید مقابلہ کی جرأت نہ رہی۔خوارج نے بنوعباس کے دور میں بھی اپنی باغیانہ سرگرمیاں جاری رکھیں اور عباسی خلفاء کو بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

خارجی تحریک کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات پوری تک ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ کوئی معمولی تحریک نہ تھی، یہ ایک بڑی طاقتور تحریک تھی جس کی جڑیں کوفہ، بصرہ اور عراق میں بہت گہری تھیں۔ اس تحریک کی سرگرمیوں کی بدولت اکثر پورے کے پورے صوبے ان کے قبضے میں آ جاتے اور خلفاء کا اقتدار متزلزل ہو جاتا تھا۔ اس تحریک نے ہر دور میں خلفاء کی توجہ کو اپنی طرف مبذول رکھا۔ لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس تحریک نے بنوامیہ کے زوال میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

4.4 عباسی تحریک:

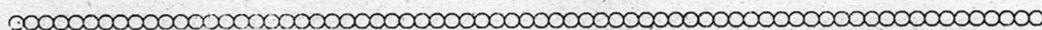
اموی عہد میں پیدا ہونے والی تحریکوں میں یہ سب سے زیادہ مضبوط اور طاقتور تحریک تھی جس نے بالآخر بنوامیہ کے اقتدار کا خاتمہ کر ڈالا۔

شیعان علیؓ نے بنوامیہ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا کیونکہ ان کے نزدیک خلافت کے اصل حق دار اہل بیعت نبویؐ یا حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد تھی۔ اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں اس تحریک کی سربراہی علویوں سے آل عباس میں منتقل ہو گئی۔

ہوا یوں کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد شیعان علیؓ نے امام حسینؓ کے بیٹے امام زین العابدین کو منصب امامت پیش کیا مگر آپ نے انکار کر دیا ان کے انکار پر شیعان علیؓ نے حضرت علی کے غیر فاطمی بیٹے محمد بن حنیفہ کو یہ منصب سونپ دیا۔ اس طرح یہ منصب اہل بیت نبویؐ سے آل علوی میں منتقل ہو گیا۔

امام محمد بن حنیفہ کے بعد ان کے صاحبزادے ابو ہاشم عبداللہ ان کے جانشین ہوئے۔ ابو ہاشم نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو اپنا جانشین بنایا اور اس طرح منصب امامت علویوں سے بنوعباس کی طرف منتقل ہو گیا اور تحریک کی قیادت بنوعباس نے سنبھالی۔

محمد بن علی پہلے شخص ہیں جنہوں نے فلسطین کے ایک چھوٹے سے گاؤں حمیمہ میں بیٹھ کر باقاعدہ اپنی خلافت کا دعویٰ کیا اور عباسی تحریک کو منظم صورت عطا کی۔ اس دعوت کی اشاعت کیلئے بے شمار داعی مقرر کئے اور بارہ نقیبوں پر مشتمل ایک خصوصی مجلس نگران تشکیل دی گئی۔ اس کے ماتحت 70 سرداروں پر مشتمل ایک عمومی مجلس بھی قائم کی گئی جو دعوتی کاموں کے سلسلے میں مشورے دیا کرتی تھی۔ اس تحریک کا تمام پروگرام صیغہ راز میں رہتا تھا۔



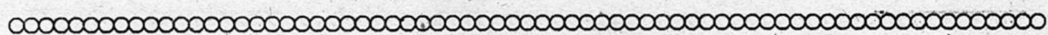
تحریکِ عباسی کے داعیوں کو تاجروں اور فقیروں کے بھیس میں عراق و خراسان کے دور و نزدیک کے علاقوں میں بھیجا جاتا تھا جہاں یہ لوگ چونکہ اموی مظالم کی داستانیں بڑے مبالغہ آمیز انداز میں لوگوں کو سناتے تھے۔ لوگ اموی عمال کے ظلم و ستم کی وجہ سے پہلے ہی ان سے متنفر تھے، لہذا اس تحریک میں شامل ہونے لگے۔ عباسی داعیوں نے عوام کے ذہنوں میں یہ خیال راسخ کر دیا تھا کہ اہل بیعت رسول ﷺ ہی خلافت کے حقدار ہیں اور بنوامیہ غاصب ہیں، لہذا خلافت ان سے آل رسول ؐ کی طرف منتقل ہونی چاہیے۔ انہوں نے اپنی دعوت میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ لفظ عباس کے بجائے لفظ ہاشم پر زور دیا جائے تاکہ خود کو آل رسول ثابت کر کے تمام لوگوں کو اپنے ساتھ ملا سکیں۔ یہ طریقہ کار عوامی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے بہت موزوں ثابت ہوا۔ عوام کی اکثریت بنوعباس کی اس دعوت کو بنو ہاشم اور خاندان اہل بیت کے حامیوں کی تحریک سمجھتے ہوئے پذیرائی بخشی تھی۔ ادھر علوی بھی آخری وقت تک یہی سمجھتے رہے کہ اس تحریک کی کامیابی کی صورت میں وہی برسر اقتدار آئیں گے لہذا انہوں نے اس دعوت کا بھرپور ساتھ دیا۔ 126 ھ میں محمد بن علی انتقال کر گئے اور اپنے تینوں بیٹوں ابراہیم، ابوالعباس اور ابوجعفر کو بالترتیب جانشین بنا گئے۔

امام ابراہیم نے جانشین بننے کے بعد اس تحریک کی ازسرِنو تنظیم کی، اس کے اصول و قواعد بنائے اور نہایت نظم و ترتیب کے ساتھ عراق، خراسان، فارس، شام اور حجاز وغیرہ ممالک اسلامیہ میں اپنی تحریک کا جال بچھا دیا۔

عباسی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں ایک سرگرم عباسی داعی ابومسلم خراسانی کا بڑا حصہ ہے۔ ابومسلم خراسانی کا اصل نام ابومسلم بن عبدالرحمٰن بن مسلم خراسانی تھا۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عجمی الاصل اور پارسی نژاد شخص تھا جو اصفہان میں پیدا ہوا تھا۔

امام ابراہیم نے ابومسلم کو 128 یا 129 ہجری میں عراق و خراسان میں تحریک عباسی کا داعی اعظم مقرر کیا جس نے خراسان پہنچتے ہی دعوت عباسی کو پھیلانے میں بہت سرگرمی دکھائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباسی دعوت خراسان کے ہر گھر میں پہنچ گئی اور چند ہی دنوں میں اتنے خراسانی اس میں شامل ہو گئے کہ وہ علانیہ بنوامیہ کے مقابلے میں اٹھنے کے قابل ہو گئے۔ چنانچہ اس نے 25 رمضان 129 ہجری میں عباسیوں کا سیاہ جھنڈا ''ظل'' بلند کر کے ایک گاؤں سفید نخ میں اپنی تحریک کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔

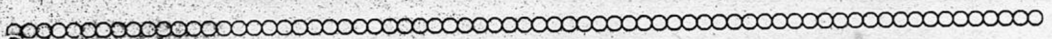
ابومسلم نے تحریک کا اعلان کرنے کے بعد خراسان کے حاکم نصر بن سیار کو پیروی کی دعوت دی مگر اس نے مقابلے کیلئے



فوج بھیجی جس کو ابومسلم کے ایک جرنیل مالک نے شکست دی۔ نصر بن یسار ابومسلم کے خلاف مزید کارروائی کرنے سے قاصر تھا کیونکہ ان دنوں وہ یمنی قبائل سے برسرِ پیکار تھا۔ نصر بن سیار مضری تھا اور یمنیوں سے دشمنی رکھتا تھا۔ چنانچہ یمنی اور ان کے حلیف اپنے سردار بدیع کرمانی کے ساتھ نصر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ صورتِ حال ابومسلم کے لیے اطمینان بخش تھی۔ چنانچہ اس نے نصر اور بدیع کرمانی کی رقابت کو مزید ہوا دی، نصر بن یسار نے ابومسلم خراسانی کا زور توڑنے کی بہت کوشش کی اور یمنی و ربیعہ قبائل کو سمجھانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ابومسلم اسے شکست دے کر خراسان کے بیشتر حصہ پر قابض ہو گیا۔

اسی اثناء میں اس تحریک کے قائد ابراہیم جو حمیمہ میں سکونت پذیر تھے نے ابومسلم خراسانی کو ایک خط لکھا جو پکڑا گیا۔ اس سے مروان پر سارا راز فاش ہو گیا اور اس نے ابراہیم کو گرفتار کروا کر مروا ڈالا۔ ابومسلم خراسانی کو خبر ہوئی تو وہ کوفہ آیا اور امام ابراہیم کے بھائی ابوالعباس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ کوفہ فتح ہو جانے کے بعد تمام عباسی داعیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ابوالعباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان سے لڑنے کیلئے بھیجا۔ مروان ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر دریائے زاب کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ مروان کی فوج بددل تھی، اس نے جنگ میں حصہ نہیں لیا اور بھاگ نکلے۔ نتیجتاً مروان نے شکست کھائی اور مارا گیا۔

عباسی تحریک اس عہد کی پہلی انقلابی جماعت تھی اور نہایت منظم ہونے کے علاوہ نہایت دانشمند سیاستدانوں کی قیادت میں کام کر رہی تھی۔ اس کی عمدہ کارکردگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تحریک عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں منظم ہوئی لیکن اس کی طاقت کا احساس مروان ثانی کو خلافت کھونے سے تھوڑا عرصے پہلے ہوا۔ چنانچہ اس انتہائی [illegible] منظم کے خلاف ہر کوشش ناکام رہی اور بالآخر عباسی تحریک نے اموی خلافت کو حرفِ غلط کی طرح مٹا ڈالا۔



خودآزمائی:

1۔ اموی عہد میں علوم القرآن پر کیا کام ہوا مختصراً بیان کیجئے۔

2۔ دور بنوامیہ کے پانچ مشہور مفسرین کے نام تحریر کریں۔

3۔ تدوین حدیث کے سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کارناموں کا جائزہ پیش کیجئے۔

4۔ فن تاریخ نویسی میں محمد بن اسحاق کی خدمات پر روشنی ڈالیئے۔

5۔ خالد بن یزید بن معاویہ نے علم کیمیا پر کون سی کتابیں تصنیف کی تھیں؟

6۔ ''قدریہ'' اور ''جبریہ'' کے عقائد کا تقابلی موازنہ پیش کیجئے۔

7۔ خلفائے راشدین اور بنوامیہ کے عہد کی شاعری میں کیا فرق نظر آتا ہے؟

8۔ بنوامیہ کے دور میں آمدن کے ذرائع کون کون سے تھے؟

9۔ اموی حکمرانوں نے کن غیر شرعی محصولات کا بوجھ عوام پر ڈالا ہوا تھا؟

10۔ جزیہ سے کیا مراد ہے اور کون لوگ اس سے مستثنیٰ تھے؟

11۔ اموی دور کا دمشق کن وجوہ کی بنا پر دیگر شہروں میں ممتاز نظر آتا ہے؟

12۔ توابین کون لوگ تھے؟

13۔ خارجیوں کا ظہور کب ہوا اور ان کے عقائد کیا تھے؟

14۔ محمد بن علی نے عباسی تحریک کو کس طرح ایک منظم صورت عطا کی؟

15۔ عباسی تحریک کو کامیاب بنانے میں سب سے اہم کردار کس کا ہے؟

یونٹ نمبر 3

دور بنو عباس نمبر 1

آغاز، عروج، زوال اور اس کے اسباب، صلیبی جنگیں

تالیف

محی الدین ہاشمی

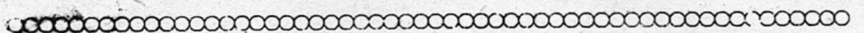
نظر ثانی

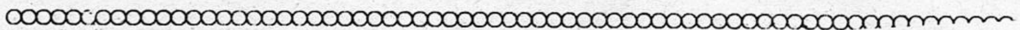
پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

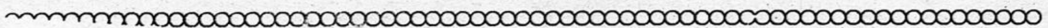


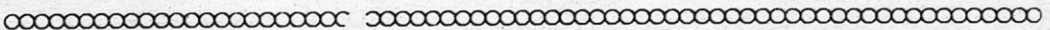
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات









یونٹ کا تعارف:

اسلام کی پندرہ سو سالہ تاریخ میں بڑی بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں ،لیکن ان میں جو عظمت وشان اور اہمیت خلافت عباسیہ کو حاصل ہوئی ، وہ کسی کے حصے میں نہیں آئی ، گو اموی حکومت کے مقابلے میں ان کا رقبہ کم تھا اور برابر گھٹتا ہی رہا لیکن جب تک عباسی حکومت کا نام باقی رہا اس وقت تک اسلامی حکومتوں میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل رہی اور اس کے زمانہ میں اس سے ٹوٹ کر جتنی حکومتیں قائم ہوئیں ،ان میں سے اکثر کا تعلق ماتحت کی حیثیت سے آخر تک اس کے قائم رہا اور ان کے حکمران عباسیوں کی سیادت کو تسلیم کرتے اور ان کے نام کا خطبہ پڑھتے رہے ،اسی کا علم ان کی حکومت کا نشان تھا جسے خود عباسی خلفاء ان کو عطا کرتے تھے ، آخری زمانہ میں جب عباسی حکومت صرف بغداد تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اس وقت بھی دینی مرکزیت اسی کو حاصل تھی۔

اس یونٹ میں آپ بنو عباس کے دور عروج اور دور زوال کا مطالعہ کریں گے۔ علاوہ ازیں اس دور میں مذہب کے نام پر ہونے والی صلیبی جنگوں کے اسباب ،واقعات اور نتائج پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ خلافت بنو عباس کے قیام پر روشنی ڈال سکیں۔

2۔ آپ اس بات کی وضاحت کر سکیں کہ ابو جعفر منصور کو عباسی حکومت کا اصل بانی کیوں کہا جاتا ہے؟

3۔ خلیفہ ہارون الرشید کی فتوحات اور اس کے علمی کارناموں سے آگاہ ہو سکیں۔

4۔ عباسی فوج میں ترکوں کی بڑی تعداد میں بھرتی ے نتائج کے فوائد و نقصانات جان سکیں۔

5۔ خلافت عباسیہ کے دور انحطاط کے خلفاء کے کارناموں اور کردار پر روشنی ڈال سکیں۔

6۔ عباسیوں کے دور زوال میں خلفاء کی حیثیت اور ان کے اختیارات کے بارے میں بحث کر سکیں۔

7۔ آپ بنو عباس کے زوال کے اسباب کی وضاحت کر سکیں۔

8۔ صلیبی جنگوں کے اسباب و واقعات کے بارے میں آپ معلومات حاصل کر سکیں۔

1۔ بنوعباس کا تعارف

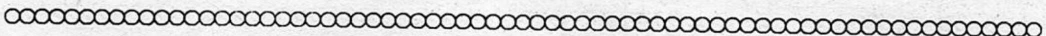
بنوعباس حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی اولاد میں سے تھے۔امام حسینؓ کی شہادت کے بعدان کے صاحبزادے امام زین العابدینؒ سیاست سے کنارہ کش ہوگئے تھے۔اہل بیت کے حامیوں، جن کا اصطلاحی نام شیعان علی تھا کی امامت اورراہنمائی محمد بن حنفیہ کی طرف منتقل ہوگئی، جوحضرت علی کے غیرفاطمی بیٹے تھے۔

جب محمد بن حنفیہ کاانتقال ہواتوامامت ان کے بیٹے ابوہاشم عبداللہ کے پاس آئی جنہوں نے اپنی وفات سے قبل یہ منصب حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی کوسونپ دیا۔یوں خلافت وامامت کا استحقاق حضرت علیؓ کی اولاد سے حضرت عباسؓ کی اولاد میں منتقل ہوگیا۔محمد بن علی کے بعدامامت ان کے بیٹے ابراہیم کواوران کے بعدان کے چھوٹے بھائی ابوالعباس عبداللہ کومنتقل ہوئی۔(جوخلفائے بنوعباس میں پہلے خلیفہ تھے)

اس خاندان نے تقریباً500 سال حکومت کیااوراس میں 37 خلفاء ہوئے۔خلفائے بنوعباس کے عہدمیں اقتدارکی باگ ڈورعربوں کے ہاتھ سے نکل کرعجمیوں میں منتقل ہوگئی تھی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عباسی خلافت کا قیام زیادہ تراہل عجم کی کوششوں کانتیجہ یہ تھا۔بنوعباس کے عہد میں ترکوں کو بہت عروج حاصل ہواحتیٰ کہ آخری دور میں ان کواس قدراختیارات حاصل ہوگئے کہ یہ اپنی من مانی کرنے لگےاورخلفاء کیلئے دردسربن گئے۔بنوعباس کے 500 سالہ اقتدارمیں کئی انقلابات اور کئی نشیب وفرازآئے ،مگربحیثیت مجموعی عباسی خاندان کوہی مرکزی حیثیت حاصل رہی ورعالم اسلام کے اکثروبیشترسلاطین ان کی وفاداری کادم بھرتے تھے۔اس عہد میں مذہبی، سیاسی، تمدنی اورعلمی لحاظ سے بہت ترقی ہوئی۔ان کے 500 سالہ دورحکومت کودرج ذیل تین ادوارمیں تقسیم کیاجاسکتاہے۔

1) دورعروج:

یہ دور132 ھ سے 247 ھ تک پھیلا ہواہے۔اس میں بنوعباس کے پہلے دس خلفاء آتے ہیں۔یہ فرمانرواغیرمعمولی صلاحیتوں کے مالک اوراعلیٰ پایہ کے مدبر تھے۔اس دور میں تہذیب وتمدن اورعلوم وفنون کو بہت ترقی ہوئی،اورعجمی اثرورسوخ



کو بہت فروغ ہوا۔ آٹھویں خلیفہ معتصم نے فوج میں عربوں کی بجائے ترکوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ترک بہت زور پکڑ گئے۔

2) زوال پذیر دور:

یہ دور 247ھ سے 400ھ تک جاری رہا۔ یہ انحطاط کا دور ہے، اس دور میں عباسی حکومت کمزور ہونا شروع ہوگئی اور سلطنت کا سارا کاروبار امیر الامراء کی مرضی و منشا کے مطابق ہونے لگا۔ اس دور میں سامانیوں اور صفاریوں کی خود مختار حکومتیں وجود میں آئیں۔

3) دورِ زوال:

یہ دور 400ھ سے 655ھ پر محیط ہے۔ اس دوران سلجوقیوں کو بہت غلبہ حاصل ہوا اور خلفائے بنوعباس کی حیثیت کٹھ پتلیوں کی سی ہوگئی۔ آخر 656ھ میں ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا اور خلیفہ معتصم باللہ کو قتل کر کے بنوعباس کے دورِ خلافت کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔

2۔ بنوعباس کا دورِ عروج

2.1 ابوالعباس سفاح (132ھ تا 136ھ بمطابق 749ء تا 753ء)

ابوالعباس کا پورا نام ابوالعباس عبداللہ بن محمد تھا۔ ابومسلم خراسانی کی کامیاب تحریک کے بعد جب عباسی حکومت قائم ہوئی تو ابوالعباس 132ھ میں پہلا خلیفہ بنایا۔ اس نے اپنی خلافت کے استحکام کی خاطر بڑی خونریزی کی اور بنوامیہ پر اس کی سختیاں انتہاء کو پہنچ گئیں۔ داؤد بن علی حاکم حجاز نے مکہ اور مدینہ میں مقیم تمام بنوامیہ کو قتل کروا دیا۔ سلیمان نے بصرہ کے اموییوں کو قتل کرا کے ان کی نعشیں شاہراہوں پر پھینکوا دیں، عبداللہ بن علی نے شام میں رہنے والے تمام بنوامیہ کو تہ تیغ کر ڈالا اور سوائے شیر خوار بچوں کے کوئی بھی اس کے انتقام سے بچ نہ سکا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ زندوں کے علاوہ مردوں کو بھی معاف نہیں کیا گیا اور سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بنوامیہ کے تمام خلفاء کی قبریں اکھاڑ کر ان کی ہڈیاں جلائی گئیں۔ ہشام کی لاش

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

سالم نکل آئی تو اسے کوڑے مروا کر سولی پر لٹکایا گیا اور پھر اسے نذر آتش کر دیا۔ اس خونریزی کی وجہ سے ابوالعباس کا لقب ''سفاح''، پڑ گیا جس کے معنی ہیں ''خونریز''۔

سفاح نے تمام بنوامیہ کا خاتمہ کر دیا، اس خاندان کا صرف ایک فرد عبدالرحمٰن بھاگ کر نکل گیا اور اسپین پہنچ کر اس نے بنوامیہ کی عظیم الشان سلطنت قائم کی جو 300 سال تک بڑی کامیابی سے قائم رہی۔ سفاح نے عراق کے ایک قصبہ انبار کے نزدیک ایک شہر ''ہاشمہ'' آباد کر کے اسے پایہ تخت قرار دیا۔

2.1.1 بغاوتیں اور ان کا استحصال:

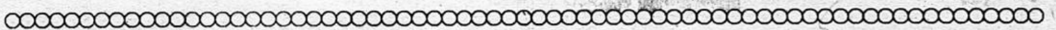
ابوالعباس کے بے پناہ جبر وتشدد کے باعث بنوامیہ کے حامی امراء نے دمشق، حمص اور قنسرین کے مقامات پر بغاوت کر دی اور اکثر صوبائی گورنروں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ اس طرح آرمینیا، موصل اور سندھ کے حاکموں نے اطاعت سے انکار کر دیا چنانچہ ان کی سرکوبی کیلئے متعدد لشکر روانہ کئے گئے جنہوں نے کئی معرکوں کے بعد ان صوبوں کو مطیع بنایا۔ ان کے علاوہ حامیان اہل بیت نے بھی چند ایک مقامات پر شورشیں برپا کیں۔ بخارا کے حامیان اہل بیت نے 30 ہزار لشکر کے ساتھ بغاوت کی مگر شکست کھا کر منتشر ہو گئے۔ اسی طرح ایک خراسانی امیر، بسام بن ابراہیم نے اہل بیت کی حمایت میں بغاوت کی مگر عباسی فوج کے مقابلے میں شکست کھائی اور مارا گیا۔

علاوہ ازیں خوارج بھی بنوعباس کے مخالف تھے جنہوں نے بحرین او ٭مان میں بغاوت کر دی۔ سفاح نے ایک سردار خازم کو سرکوبی پر مامور کیا جس نے کئی لڑائیوں کے بعد ان کا زور توڑ دیا۔

2.1.2 فتوحات:

ابوالعباس سفاح نے نہ صرف ... کیا بلکہ بیرونی فتوحات کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس عہد میں سرحد چین پر ختن، چاچ، فرغانہ، اور ... سے بھی جھڑپیں ہوئیں مگر ان میں مسلمانوں کو شکست اٹھانی پڑی اور کخ وملطیہ کے علاقے رومیوں ...

اموی خلافت کے خاتمے کے بعد زندگی کے سب ہی شعبوں میں شکست در... ق ہ شعبہ اس سے مستثنیٰ



2.2.1 بغاوتیں اور ان کا سد باب:

منصور کا چچا عبداللہ بن علی اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا، اس نے منصور کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور خود خلافت کا دعویدار بن گیا، اس پر منصور نے اس کے خلاف ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں لشکر بھیجا جس نے عبداللہ بن علی کی فوج کو شکست دی۔ عبداللہ بن علی گرفتار ہو گیا، بعد میں اسے قید میں ڈال دیا گیا اور وہیں اس کی وفات ہوئی۔

2.2.2 ابو مسلم خراسانی کا قتل:

ابو مسلم خراسانی خلافت بنو عباس کے بانیوں میں سے تھا جسے منصور اپنے اقتدار کیلئے خطرہ تصور کرتا تھا چنانچہ اس نے اسے دھوکے سے قتل کروا دیا۔ ابو مسلم خراسان اور فارس میں بہت ہر دلعزیز تھا، اس کی ہلاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سنباد نامی ایک آتش پرست نے عباسیوں کے خلاف خراسان میں علم بغاوت بلند کر دیا جسے منصور کی فوج نے عدن اور رے کے درمیان شکست دی۔

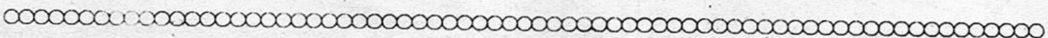
علاوہ ازیں منصور کے عہد میں امام عبداللہ نفس ذکیہ نے جزیرہ میں، منبد بن حرملہ نے اور عبد الجبار ازدی نے خراسان میں، موصل اور بحرین میں خوارج نے اور اصفہان میں فرقہ اوندیہ نے مختلف مواقع پر بغاوتیں کیں جن پر منصور نے بڑی ہمت سے قابو پا لیا۔

2.2.3 فتوحات:

داخلی شورشوں اور بغاوتوں کے باوجود منصور نے بیرونی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا چنانچہ منصور کے ایک سردار عمر بن علاء نے کوہستان، طبرستان اور دماوند کے علاقے فتح کیے، سندھ کے کئی علاقوں بھی منصور کے عہد خلافت میں عباسی مملکت میں شامل ہوئے۔

2.2.4 ولی عہد کی تبدیلی:

عبداللہ سفاح نے اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو منصور کے بعد ولی عہد نامزد کیا تھا، خلیفہ بننے کے بعد منصور نے



ایک سازش کے تحت عیسیٰ بن موسیٰ کو زبردستی اس عہدے سے دست بردار کروا!یا اور اس کے بجائے اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد مقرر کر دیا۔ یہ پہلی وصیت شکنی تھی جو کسی عباسی خلیفہ نے کی اس کے بعد جس قدر خلفاء کا تقرر ہوا وہ سب منصور ہی کی نسل سے تھے۔

2.2.5 وفات:

158 ھ میں سفر حج کے دوران منصور بیمار پڑ گیا اور راستے میں ہی بیر معونہ کے مقام پر 6 ذی الحجہ 158 ھ میں اس کی وفات ہوگئی۔

2.2.6 سیرت اور کارنامے:

سیرت کے لحاظ سے منصور ایک بلند پایہ انسان تھا۔ اس کا اخلاق پاکیزہ اور عادات شستہ مگر سادہ تھیں، مورخین کے خیال میں عقل ورائے، حزم واحتیاط، سیاست وتدبر اور ہمت واستقلال میں تمام عباسی خلفاء میں کوئی بھی اس کا ہم پلہ نہیں تھا، وہ نازک سے نازک موقعوں پر بھی گھبراتا نہیں تھا۔

عباسی حکومت کو بیرونی اور اندرونی خطرات سے محفوظ کرنے کے بعد منصور انتظامی امور کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے علمائے دین کو خلیفہ کے تابع کر کے انہیں انتظامِ سلطنت میں ثانوی حیثیت دے دی۔ اس طرح علمائے دین عباسی حکومت کے بہی خواہ ہو گئے اور عباسی حکمرانوں کو دینی علماء کی ایسی حمایت حاصل ہوئی جس سے اموی حکمران ہمیشہ محروم رہے تھے۔

منصور نے محکمہ جاسوسی قائم کیا اور کافی تعداد میں وقائع نویسوں کو سرکاری ملازمت میں بھرتی کیا گیا، محکمہ ڈاک کو بھی بہترین طریقہ پر منظم کیا گیا اور ان تدابیر کے باعث خلیفہ منصور اپنے افسران اور امراء کی حرکات سے ہر وقت باخبر رہتا تھا۔

منصور کی کفایت شعاری حد سے بڑھی ہوئی تھی، یہاں تک کہ وہ بخیل مشہور ہو گیا۔ اس کا ایک مشہور مقولہ تھا کہ ''دولت حکومت کیلئے حصن (قلعہ) اور دین اور دنیا کیلئے بمنزلہ رکن ہے''۔ اس کا نتیجہ تھا کہ شہروں کی تعمیر اور لوگوں کی فلاح و بہبود پر روپیہ خرچ کرنے کے باوجود جب اس کی وفات ہوئی تو اس وقت خزانے میں اتنی رقم موجود تھی جس سے حکومت کے دس سال تک تمام اخراجات پورے ہو سکتے تھے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

انتظامی خوبیوں کے علاوہ منصور کا عہد حکومت علمی کمالات کی وجہ سے بھی مشہور ہے۔ منصور فقہ کا ماہر تھا اور علم نجوم فلسفہ سے بھی اسے بہت دلچسپی تھی۔ اس نے ہمیشہ اہل قلم کی سرپرستی کی، اسی خلیفہ کے زمانے میں ارسطو کی کتابوں کا یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوا۔

استحکام سلطنت کے بعد منصور نے حکومت میں اہم تبدیلیاں کیں۔ وزیر، حاجب اور کاتب جیسے اہم اراکین سلطنت کے عہدے وجود میں آئے، بعدازاں یہی افسران تین محکموں کے سربراہ مقرر ہوئے، صوبہ جات سلطنت کی تنظیم نو کی گئی اوران کی حدود کا تعین کیا گیا۔ منصور صوبائی گورنروں کو بکثرت ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کرتا رہتا تھا تاکہ کوئی سازش جڑ نہ پکڑ سکے اور صوبائی حاکم اپنے عہدہ کو موروثی نہ تصور کرے۔ ان تدابیر سے ملک کی سیاسی واقتصادی حالت پر خوشگوار اثر پڑا۔

2.3 محمد مہدی (158ھ تا 169ھ بمطابق 775ء تا 785ء):

ابوجعفر منصور کی وفات کے بعد خلیفہ مہدی 158ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر 33 سال تھی، مہدی کے دور حکومت کے اہم واقعات حسب ذیل ہیں۔

2.3.1 عام معافی کا اعلان:

منصور نے اپنے عہد حکومت میں تمام سیاسی حریفوں کا قلع قمع کردیا تھا، بنوامیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور حامیان اہل بیت کا بھی دم خم ٹوٹ چکا تھا، مدینہ منورہ میں مقیم علویوں کی نقل وحرکت پر سخت پابندیاں عائد تھیں جن کے باعث وہ انتہائی مصیبت میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔ مہدی نے تخت نشین ہونے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ تمام علویوں کیلئے عام معافی کا اعلان کیا۔ آلِ حضرت علیؓ کے تمام قیدیوں کو رہا کردیا، ان کی ضبط شدہ جائدادیں انہیں واپس کردیں اور ان پر سے دیگر پابندیاں بھی ہٹادیں۔ خلیفہ کے اس رحمدلانہ رویے نے اسے عوام میں بہت مقبول بنادیا۔

2.3.2 زندیقوں کی بغاوت:

مہدی کے زمانے میں ایک خراسانی ملحد ہاشم بن حاکم نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ چونکہ اس کی شکل وصورت بھدی اور

بھونڈی تھی، اس لئے وہ ہمیشہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتا تھا جس پر اس کا نام مقنع (نقاب پوش) پڑ گیا۔ وہ مسئلہ تناسخ کا قائل تھا، اس نے اپنے پیروؤں کو یہ تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں حلول کر گیا ہے۔ چونکہ وہ شعبدہ باز اور جادوگر تھا اس لئے اپنے دعویٰ کی تائید میں اس نے مختلف قسم کے شعبدے دکھا کر لوگوں کو گمراہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ماوراالنہر کے قریب نخشب کے کنویں میں سے ایک مصنوعی چاند نکالا جس کی روشنی چھ میل تک جاتی تھی۔

بہت جلد اس ملحد ہاشم بن حاکم نے اپنے پیروؤں کی اچھی خاصی جمعیت فراہم کر لی اور چند قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ مہدی نے اس کی سرکوبی کیلئے اپنے ایک تجربہ کار جرنیل مسیّب کو روانہ کیا، مسیّب نے اس ملحد کو بیس ہزار پیروؤں سمیت گھیر لیا اور اتنا سختی سے محاصرہ کیا کہ اس نے مایوس ہو کر خودکشی کر لی اور اس کے ساتھی یا تو منتشر ہو گئے یا گرفتار ہو کر قتل ہوئے۔

2.3.3 دیگر بغاوتیں:

مہدی کے عہد میں خراسان میں یوسف بن ابراہیم، جزیرہ میں عبدالسلام اور مصر کے علاقہ میں ایک نامور سردار نے علم بغاوت بلند کیا مگر خلیفہ مہدی کے جرنیلوں نے بروقت فوج کشی کر کے ان باغی سرداروں کا قلع قمع کر دیا۔

2.3.4 رومیوں کے ساتھ معرکہ آرائیاں:

مہدی کے زمانے میں رومی سپہ سالار میخائل نے سرحدی علاقوں پر حملہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام کیا جس پر 163ھ میں مہدی نے بذات خود رومیوں کے خلاف فوج کشی کی اور ان کے متعدد شہروں کو فتح کر لیا۔ دو سال بعد مہدی نے اپنے لڑکے ہارون الرشید کو ایک لاکھ سپاہیوں کا لشکر جرار دے کر رومیوں کے خلاف جنگ لڑنے کیلئے بھیجا۔ عباسی فوج ایشیائے کوچک میں سے یلغار کرتی ہوئی آبنائے باسفورس تک پہنچ گئی۔ رومیوں کی ملکہ ایرینی نے گھبرا کر مسلمانوں سے صلح کر لی اور ایک بہت خطیر رقم بطور تاوان جنگ ادا کی۔ اس مہم کے باعث رومیوں پر عباسی طاقت کا رعب چھا گیا اور وہ مسلمانوں کے علاقوں پر دست درازی کرنے سے گریز کرنے لگے۔

2.3.5 سپین اور سندھ میں فوجی کارروائیاں:

مہدی نے سپین کی اموی حکومت کے خلاف فوج کشی کی مگر عباسی فوجوں کو اس مہم میں ناکامی ہوئی۔ اس طرح سندھ



میں عبدالملک بن شہاب نے فوجی کارروائی کی مگر اسے اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔

2.3.6 اصلاحات اور رفاہ عامہ کے کام:

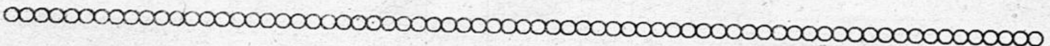
مہدی کا دس سالہ دور رعایا کے لئے امن وامان اور خوشحالی کا دور تھا۔ مہدی نے رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے کئی کام کئے اور انتظام سلطنت کو بہتر بنانے کی خاطر کئی اصلاحات نافذ کیں۔

مہدی نے تمام محکموں کی ازسرِنو تنظیم کی اور ہر ایک محکمے کیلئے جدا جدا نگران مقرر کئے، بغداد، یمن، مکہ اور مدینہ کے درمیان ڈاک کا سلسلہ قائم کیا، کوڑھیوں اور جذامیوں کیلئے بیت المال سے وظائف مقرر کئے۔ مکہ کو جانے والے تمام راستوں کو درست کرا کے جابجا قافلوں کے ٹھہرنے کیلئے سرائیں بنوائیں اور کنویں کھدوائے، سڑکوں کی مرمت کرائی، جابجا پانی کے حوض بھی بنوائے تاکہ گزرنے والے قافلوں کے جانوروں کو پانی کی تکلیف محسوس نہ ہو، خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرح مہدی کو نئی عمارات بنوانے کا بہت شوق تھا، چنانچہ دجلہ کے کنارے اس نے ایک نیا محل بنوایا، بصرہ کی جامع مسجد اور مسجد حرام کی توسیع کی، رومی سرحد پر کئی نئے قلعے تعمیر کرائے اور عیسیٰ آباد میں ایک نئی ٹکسال قائم کی۔ علاوہ ازیں اپنی ملکہ کے کہنے پر مہدی نے مدینہ کے پانچ سو انصار کو اپنا باڈی گارڈ مقرر کیا اور ان کو گزارہ کرنے کیلئے زمینیں عطا کیں۔

2.3.7 وفات اور سیرت:

169ھ میں خلیفہ مہدی نے وفات پائی۔ مرنے سے پہلے اس نے اپنے دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون الرشید کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین مقرر کیا۔ مہدی طبعاً حلیم اور خوددار واقع ہوا تھا اور اس کے مزاج میں عفو کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ مختلف موقعوں پر بڑے بڑے سیاسی مجرموں کو اس نے معمولی فہمائش کرنے کے بعد چھوڑ دیا۔

اس نے اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کبھی تساہل سے کام نہ لیا، مذہب کا وہ پابند تھا، چنانچہ وہ کسی غیر شرعی حرکت کو گوارانہ کرتا تھا، زندیقوں اور ملحدوں کا وہ جانی دشمن تھا۔ انصاف اور مساوات کے اصولوں کا وہ دلدادہ تھا، قاضی کی عدالت میں وہ خود بھی عام ملزموں کی طرح پیش ہوتا تھا اور اس کے فیصلے کا احترام کرتا تھا، مساجد میں بادشاہوں کی حفاظت کیلئے جو مقصورے بنائے گئے تھے مہدی نے انہیں اکھڑوا دیا۔ فیاض اور سخی اتنا تھا کہ چند ہی سالوں میں اس نے منصور کے جمع کئے ہوئے خزانے کو لٹا دیا۔



2.4 موسیٰ الہادی (169ھ تا170ھ: بمطابق 785ء تا786ء)

مہدی کی وصیت کے مطابق موسیٰ الہادی 169ھ میں تخت پر بیٹھا، مہدی کی بیوی ملکہ خیزران مہدی کے بجائے اپنے بیٹے ہارون کو ولی عہد بنانا چاہتی تھی۔ لیکن مہدی کی اچانک وفات کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ ہادی اپنی ماں خیزران کے اس عمل سے شاکی تھا چنانچہ اس نے اپنی ماں کو آہستہ آہستہ امور سلطنت سے بے دخل کر دیا۔

2.4.1 حسین بن علی کی بغاوت:

ہادی کے عہد میں اہل بیت کے ایک ممتاز فرد حسین بن علی بن حسن نے مدینہ میں اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا، اہلِ مدینہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کر دی۔ عراق سے کچھ لوگ بھی اس کی امداد کرنے پر تیار ہو گئے، حسین بن علی نے مدینے کے والی کو شکست دے کر اس شہر کے خزانے پر قبضہ کر لیا اور گیارہ دن تک اس نے مدینہ پر حکومت کی، ہادی نے محمد بن سلیمان کو اس کی سرکوبی کیلئے بھیجا، فخ کے مقام پر فریقین کے درمیان جنگ ہوئی جس میں حسین بن علی اپنے ساتھیوں سمیت مارے گئے اور اس طرح یہ بغاوت فرو ہوگئی۔

2.4.2 حمزہ خارجی کی بغاوت:

جزیرہ میں حمزہ بن مالک نے بغاوت کر دی اور وہاں کے حاکم منصور بن زیاد کو شکست دے دی، لیکن جلد ہی حمزہ کو اس کے اپنے آدمیوں نے مروا دیا اور اس طرح یہ بغاوت ختم ہوگئی۔

2.4.3 ولی عہدی کا مسئلہ اور ہادی کی وفات:

ہادی نے مہدی کے وصیت نامہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہارون کو ولی عہدی سے محروم کر کے اپنے لڑکے جعفر کو اپنا جانشین نامزد کرنا چاہا۔ اکثر امراء نے اس کی تائید کی اور ہارون بھی ولی عہدی سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گیا مگر یحییٰ برمکی نے ہارون کو ایسا کرنے سے باز رکھا، ابھی یہ کش مکش جاری تھی کہ ہادی 170ھ میں اس جہان فانی سے چل بسا اور ہارون کیلئے راستہ خود بخود صاف ہو گیا۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

2.5 ہارون الرشید (170ھ تا 193ھ بمطابق 786ء تا 809ء):

عباسی حکمرانوں میں خلیفہ ہارون الرشید کا عہد بہت شاندار تھا، یہ نامور خلیفہ بمقام رائے پیدا ہوا۔ ہارون کی تعلیم وتربیت خلیفہ مہدی کی نگرانی میں ہوئی تھی، خلیفہ مہدی کی وصیت کے مطابق ہارون الرشید اپنے بھائی ہادی کی وفات کے بعد 33 برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔

2.5.1 شاندار زمانہ:

ہارون کی سلطنت میں وسطی اور مغربی ایشیاء اور افریقہ کے بہت سے علاقے شامل تھے، بغداد اس وسیع سلطنت کا پایہ تخت تھا، یہ شہر اپنی عظمت، عالی شان محلات اور عمارتوں کے باعث دینی اور دنیاوی علوم کا مرکز بنا ہوا تھا، خلیفہ خود عالم فاضل تھا اور اہل علم کی سرپرستی کرتا تھا، ایک دعوت کے موقع پر خود خلیفہ ہارون ہارون نے ایک نابینا عالم ابو معاویہ کے ہاتھ دھلوائے، خلیفہ کی اس قدردانی کے باعث بغداد میں مختلف علوم وفنون کے ماہر دور دراز سے کھچے چلے آئے۔ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ، ہمدرد اور سخی عورت تھی، اس نے دجلہ سے ایک نہر مکہ تک کھدوائی جس سے حرمین شریفین میں پانی کی قلت کی دور ہوگئی یہ نہر آج تک نہر زبیدہ کے نام سے مشہور ہے۔

2.5.2 بغاوتوں اور شورشوں کا قلع قمع:

الف) یحیٰ ابن عبداللہ کا خروج:

176ھ میں محمد نفس الزکیہ کے چھوٹے بھائی یحیٰ بن عبداللہ نے شمالی ایران کے دشوار گزار علاقے دیلم میں عباسی حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا، ہارون نے اس کے مقابلے پر فضل بن یحیٰ کو روانہ کیا مگر چونکہ برمکیوں کا مذہبی رجحان اہل بیت کی طرف تھا اس لئے فضل نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے یحیٰ کو صلح کرلینے پر آمادہ کرلیا، چنانچہ معافی اور امان نامہ حاصل کرنے کے وعدے پر یحیٰ ابن عبداللہ فوجی سرگرمیوں کو ترک کرکے بغداد چلا آیا، اس طرح یہ شورش بآسانی رفع ہوگئی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

ب) دمشق میں فساد:

دمشق کے یمنی اور مضر قبائل کے درمیان پرانی عصبتیں دوبارہ جاگ اٹھنے کی وجہ سے ان کے درمیان خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ 179ھ میں مضری قبیلہ کے ایک رئیس نے دمشق پر قبضہ کر کے یمنیوں کے محلوں کو خوب لوٹا اور شاہی فوجوں کا کئی مرتبہ کامیابی سے مقابلہ کیا، آخر موسیٰ بن عیسی حاکم شام کی کوششوں سے یہ فتنہ بمشکل فرو کر دیا گیا۔

ان دنوں شمالی افریقہ میں مصر کی غربی جانب کا تمام علاقہ سیاسی بدامنی کا مرکز بن گیا، ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب کو اس علاقے کا موروثی حاکم تسلیم کر کے سیاسی بے چینی کا خاتمہ کر دیا اور اس کے عوض ابراہیم بن اغلب نے ایک معقول رقم بطور خراج خلیفہ بغداد کو دینی منظور کی۔

ج) خارجیوں کی بغاوتیں:

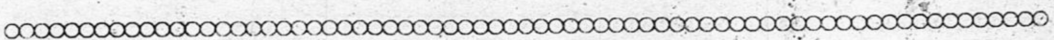
ہارون کے عہد میں خارجیوں نے موصل، حلوان، بجستان اور خراسان میں بغاوتیں کیں مگر شاہی فوجوں نے خارجیوں کا قلع قمع کر کے ان علاقوں میں کامل امن وامان قائم کر دیا، حلوان میں ایک خارجی عورت لیلیٰ نے کچھ عرصے مزاحمت جاری رکھی لیکن بالآخر اطاعت قبول کر لی۔

د) رافع بن لیث کی بغاوت:

سمرقند میں ایک فوجی افسر رافع بن لیث نے بغاوت کر کے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ آخر ہارون کے جرنیل نے رافع بن لیث کو شکست دیکر سمرقند پر دوبارہ قبضہ کر لیا لیکن یہ بغاوت مکمل طور پر کافی مدت کے بعد فرو ہوئی۔

2.5.3 فتوحات:

فتوحات کے لحاظ سے بھی ہارون کا زمانہ بہت مشہور ہے، ان دنوں قسطنطنیہ اور اناطولیہ کے رومی باشندوں نے ملکہ ایرینی کی بجائے نقفور کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیا، نئے شہنشاہ روم نے ہارون سے ایک خط کے ذریعے اس تمام رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا جو ملکہ ایرینی نے جزیہ کے طور پر مسلمانوں کو ادا کی تھی، اس مطالبہ پر ہارون نے سخت طیش کی حالت میں شہنشاہ نقفور کو



جواباً لکھ بھیجا۔

من هارون امير المؤمنين الى نقفور كلب الروم قدقرأت كتابك يا ابن الكافرة والجواب ماتر آه دون ما تسمع

ترجمہ: ہارون امیر المومنین کی طرف سے رومی کتے نقفور کے نام، میں نے تمہارا خط پڑھ لیا ہے او کافرہ کے بچے!! اس کا جواب اپنے کانوں سے سننے کی بجائے تو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔

چنانچہ ہارون اسی وقت ایک لشکر جرار لے کر روانہ ہوا اور شہنشاہ نقفور کو متواتر شکستیں دیں، رومی شہنشاہ نے مجبور ہو کر صلح کر لی اور ہارون الرشید کو خراج دینا منظور کیا۔

2.5.4 ہارون کے علمی کارنامے:

ہارون الرشید علم و ادب، فنون لطیفہ اور سائنس کا دلدادہ اور اہل علم کا قدر دان اور مربی تھا۔ وہ علوم کی اشاعت اور ترقی پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتا، اس نے ہندوستان یونان اور دیگر ممالک کے اہل علم کو اپنے ہاں جمع کر رکھا تھا، ہارون نے بیت الحکمت کے نام سے ایک ادارہ بنایا جہاں دیگر زبانوں سے مختلف قسم کے علوم وفنون کی کتابوں کے عربی میں تراجم کئے جاتے تھے۔

ہارون کے زمانے میں امام ابو یوسف کے ہاتھوں حنفی فقہ کی تدوین کا سلسلہ تکمیل کو پہنچا۔ ہارون کے عہد کے ممتاز علماء میں سے، عبداللہ بن ادریس (امام شافعیؒ)، عیسیٰ بن یونس اور ابراہیم موصلی نے اپنے علمی کارناموں کے باعث بہت زیادہ شہرت حاصل کی۔

ہارون الرشید کی سیاست کا بڑا اصول یہ تھا کہ عوام کو خوش حال زندگی بسر کرنے کے مواقع میسر ہوں اور سرکاری ملازمین ایماندار اور انصاف پسند ہوں، رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کیلئے وہ اکثر رات کو بھیس بدل کر اپنی مملکت کے مختلف حصوں میں گشت لگایا کرتا تھا، اس نے کئی بار مملکت کے مختلف صوبوں کا دورہ کیا اور اس طرح سلطنت کے نظم و نسق کے حالات سے پوری طرح باخبر رہا، یہی وجہ تھی کہ اس کے عہد میں بہت کم شورشیں ہوئیں اور اس کا دور تاریخ میں عدل و انصاف کی مثال بن کر رہ گیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

23 سال حکومت کرنے کے بعد یہ خلیفہ 193ھ میں فوت ہوگیا۔

2.6 امین الرشید (193ھ تا 198ھ بمطابق 809ء تا 813ء)

ہارون الرشید نے اپنے بیٹوں امین الرشید اور مامون الرشید کو ولی عہد مقرر کیا تھا، ولی عہدی میں پہلا نمبر امین کا اور دوسرا مامون کا تھا، لہذا ہارون کو وفات کے بعد امین تخت نشین ہوا۔

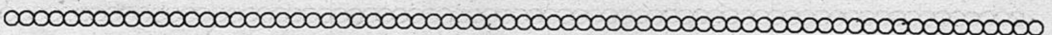
امین بڑا عیش پرست اور رنگین مزاج تھا، اسے امور سلطنت سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس نے مختلف اطراف سے مسخرے، داستان گو اور اربابِ نشاط منگوائے، ان کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں اور اپنے شب و روز ان کی محفلوں میں بسر کرنے لگا۔ اس نے ہاتھی، عقاب، سانپ اور گھوڑے کی شکل کی کشتیاں بنوائیں، اں میں بیٹھ کر وہ دجلہ کی سیر کیا کرتا تھا۔

2.6.1 امین اور مامون کے اختلافات:

اس عہد کی قابل ذکر بات صرف امین اور مامون کے باہمی اختلافات ہیں جو بالآخر خانہ جنگی پر منتج ہوئے اور جن کی پاداش میں امین کو خلافت اور زندگی دونوں سے ہاتھ دھونا۔ پڑے دونوں بھائیوں کی کشیدگی کے اسباب حسب ذیل تھے

1۔ ہارون نے سلطنت کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر کے ایک بہت بڑی سیاسی غلطی کا ارتکاب کیا۔ اس نے عراق اور مغربی ممالک امین کے سپرد کر دیئے اور ایران و خراسان مامون کی تحویل میں ے دیئے تھے۔ اس طرح دونوں بھائی ملکی تقسیم اور جاہ و اقتدار میں برابر کے شریک تھے، خلافت اگرچہ امین کی تھی لیکن مامون کو اپنے علاقہ کے انتظامی معاملات میں کامل اختیارات حاصل تھے، صرف خطبہ، سکہ اور رسمی اطاعت کی حد تک وہ خلافت بغداد کے ماتحت تھا۔ ان حالات میں ذرا سی غلط فہمی بھی وجہ مخاصمت بن سکتی تھی۔

2۔ وفات سے پہلے ہارون نے وصیت کی تھی کہ خراسانی مہم میں اس کے ہمراہ جس قدر فوج، خزانہ اور مال و اسباب ہے وہ سب مامون کے پاس مرو میں بھیج دیا جائے۔ امین کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے وزیر سلطنت فضل بن ربیع کو خفیہ طور پر لکھا کہ کل خزانہ اور فوج بغداد روانہ کر دی جائے، فضل بن ربیع امین کا طرف دار تھا اور اتنا بااثر تھا کہ سارا دربار اس کے اشاروں پر حرکت کرتا تھا، اس لئے وہ ہارون الرشید کی وصیت کے برخلاف سارے سامان



اورفوج کے ساتھ بغداد روانہ ہوگیا۔اس طرح ہارون کے یوم وفات سے ہی دونوں بھائیوں کے اختلافات کا آغاز ہوگیا جس کی ابتداء امین کی طرف سے ہوئی۔

3۔ امین طبعاً خودغرض اور غیر ذمہ دار واقع ہوا تھا اور چونکہ وہ خالص ہاشمی تھا، اس لئے تمام عمائد بنو ہاشم اور فوج کا بڑا حصہ اس کا طرفدار تھا، اس لئے وہ بڑی آسانی سے اپنے بھائی کی حق تلفی پر آمادہ ہوسکتا تھا۔

4۔ عباسی حکومت میں اس وقت عربی اور عجمی دو مخالف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، امین کی ماں ہاشمیہ تھی، اس لئے اسے عربوں کی حمایت حاصل تھی۔ مامون کی ماں عجمی النسل تھی، اس لئے ایرانی اور خراسانی اس کے بہی خواہ تھے، امین بغداد میں تھا جو دنیائے عرب کا مرکز تھا اور مامون مرو میں مقیم تھا جو خراسان کا صدر مقام تھا، دونوں بھائیوں کی باہمی آویزش کے پس پردہ ممالک اسلامیہ کے یہ دو مخالف گروہ زور آزمائی کرر ہے تھے۔

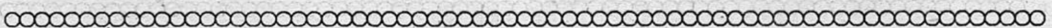
2.6.2 امین کی بدعہدی:

خلافت ملنے کے کچھ ہی عرصہ کے بعد امین نے فضل بن ربیع کے اکسانے پر مامون الرشید کو ولی عہدی سے دستبردار ہونے کو کہا، جب مامون نے انکار کردیا تو امین نے ہارون کا وصیت نامہ پھاڑ دیا اور مامون کی جگہ اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد بنا دیا، اس پر مامون نے بغاوت کردی اور اپنی خلافت کا اعلان کردیا۔

2.6.3 امین و مامون کی جنگ:

195ھ میں امین نے علی بن عیسیٰ کو پچاس ہزار نفوس پر مشتمل فوج دے کر جو کہ بڑے ساز و سامان سے آراستہ تھی خراسان کی طرف روانہ کیا۔ مامون نے مقابلے کیلئے طاہر بن حسین کو حکم دیا۔ جو اس وقت رے میں تھا، علی نے بھی رے کا رخ کیا۔ اگرچہ طاہر کیفوج کی تعداد صرف چار ہزار تھی مگر وہ اس ثابت قدمی سے لڑی کہ علی بن عیسیٰ کی فوج میں ہلچل مچ گئی، اس ہنگامہ میں اچانک ایک تیر علی لگا اور اس کا خاتمہ ہوگیا، اس پر بغداد کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔

پہلی جنگ میں شکست کے بعد امین نے عبدالرحمٰن بن جبلہ کو 20 ہزار فوج دے کر بھیجا۔ مامون کی فوج، جس کی قیادت طاہر بن حسین کررہا تھا، نے اس کو بھی شکست دی سارا عراق طاہر کے قبضہ میں آ گیا۔



اب امین نے ایک عظیم الشان فوج آراستہ کی جس کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی، اور اس کی کمان دولت عباسیہ کے نامور سالاروں احمد بن مزید اور عبداللہ بن قحطبہ کے سپرد کی گئی۔ طاہر کیلئے ان بہادروں کا مقابلہ کرنا مشکل تھا، چنانچہ اس نے تدبر سے کام لیتے ہوئے جعلی خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ سے ان دونوں سالاروں میں پھوٹ ڈال دی اور وہ دونوں آپس میں ہی لڑ گئے اور طاہر سے جنگ کئے بغیر واپس لوٹ گئے۔

یکے بعد دیگرے تین بغدادی فوجوں کی ناکامی نے ہر طرف طاہر کی دھاک بٹھا دی، اس نے بڑھ کر اہواز، یمامہ، بحرین، عمان اور واسط پر قبضہ کر لیا۔ کوفہ، بصرہ اور موصل کے حکام نے خود ہی اطاعت کے خطوط روانہ کر دیئے، اسی اثناء میں مکہ اور مدینہ کی آبادی نے بھی امین کی بدعہدی کے پیش نظر اس کی بیعت فسخ کر دی اور مامون کی خلافت کو تسلیم کر لیا، اب امین کی حکومت صرف بغداد تک محدود ہو کر رہ گئی تھی ادھر طاہر مدائن کو فتح کرتا ہوا، بڑی تیزی سے بغداد کی طرف بڑھ رہا تھا، امین کے بہت سے افسر اس سے بددل ہو کر طاہر سے ملنے لگے۔

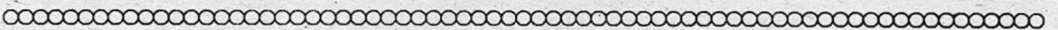
2.6.4 بغداد کا محاصرہ اور امین کا قتل:

197ھ کے آغاز میں طاہر اور ہرثمہ نے مل کر بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے شہر کے مختلف حصوں پر منجنیقوں کے ذریعے سے آگ اور پتھر برسانا شروع کر دیے یہ محاصرہ پورے ایک سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ امین کے اکثر امراء خوف اور طمع کے ہاتھوں مجبور ہو کر طاہر کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ فضل بن ربیع جیسا آدمی روپوش ہو گیا اور اس کے ساتھیوں کی تعداد بالکل کم رہ گئی۔

محرم 198ھ میں مامون کی فوج بغداد میں داخل ہو گئی۔ امین نے کشتی میں بیٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر طاہر کے آدمیوں نے اسے پکڑ کر قید کر دیا اور بعد میں اسے قتل کر دیا، اس طرح امین کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

2.7 مامون الرشید (197ھ تا 218ھ بمطابق 813ء تا 833ء):

مامون الرشید کا اصل نام عبداللہ تھا، باپ نے اسے مامون کا لقب دیا، اس کی ولادت 170ھ میں ہوئی۔ مامون کی ابتدائی پرورش مشہور وزیر جعفر بن یحیٰی برمکی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ خداداد ذہانت اور اساتذہ کی محنت سے مامون نے بہت جلد



جملہ دینی و دنیاوی علوم میں خاطر خواہ دسترس حاصل کرلی۔ چونکہ اس کی ماں نسلاً ایرانی تھی اس لئے وہ شروع سے ہی ایرانی تہذیب وتمدن کا دلدادہ تھا۔

2.7.1 عہد خلافت:

امین کے قتل کے بعد مامون الرشید کی خلافت کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ خلیفہ بننے کے بعد وہ بدستور مرو میں ٹھہرا رہا اور اسے اپنا پایہ تخت بنائے رکھا۔ ان دنوں حکومت کی باگ ڈور اس کے ایرانی وزیر فضل بن سہل کے ہاتھ میں تھی جو بغداد میں رہتا تھا۔ فضل بن سہل کی غلط حکمت عملی سے عراق اور حجاز میں شورشیں برپا ہوئیں۔ اس پر مامون خراسان سے بغداد چلا آیا۔ کچھ عرصہ بعد مامون کی ایماء پر چند لوگوں نے فضل بن سہل کو قتل کرڈالا اور مامون نے حسن بن سہل کو اپنا وزیر بنالیا اس طرح چند ہفتوں کے اندر اسلامی مملکت میں امن وامان قائم ہوگیا۔

2.7.2 خروج بابک خرمی اور رومیوں سے جنگ:

816ء میں ایک ایرانی شخص بابک خرمی نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا جس میں عورتوں سے جنسی تعلقات قائم کرنے پر کسی اخلاقی اصول کی پابندی لازمی نہیں تھی۔ بہت جلد ہزاروں لوگ اس شخص کے پیروہوگئے، کئی مرتبہ مامون نے بابک خرمی کی سرکوبی کیلئے فوجیں بھیجیں مگر وہ اس کو مکمل طور پر زیر نہ کرسکیں۔

ایک مرتبہ جب مامون کی فوج نے بابک خرمی کو گھیرے میں لے لیا تو اس نے رومی شہنشاہ کو مامون کی سلطنت پر حملہ کرنے کیلئے اکسایا، چنانچہ رومی فوجوں نے اسلامی مملکت پر یلغار کرکے ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کرڈالا۔ اس پر مامون نے فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور رومی شہنشاہ کو متواتر شکستیں دے کر اسے صلح کرنے پر مجبور کیا۔ رومی حملوں کا سدباب کرنے کیلئے مامون نے طرطوس سے ستر میل کے فاصلے پر ایک بہت بڑا جنگی قلعہ بنوایا اور صوبہ شام کے سرحدی علاقوں کو مستحکم کیا گیا۔

2.7.4 حکومت کے نظم ونسق پر ایرانیوں کا غلبہ:

اموی حکمرانوں کے عہد میں سلطنت کے نظم ونسق پر عربوں کو غلبہ حاصل تھا مگر چونکہ مامون کو امین پر ایرانیوں کی

بدولت فتح حاصل ہوئی تھی اس لئے اس نے سلطنت کے تمام بڑے بڑے عہدے مثلاً وزارت، فوج کی سپہ سالاری اور مشرقی صوبوں کی گورنری پر ایرانیوں کو مقرر کیا، جس پر مامون کی حکومت پر تمام ایرانی چھا گئے اور ایرانی تمدن کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ فارسی زبان نے اس دور میں خوب ترقی کی اور کئی کتابوں کا غیر ملکی زبانوں سے فارسی میں ترجمہ ہوا۔

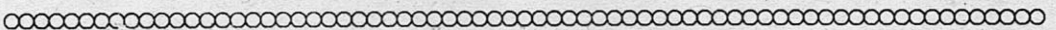
2.7.5 علمی ترقی:

ہارون اور مامون کے عہدِ حکومت میں دولت عباسیہ کو علم وفن اور تہذیب وتمدن کی دنیا میں شہرت دوام حاصل ہوئی۔ مؤرخین کے خیال میں مسلمانوں میں سے ایک بھی تخت نشین ایسا نہیں گزرا جو ذاتی فضل وکمال میں مامون کی شان یکتائی کا مثل ہو سکے۔ وہ ادب، حدیث، فقہ، شاعری، فلسفہ، ریاضی غرضیکہ ہر فن کی بزم میں صدر نشین نظر آتا تھا۔ اس کے دور حکومت میں کرہ ارض کی پیمائش کی گئی، اسی زمانے میں ستاروں کی حرکات کا مطالعہ کرنے کیلئے پہلی رصد گاہ قائم ہوئی، دوربین ایجاد ہوئی، حساب، جیومیٹری، فلسفہ اور طب پر کتابیں لکھی گئیں۔ قیصر روم سے افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس وغیرہ کی کتابیں منگوائی گئیں اور ان کا ترجمہ کیا گیا۔ تعلیمی ادارے جابجا کھولے گئے، اور علم وادب کا چرچا عام ہونے لگا۔

مامون کا عہد ہر لحاظ سے بنوعباس کا سنہری دور تھا، اس کے عہد میں دارالحکمت کی علمی ضیاپاشیاں بدستور جاری رہیں، بازنطینی شہنشاہ سے جنگ کے اختتام پر ایک مرتبہ ہارون نے کافی تعداد میں یونانی کتب حاصل کی تھیں۔ مامون نے شاہ روم کے پاس حکماء کا ایک وفد بھیجا جنہوں نے وہاں ایک کتب خانہ سے مفید کتابیں منتخب کیں اور ایسی کتب اپنے ساتھ لائے جو زیادہ تر فلسفہ سے متعلق تھیں۔ بعدازاں ان کتابوں کا ترجمہ بیت الحکمت میں کیا گیا، بیت الحکمت کی مشہور اور قابل فخر شخصیات میں حنین بن اسحاق، یعقوب الکندی اور محمد بن موسیٰ الخوارزمی کے نام قابل ذکر ہیں۔

2.7.6 سیرت وکردار:

بیس سال پانچ ماہ حکومت کرنے کے بعد مامون 9 اگست 833ء کو فوت ہوگیا، اس وقت اس کی عمر اڑتالیس برس تھی۔ مامون الرشید رعایا پروری اور انصاف کرنے کے معاملے میں بہت مشہور تھا۔ اس کے ایوان عدالت میں امیر وغریب کی کوئی تمیز نہ تھی، اپنے پیشروؤں کے مقابلے میں وہ بہت رحمدل اور حلیم تھا، باپ کی طرح فیاض تھا حکومت کرنے کے سلسلے میں وہ مشیروں اور غیروں کا سہارا نہیں لیتا تھا، چنانچہ اس کا مقولہ تھا کہ!



''امیر معاویہؓ کی قوت عمرؓو بن العاص کی وجہ سے تھی، ولید بن عبد الملک کی قوت حجاج کے بل بوتے پر تھی، مگر میری عظمت کا راز میری ذات ہے''۔

مامون فلسفہ کے اثر کے تحت فرقہ معتزلہ کا ہم خیال بن گیا تھا۔ وہ بڑا آزاد خیال خلیفہ تھا، اس کے دربار میں ہندو، عیسائی، یہودی، مجوسی ہر ایک مذہب کے عالم موجود تھے۔ وہ کسی کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیتا تھا اور ہر ایک کو اپنے خیالات کی تشہیر کی اجازت تھی۔ اس کی علمی محفلوں میں ہر مکتب خیال کے لوگ فلسفیانہ اور مذہبی مباحث میں حصہ لیتے تھے اور وہ سب کی باتوں کو بڑی سنجیدگی سے سنتا تھا۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ مامون نے تمام مذاہب کے ساتھ تو بڑی رواداری کا سلوک کیا، مگر اس کے اپنے ہم مذہبوں کو اس کے معتزلی عقائد کی وجہ سے بہت تکالیف اٹھانی پڑیں۔ اس نے احمد بن داؤد کے اکسانے پر بڑے بڑے علمائے اسلام پر انتہائی مظالم توڑے، جب وہ طرطوس میں مقیم تھا تو اس نے اسحاق بن ابراہیم حاکم بغداد کو فرمان بھیجا کہ وہ شہر کے قاضیوں اور علماء کو بلا کر ان سے خلق قرآن کے متعلق پوچھے۔ جو شخص خلق قرآن کا اقرار کرے اس سے تعرض نہ کیا جائے اور جو شخص اس سے انکاری ہو اس پر انتہائی سختی کی جائے اور اسے زنجیروں میں جکڑ کر طرطوس روانہ کیا جائے۔ چنانچہ اسحاق بن ابراہیم نے مامون کے فرمان کی تعمیل کی شہر کے متعدد علماء اپنے عقائد پر سختی سے ڈٹے رہے۔ ان میں سے بعض کو تو شہید بھی کر دیا گیا، امام احمدؒ بن حنبل کو بڑی بے دردی سے کوڑوں میں پیٹا گیا اور انہیں قید میں ڈال دیا گیا۔

2.7.7 وفات:

مامون الرشید ایشیائے کوچک میں ایک مہم کے سلسلہ میں طرطوس کے مقام پر خیمہ زن تھا کہ بیمار ہوا اور اسی بیماری میں اس کی وفات ہو گئی، اس وقت اس کی عمر اڑتالیس برس تھی، مرض الموت میں اس نے اپنے بھائی معتصم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

2.8 المعتصم باللہ (218ھ تا 227ھ بمطابق 833ء تا 842ء):

خلیفہ مامون کی وفات کے بعد فوج نے عباس بن مامون کو خلیفہ بنانا چاہا مگر عباس نے باپ کی وصیت کا احترام کرتے ہوئے اپنے چچا المعتصم باللہ کی بیعت کر لی اور اس طرح المعتصم باللہ عباسی سلطنت کا فرمانروا تسلیم کر لیا گیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

2.8.1 معتصم کی حکمت عملی:

معتصم نے مامون کی پیروی کرتے ہوئے اپنی حفاظتی فوج میں ترک سپاہیوں کو بھرتی کیا اور معتزلی عقائد کی تبلیغ بڑے شدومد سے کی۔ مامون کے عہد سلطنت کے نظم ونسق میں عربوں کی جگہ ایرانیوں نے لے لی تھی، قیام ترکستان کے زمانے میں مامون نے پہلی مرتبہ ترکوں کو فوج میں جگہ دی۔ معتصم نے ترک سپاہیوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھرتی کیا اور انہیں زرق برق وردیاں اور بڑی بڑی تنخواہیں دیں۔

2.8.2 فوج میں ترک عنصر کا غلبہ:

معتصم کے زمانے میں ترک سپاہیوں کی تعداد اڑھائی لاکھ تک پہنچ گئی ذاتی طور پر ترک سپاہی خوبصورت، بہادر اور نڈر تھے اس لئے خلیفہ کی نظروں میں ان کی بہت وقعت تھی۔ غالباً اسی بنا پر خلیفہ معتصم نے سمرقند، فرغانہ اور ترکستان سے ہزاروں ترک سپاہی منگوائے اور انہیں فوج میں داخل کیا۔ وقتی طور پر خلیفہ کی یہ پالیسی کامیاب رہی کیونکہ ترکوں کی بہادری اور جنگ جوئی کے باعث بیرونی فتوحات میں اضافہ ہوا۔ دوسرے ایرانی اقتدار و اثر کمزور پڑ گیا۔ تاہم اس پالیسی کے دورس نتائج اچھے نہ تھے ترک فوجی غیر مہذب تھے اور ان میں اطاعت، وفا شعاری اور نظم وضبط کا مادہ نہیں تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ترک سپاہی اتنے خودسر ہو گئے کہ خود خلیفہ بغداد کی تقرری اور معزولی ان کے اشاروں پر ہونے لگی اور یوں وہ پوری سلطنت کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے۔

2.8.3 سامرا شہر کا وجود میں آنا:

ترک سپاہی اکھڑ اور تندخو تھے، وہ شہر کے گلی، کوچوں میں بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے پھرتے جس سے شہریوں کے کئی بچے ہلاک ہو جاتے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر معتصم نے بغداد کے شمال کی جانب ساٹھ میل کے فاصلے پر دریائے دجلہ کے کنارے ''سرمن رائی'' (جس کے معنی ہیں خوش ہوا وہ جس نے دیکھا) نام کا ایک نیا شہر آباد کیا جو کثرت استعمال سے سامرا مشہور ہو گیا۔ یہاں ترک سپاہیوں کی رہائش کیلئے فوجی بیرکیں بنوائیں اور کئی محلات بھی تعمیر کرائے، تھوڑی مدت کے بعد معتصم نے سلطنت کے پایہ تخت کو بھی سامرا ہی میں منتقل کر دیا۔

تقریباً آٹھ سال تک سامرا شہر عباسی خلفاء کا دارالخلافہ رہا، خلیفہ متوکل علی اللہ نے اس شہر میں کئی عمارتیں بنوائیں، اس کے بعد

تجارت پیشہ لوگوں کے بازار اور مکانات بھی وہاں تعمیر ہوگئے اور جلد ہی اس نئی بستی نے ایک بارونق شہر کی صورت اختیار کر لی۔

2.8.4 معتصم کے عہد کے دیگر واقعات:

معتصم کے دور خلافت میں بصرہ میں ''زط'' قوم نے بغاوت کی اور عراق میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا، ایک عرب جرنیل نے انہیں شکست دی اور خلیفہ کے حکم سے انہیں روم کی سرحد پر آباد کر دیا۔

ماژندان کے علاقے میں بابک خرمی نے مدت سے سرکشی اختیار کر رکھی تھی، مامون کے زمانہ میں اس کی سرکوبی نہ ہو سکی تھی، اب معتصم کے ایک ترک جرنیل افشین نے بابک خرمی کے قلعوں کو یکے بعد دیگرے فتح کر لیا، آخر بابک خرمی کو گرفتار کر کے بغداد لایا گیا جہاں اسے قتل کر دیا گیا۔

رومیوں نے بابک خرمی سے ساز باز کر رکھی تھی اس لئے جب اسلامی فوجیں بابک خرمی کے خلاف مصروف پیکار تھیں تو رومیوں نے عموریہ شہر پر یورش کر کے ہزاروں مسلمان مردوں کو تہ تیغ کیا اور مسلمان عورتوں کو بے عزت کیا۔ اس پر معتصم نے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی، رومیوں کو کئی محاذوں پر شکست دی اور عموریہ شہر کو ان سے واپس چھین لیا۔ بالآخر 841ء میں فریقین میں صلح ہوگئی۔

2.8.5 وفات اور سیرت:

معتصم 9 ربیع الاول 227ھ بمطابق 5 جنوری 842ء کو اس جہان فانی سے رحلت کر گیا۔ یہ خلیفہ ان پڑھ، تند مزاج اور سخت گیر انسان ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بہادر اور اچھا منتظم تھا۔ اس نے زراعت کی ترقی میں بڑا حصہ لیا اور غیر آباد زمینوں کو آباد کرانے کی کوشش کی۔ معتصم علم و ادب سے بیگانہ تھا اس کی بہادری اور جواں مردی کے باعث مورخین نے اسے ''سپاہی خلیفہ'' کا خطاب عطا کیا۔ اس کے عہد کا افسوسناک واقعہ یہ ہے کہ مامون الرشید کی طرح اس نے بھی معتزلی عقائد کو فروغ دیا۔ اس نے امام احمدؒ بن حنبل کو کئی بار کوڑوں سے پٹوایا، تمام علماء کو حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں سے بالجبر خلق قرآن کا اقرار لیں، اور درس علوم میں بھی اس عقیدہ کی تلقین لازمی قرار دی گئی۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

2.9 واثق باللہ (227ھ تا 232ھ بمطابق 842ء تا 847ء):

واثق معتصم کا لڑکا تھا، معتصم کی وفات پر سامرا میں متفقہ طور پر اس کی بیعت ہوئی، وہ اپنے باپ کی سیاسی اور مذہبی حکمت عملی پر گامزن رہا، اس کے عہد میں ترکوں کو مزید عروج حاصل ہوا، اس نے ترک سالار اشناس کو جواہرات کا تاج اور ہار پہنائے اور اسے سلطان کا خطاب دے کر نائب السلطنت بنا دیا مذہباً وہ معتزلہ عقائد کا پیرو تھا اور اس نے دوسرے مکتب خیال کے لوگوں پر بڑی سختی کی۔

2.9.1 عربوں کی شورشیں:

اس عہد میں عربوں نے کئی مقامات پر شورش برپا کی اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ عرب جن کا صدیوں سے فوجی خدمت پیشہ چلا آرہا تھا، اب آہستہ آہستہ فوج سے الگ کردیئے گئے تھے، اب وہ خانہ جنگی اور لوٹ مار کی طرف مائل ہونے لگے تھے۔ سب سے پہلے بنوقیس نے دمشق میں ہنگامہ برپا کیا، مگر اسے دبا دیا گیا، اس کے بعد بنوسلیم نے مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستوں پر لوٹ مار شروع کردی۔ واثق نے ترک سالار بغا کبیر کو بھیج کر ان کی شورش کو کچل دیا۔ یمامہ کے بنونمیر نے سرکشی اختیار کی تو واثق نے بغا کبیر کو ان کے خلاف بڑھنے کا حکم دیا، بنونمیر بڑی بہادری سے لڑے اور انہوں نے بغا کبیر کی فوج کا ایک حصہ ضائع کردیا لیکن کمک پہنچ جانے کی وجہ سے ترک سالار کو فتح ہوئی اور اس نے عربوں کو بے دریغ قتل کیا اور بہت سے شرفائے عرب قید کر کے بغداد لے آیا۔

2.9.2 احمد بن نصر کا قتل:

احمد بن نصر ایک متقی اور حق گو انسان تھے۔ وہ خلیفہ واثق کے معتزلی عقائد کے خلاف کھلم کھلا اظہار رائے کیا کرتے تھے، اس پر بغداد کے بہت سے لوگوں نے واثق کی مذہبی پالیسی کے خلاف احتجاج کے طور پر ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور بغاوت کیلئے ایک رات مقرر کردی، بغداد کے پولیس افسر کو اس کی اطلاع ہوگئی اور اس نے احمد بن نصر کو گرفتار کر کے سامرا بھیج دیا۔ دربار عام میں احمد نے بڑی بے باکی سے اپنے عقائد بیان کئے اور معتزلی عقائد کی تردید کی اِس پر واثق نے اپنے ہاتھ سے ان کا سر اڑا دیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

2.9.3 وفات:

واثق باللہ 847ء میں مرض استسقاء میں مبتلا ہوا اور اسی مرض میں اس کی وفات ہوگئی۔ اس کی کل مدت خلافت پانچ سال نو ماہ تھی۔

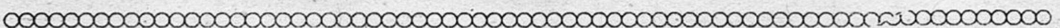
2.10 متوکل علی اللہ (232ھ تا 247ھ بمطابق 847ء تا 861ء):

واثق نے مرنے سے پہلے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا، اس لئے بعض امراء سلطنت نے کوشش کی کہ واثق کے کم عمر لڑکے محمد خلیفہ کو تسلیم کرلیا جائے، مگر قاضی احمد بن ابی داؤد کی مخالفت کی وجہ سے انہیں کامیابی نہ ہوسکی۔ اس پر سب نے متفقہ طور پر واثق کے چھوٹے بھائی جعفر بن معتصم کو تخت پر بٹھادیا۔ جعفر نے متوکل علی اللہ کا لقب اختیار کیا، منصب خلافت پر فائز ہوتے وقت اس کی عمر 27 برس تھی۔

متوکل نے خلافت سنبھالتے ہی اپنے پیش رو خلفاء کی پالیسی ترک کردی۔ اس نے خلق قرآن اور صفات باری تعالیٰ سے متعلق ہر قسم کے مناظروں اور مباحث کو قانوناً بند کردیا، تمام غیر معتزلہ علماء جو قید و بند میں پڑے ہوئے تھے، ان سب کو رہائی دے دی۔ اس نے ترکوں کا بھی زور توڑنا چاہا، مگر اس میں اسے کامیابی نہ ہوئی۔ پالیسی کی تبدیلی کی وجہ سے بعض ایسے اشخاص کو زوال آگیا جو اس سے پہلے مسند اقتدار پر قابض تھے۔

2.10.1 ابن زیات کا قتل:

ابنِ زیات معتصم کے عہد سے وزیر چلا آرہا تھا، اس کی قابلیت میں شک نہیں تھا، لیکن وہ بڑا متکبر اور ظالم تھا۔ واثق کے عہد میں ایک دفعہ متوکل اس سے ملنے گیا تو اس نے اس سے بڑا ذلت آمیز سلوک کیا تھا۔ اس نے متوکل کی تخت نشینی کی بھی مخالفت کی تھی، اس لئے اب اس پر عتاب نازل ہوا، ابن زیات نے ایک لوہے کا تنور بنوا رکھا تھا، جس کے اندر چاروں طرف کانٹے تھے۔ متوکل نے اسے گرفتار کرکے اس تنور میں بند کرادیا جہاں اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔



2.10.2 قاضی احمد بن ابی داؤد کا زوال:

قاضی احمد بن ابی داؤد فرقہ معتزلہ کے مشہور عالم تھے، مامون کے عہد سے عباسی دربار میں ان کی بڑی عزت چلی آرہی تھی معتصم اور واثق کے عہد میں تو ان کا درجہ وزیر سے بھی بڑھ کر تھا۔ان ہی کے زیر اثر خلفاء نے ان علماء پر سختیاں کیں، جو مسئلہ خلق قرآن کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔متوکل کے عہد میں حکومت کی مذہبی حکمت عملی بدلی تو قاضی موصوف کو زوال آگیا۔ 237ھ میں متوکل نے انہیں اور ان کے خاندان کو قید کر دیا، ان کے لڑکے ابوالولید نے جو کہ بڑا دولتمند تھا، ایک کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ادا کر کے سارے خاندان کو رہا کرایا۔

2.10.3 بغاوتیں:

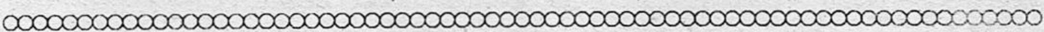
234ھ میں آذربائیجان کے ایک رئیس ابن بعیث نے بغاوت کر دی، مرکز سے امداد بھیجنے کے باوجود مقامی حکام اسے مغلوب کرنے میں ناکام رہے۔آخر متوکل نے ترک سالار بغا شرابی کو روانہ کیا اس نے اسے مع ساتھیوں کے گرفتار کر کے سامرا بھیج دیا۔

237ھ میں آرمینیا میں بطریقوں نے بغاوت کر دی، بقراط نامی ان کے سردار نے یوسف بن محمد حاکم آرمینیا کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کی، مگر یوسف کی فوج نے اسے گرفتار کر کے سامرا بھیج دیا۔اس پر بطریقوں نے مشتعل ہو کر حملہ کر دیا اور فوج کو شکست دے کر یوسف کو قتل کر دیا، اس پر متوکل نے بغا کبیر کو روانہ کیا جس نے باغیوں کو شکست دی، تقریباً تین ہزار آدمی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔

240ھ میں حمص کے عیسائیوں نے علم بغاوت بلند کر دیا اور شہر کے عامل کو وہاں سے نکال دیا، خلیفہ نے دمشق اور رملہ سے فوجوں کو ان کے مقابلے میں بڑھنے کا حکم دیا، باغیوں کو شکست ہوئی اور ان کو شہر بدر کر دیا گیا۔

2.10.4 متوکل کی مذہبی حکمت عملی:

متوکل فقہی مسائل میں امام شافعی کے مسلک کا پیرو تھا، اس نے احادیث اور سنت نبوی کی اشاعت میں بڑی دلچسپی لی۔متوکل نے محدثین کو سامرا میں بلایا اور بڑے بڑے انعامات سے نوازا کیا، اس نے خلق قرآن اور صفات



خداوندتعالیٰ سے متعلق بحث مباحثے کو حکماً بند کر دیا۔ درحقیقت یہ عہد ترویج فلسفہ کے خلاف ردِعمل کا زمانہ تھا۔ متوکل نے دوسرے فرقوں سے بڑا معتصبانہ سلوک کیا۔ علویوں سے اسے اس قدر عداوت تھی کہ ان سے محبت رکھنے والوں کا بھی دشمن بن جاتا تھا۔ اس کی نفرت یہاں تک بڑھی کہ اس نے حضرت امام حسینؓ کے روضہ مبارک اور اس کے گرد بنے ہوئے تمام مکانات مسمار کر دیئے اور نہر کا پانی اس طرف کاٹ کر وہاں کاشت کاری کرائی ور اہل بیت کے مزاروں کی زیارت قانوناً ممنوع قرار دی۔

2.10.5 ولی عہدی کا مسئلہ اور متوکل کا قتل:

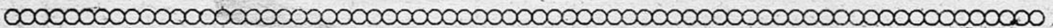
متوکل نے اپنے تین لڑکوں محمد، طلحہ اور ابراہیم کو بالترتیب منتصر باللہ، معتز اللہ اور موید باللہ کے القاب دے کر یکے بعد دیگرے ولی عہد نامزد کیا اور ہارون کی طرح پوری سلطنت کو ان تینوں میں تقسیم کر دیا۔ ابتداء میں اس نے منتصر کو پہلے نمبر پر رکھا مگر بعد ازاں معتز کی ماں کے زیر اثر اس نے معتز کو منتصر پر فوقیت دینی چاہی، اس پر منتصر نے ترک امراء کے ساتھ ساز باز کر کے متوکل کو قتل کروا دیا۔

3۔ خلافت عباسیہ کا دورِ انحطاط

(247ھ تا 422ھ بمطابق 861ء تا 1031ء)

خلیفہ متوکل کے قتل کے بعد عباسی حکومت میں انحطاط شروع ہوگیا۔ معتصم باللہ اور اس کے جانشینوں کی ترک فوج میں بکثرت بھرتی کے نتیجے میں ترکوں کو انتظام سلطنت میں غیر معمولی غلبہ حاصل ہوگیا۔

اس دور میں خلفاء عموماً کمزور رہے جبکہ تمام سیاہ وسفید کا مالک امیر الامراء ہوتا تھا، بعد ازاں دیلم کے بنی بویہ خاندان کو غیر معمولی اقتدار حاصل ہوا اور بنی بویہ کے امراء کے ہاتھوں میں خلیفہ کٹھ پتلی بن کر رہ گیا۔ بعض خلفاء نے اپنے زور بازو سے عباسی خلافت کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر مجموعی اعتبار سے ان کو کامیابی حاصل نہ ہوئی اس دور کے عباسی خلفاء کا ذیل میں تذکرہ کیا جا رہا ہے۔



3.1 منتصر باللہ (247ھ تا 248ھ بمطابق 861ء تا 862ء):

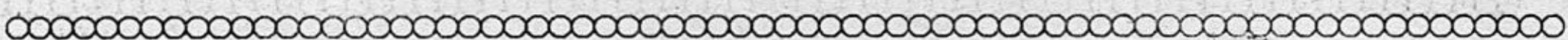
خلیفہ منتصر باللہ 223ھ میں بمقام سامرا پیدا ہوا اور 247ھ میں اپنے والد متوکل کے قتل کے بعد خلیفہ بنا، منتصر کے عہد میں ترک بہت خود مختار ہو گئے تھے، اس نے ترکوں کے اقتدار کو کم کرنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ سیرت کے اعتبار سے وہ بارعب، فیاض اور عدل و انصاف کا پتلا تھا۔ اسے علویوں اور بنو فاطمہ سے دلی عقیدت تھی، اس نے باغ فدک اور علویوں کے سارے اوقاف انہیں واپس کر دیئے اور اپنے ملازمین کو تاکیداً کہا کہ وہ شیعان علیؑ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔ اپنے والد کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کے باعث وہ ہمیشہ مغموم رہتا تھا، آخر ترکوں نے اس کے طبیب ابن طیفور کو تیس ہزار دینار رشوت دے کر زہریلے نشتر سے فصد کھلوائی جس سے وہ جاں بحق ہو گیا۔

اس کی حکومت کا عرصہ چھ ماہ دو دن ہے۔

3.2 مستعین باللہ (248ھ تا 251ھ بمطابق 862ء تا 865ء):

منتصر باللہ نے اپنے عہد خلافت میں اپنے دونوں ... اور موید کو ولی عہدی سے معزول کر دیا تھا اور ابھی کسی کو نیا ولی عہد مقرر نہیں کیا تھا کہ اس کی وفات ہو گئی، منتصر ... منتصر باللہ کے چچا اور خلیفہ معتصم باللہ کے پوتے مستعین باللہ کو تخت پر بٹھا دیا۔

یہ خلیفہ بلند پایہ ادیب، مشہور عالم و فاضل اور سخی تھا مگر سیاسیات اور امور مملکت میں بالکل کورا تھا۔ اس کے عہد میں اردن، حمص اور بغداد میں جابجا شورشیں ہوئیں، یحییٰ بن عمرو نے خروج کیا مگر شاہی لشکر سے شکست کھا کر مارا گیا، علویوں نے طبرستان اور جرجان پر قبضہ کر لیا۔ بدنظمی کا یہ عالم تھا کہ خزانہ ترکوں کے اخراجات کے بعد خالی ہو جاتا، یہاں تک کہ فوجیوں کو تنخواہیں دینے کیلئے بھی رقم نہ رہتی، فارس کے فوجیوں نے بھی اس وجہ سے بغاوت کر دی کہ انہیں تنخواہیں نہیں ملی تھیں۔ تمام امور سلطنت پر ترک چھا گئے اور انہوں نے معتز کے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ مستعین اور معتز کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں آخر معتز غالب آیا اور مستعین اس کے حق میں دستبردار ہو گیا بعد میں مستعین کو واسط میں نظر بند کر دیا گیا جہاں بحالت اسیری اسے قتل کر دیا گیا۔



3.3 معتز باللہ (251ھ تا 255ھ بمطابق 865ء تا 869ء):

مستعین باللہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد معتز باللہ 19 سال کی عمر میں خلیفہ بنا، یہ عباسی خلفاء میں سب سے کم عمر خلیفہ تھا۔ اس کا سارا عہد شورشوں اور انقلابات میں گزرا جس کی وجہ سے اس کو حکومت کے نظم ونسق کی طرف توجہ دینے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کے عہد میں خارجیوں اور علویوں نے جابجا شورشیں برپا کیں جنہیں بڑی مشکل سے فرو کیا گیا، دولت صفاریہ کے بانی یعقوب بن لیث نے سجستان میں خودمختار حکومت قائم کی، احمد بن طولون نے مصر میں حکومت طولونیہ کی بنیاد ڈالی۔ 255ھ میں ترک سپاہیوں نے تنخواہوں کے نہ ملنے کے باعث بغاوت کر دی اور معتز کو نہایت ذلیل ورسوا کرنے کے بعد خلافت سے معزول کر دیا۔

3.4 مہتدی باللہ (255ھ تا 256ھ بمطابق 869ء تا 870ء):

معتز باللہ کی معزولی کے بعد ترکوں نے اس کے چچازاد بھائی محمد بن واثق کو تخت سلطنت پر بٹھایا اور اسے مہتدی باللہ کا لقب دیا۔ یہ خلیفہ علم دوست، پابند شریعت اور عدل وانصاف کا دلدادہ تھا۔ علماء اور فقہا کی سرپرستی کرتا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس نے انتہائی سادہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرنا شروع کی مگر ملک کے سیاسی حالات اتنے بگڑے ہوئے تھے کہ باوجود کوششوں کے وہ ان پر قابو نہ پا سکا۔ اس کی تخت نشینی کے فوراً بعد علی اور مساور خارجی نے شورشیں برپا کیں اور عراق وبغداد میں ہنگاموں کے باعث بدامنی کا دور شروع ہو گیا۔ بعض سیاسی امور کے سلسلے میں ترک افسروں سے اس کا بگاڑ ہو جانے پر 256ھ میں ترک افسروں نے اسے معزول کر کے قتل کر ڈالا، اس کی خلافت کی مدت ساڑھے گیارہ مہینے ہے۔

3.5 معتمد علی اللہ (256ھ تا 279ھ بمطابق 869ء تا 892ء):

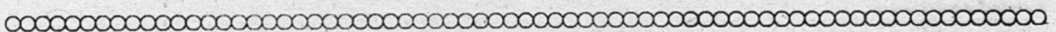
معتمد علی اللہ متوکل کا بیٹا تھا جو ترکوں کی مدد سے 256ھ میں تخت پر بیٹھا خلیفہ کی تخت نشینی کے فوراً بعد خلیفہ کا بھائی موفق باللہ ترکوں کو ملک کا نظم ونسق سے بے دخل کر کے خود تمام سفید وسیاہ کا مالک بن گیا۔ اس وقت ملک کے سیاسی حالات انتہائی غیر مستحکم تھے، شام میں عیسیٰ بن شیخ اور عراق میں علی خارجی (جو صاحب الزنج کے لقب سے مشہور تھا) نے شورشیں برپا

کررکھی تھیں۔ مسعودی کے بیان کے مطابق لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا جارہا تھا، آخر 270ھ میں موفق نے صاحب الزنج کو ختم کیا اور عیسیٰ بن شیخ کو شام کے علاوہ آرمینیا کی ولایت دے کر اس سے خلیفہ کی بیعت کرالی۔ اس طرح عالم اسلام نے اطمینان کا سانس لیا۔

معتمد کے عہد میں دولت صفاریہ کے بانی یعقوب بن لیث کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ خلیفہ معتمد نے اسے طخارستان، بلخ اور سندھ کے علاقے دے دیئے۔ یعقوب نے دولت طاہریہ کا خاتمہ کرکے طبرستان اور نیشاپور کے علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ اپنی کامیابیوں کے نشے میں سرشار یعقوب نے بغداد کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ اس پیش قدمی کے نتیجے میں خلیفہ معتمد اور یعقوب بن لیث کے درمیان ایک خونریز لڑائی ہوئی جس میں یعقوب بن لیث شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ تھوڑے دنوں بعد 265ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔ یعقوب کے بعد اس کا بھائی عمرو بن لیث نے خراسان، اصفہان اور بجستان کے علاقے لے کر خلافت بغداد سے اپنے تعلقات استوار کرلئے، معمولی نشیب وفراز کے باوجود اس کے تعلقات معتمد سے اچھے رہے۔ 261ھ میں نصر نے خلافت بغداد سے ماوراء النہر کی حکومت حاصل کرکے دولت سامانیہ کی بنیاد ڈالی۔ موصل میں خارجیوں نے شورشیں برپا کیں، حمدان میں قرمط نے اپنی تحریک کا آغاز کیا، رومیوں کے ساتھ کئی جنگی معرکے ہو جن میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور صقلیہ (سسلی) کے پایہ تخت سرقوسہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ 279ھ رنے پچاس سال کی عمر میں 23 سال حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔

3.6 معتضد باللہ (279ھ تا 289ھ مطابق 892ء تا 902ء):

معتمد کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا معتضد باللہ بن موفق باللہ خلیفہ بنا، یہ خلیفہ اپنے پیشرو کے برعکس بڑا مدبر اور سیاست کے میدان کا شہسوار تھا۔ اس نے ترکوں کا زور توڑا اور مخالف طاقتوں کو نیچا دکھا کر دولت عباسیہ کے تن مردہ میں از سر نو جان ڈالی۔ مذہبی جھگڑوں کو ختم کرنے کیلئے اس نے فلسفہ کی کتابوں کی اشاعت روک دی۔ وہ گانے بجانے والوں، نجومیوں اور افسانہ گو افراد کا دشمن تھا۔ اس خلیفہ کے عہد میں موصل میں خارجیوں اور کردوں کی سرکوبی کی گئی مگر تحریک قرامطہ خوب پھلی پھولی، جس تحریک کے ایک داعی ذاکرویہ بن مہرویہ نے شام تک تباہی اور بربادی پھیلائی، معتضد نے ان کی



سرکوبی کیلئے فوجیں بھجوائیں اور کسی حد تک ان کا فتنہ دب گیا۔طبرستان کے علویوں سے محمد بن زید نے خراسان پر حملہ کرایا۔مگر شکست کھائی۔289ھ میں سات سال نو ماہ حکومت کرنے کے بعد خلیفہ اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

3.7 مکتفی باللہ(289ھ تا295ھ بمطابق902ءتا908ء):

معتضد باللہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مکتفی باللہ تخت نشین ہوا۔یہ خلیفہ فطرتاً نرم، بردبار، کفایت شعار اور رعایا میں اپنے اوصافِ حمیدہ کے باعث بہت ہردلعزیز تھا، مجرموں کو سزا دینے میں عفو اور نرمی سے کام لیتا تھا۔

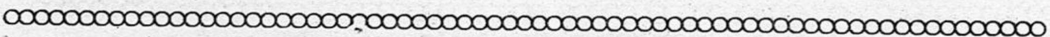
اس کے عہد میں قرامطیوں کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں مگر خلیفہ مکتفی نے انہیں شکست دی، قرامطیوں کا سردار ذکرویہ 291ھ میں مکتفی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ذکرویہ کے بعد اس کے بھائی حسین نے قرمطی فتنہ کو فروغ دینے کی کوشش کی مگر وہ بھی قتل ہوا اور شام میں امن وامان قائم ہوگیا۔اس کے بعد قرامطیوں نے اپنی فتنہ انگیزیوں کا رخ شام سے یمن کی طرف پھیر دیا۔

مصر میں دولت طولونیہ کے بانی احمد بن طولون کا پوتا ہارون نااہل حکمران ثابت ہوا، اس پر عباسی امیر محمد بن سلیمان نے مصر پر چڑھائی کی اور ہارون وشیبان کو یکے بعد دیگرے شکست دے کر 292ھ میں فسطاط پر قبضہ کرلیا، پھر اس نے مصر اور شام پر قبضہ کر کے وہاں سے طولونی خاندان کا نام ونشان مٹا دیا۔موصل میں کردوں کی فتنہ انگیزیوں کا خاتمہ کر کے وہاں بھی امن وامان قائم کر دیا گیا۔مکتفی باللہ کے دور میں رومیوں کے خلاف فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، ایشیائے کوچک میں لیس تک مسلمانوں نے پیش قدمی کی اور بے شمار رومیوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد پچاس ہزار رومیوں کو قید کرلیا۔

295ھ میں خلیفہ مکتفی نے وفات پائی اور مرنے سے پہلے اپنے تیرہ سالہ بھائی جعفر کو ولی عہد نامزد کر گیا۔

3.8 مقتدر باللہ(295ھ تا320ھ بمطابق908ءتا932ء):

جعفر بن معتضد مقتدر باللہ 295ھ میں تخت پر بیٹھا مگر امرائے سلطنت نے سازش کر کے اسے معزول کر دیا اور عبداللہ بن معتز کو مرتضیٰ باللہ کے لقب سے تختِ خلافت پر متمکن کر دیا۔مقتدر نے اپنے حامیوں کی امداد سے اپنے کھوئے ہوئے منصب خلافت کو دوبارہ حاصل کرلیا اور عبداللہ بن معتز اور اس کے حامیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔



اس خلیفہ کے عہد میں اسماعیل سامانی نے 298ھ میں صفاریہ حکومت کا خاتمہ کردیا، قرامطیوں کے سردار ابو طاہر نے عراق وشام میں خطرناک شورش برپا کردی، بصرہ اور کوفہ کو خوب لوٹا اور ہزاروں آدمیوں کو تہ تیغ کیا۔ 317ھ میں ابو طاہر نے مکہ مکرمہ میں ہزاروں حاجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور وہاں تباہی پھیلا دی۔ بڑی کوششوں کے بعد شاہی لشکر نے قرامطیوں کی طاقت کو توڑ کر عالم اسلام کو ان کی چیرہ دستیوں سے نجات دلائی۔

خلیفہ مقتدر کے عہد میں مصر میں فاطمی حکومت کی بنیاد پڑی جو سیاسی لحاظ سے خلافت عباسیہ سے آزاد اور علوم وفنون کو فروغ دینے کے باعث اس کی حریف بن گئی، مقتدر کے دور خلافت میں کئی مسلمان علاقوں پر رومیوں نے یورش کی، مگر وہ اندرونی پریشانیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی کوئی مدد نہ کرسکا، اس طرح تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ مسلمانوں نے مداخلت سے مجبور ہو کر اپنے علاقے رومیوں کے حوالے کیے۔

مقتدر باللہ دانا اور باتدبیر ہونے کے باوجود عیش وعشرت کا دلدادہ اور بہت فضول خرچ تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سات کروڑ اشرفیاں اپنے ذاتی تعیش پر خرچ کیں، اس کے مزاج پر لونڈیاں اور حرم کی عورتیں بری طرح حاوی تھیں، امراء کی تقرری اور معزولی پر اس کی ماں کا بہت عمل دخل تھا۔

اس پر امراء سلطنت نے 317ھ میں اسے معزول کر کے اس کے سوتیلے بھائی قاہر باللہ کو خلیفہ بنا دیا۔

3.8.1 مقتدر باللہ کی بحالی اور قتل:

قاہر کو خلیفہ بنانے کے بعد شاہی فوج نے تنخواہوں کی عدم ادائیگی کی بناء پر بغاوت کردی اور اسے معزول کر کے مقتدر کو دوبارہ خلیفہ بنا دیا۔ مقتدر کے غلام مونس نے جو امیر الامراء کے عہدے پر فائز تھا، بغاوت کر کے موصل پر قبضہ کرلیا، مقتدر اس کے مقابلے کے لئے نکلا مگر شکست کھائی اور قتل ہو گیا۔

3.9 قاہر باللہ (321ھ تا 322ھ بمطابق 933ء تا 934ء):

خلیفہ محمد بن معتضد اپنے سوتیلے بھائی مقتدر باللہ کی معزولی کے بعد قاہر باللہ کے لقب سے مسند خلافت پر بیٹھا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے مقتدر کی ماں کو گرفتار کر کے اس کی املاک پر قبضہ کرلیا اور مقتدر کے بھائیوں اور دیگر متعلقین سے



بھی بھاری رقوم وصول کیں۔ امیر مونس کے مقابلے میں خلیفہ قاہر نے امیر محمد بن یاقوت کی مرتبہ افزائی کی جس پر مونس مشتعل ہوگیا اور وہ قاہر کو معزول کرنے کی سازشیں کرنے لگا، جب خلیفہ قاہر کو اس کا علم ہوا تو اس نے امیر مونس کو اس کے دیگر ساتھیوں سمیت قتل کردیا۔ قاہر باللہ کے زمانے میں بویہ کے لڑکوں علی، حسن اور احمد نے خوب ترقی کی، بعدازاں انہی بھائیوں کی کوششوں کی بدولت بنی بویہ (دیلمی) حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ 322ھ میں مخالف امراء نے قاہر کو معزول کرکے اسے اندھا کردیا، یہ خلیفہ جری اور شجاع ہونے کے باوجود متلون مزاج تھا، مسعودی کے مطابق خلیفہ کی یہی متلون مزاجی اس کی ناکامی اور معزولی کا باعث بنی۔

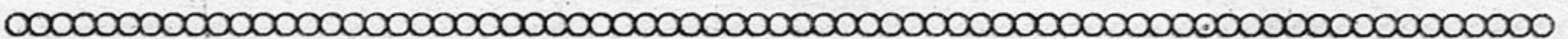
3.10 راضی باللہ (322ھ تا 329ھ بمطابق 934ء تا 940ء):

قاہر باللہ کی معزولی کے بعد مقتدر کا بیٹا راضی باللہ تخت پر بیٹھا۔ اس خلیفہ کی تاریخی معلومات بے حد وسیع تھیں۔ ادب و شاعری سے اسے خاص شغف تھا اور علماء وفضلاء کا بے حد قدردان تھا۔ اس نے اپنی فیاضیوں سے عباسی دربار کی قدیم روایات کو برقرار رکھا اور اس کی موت کے ساتھ ہی حکومت عباسیہ کے وقار و عظمت کا چراغ ہمیشہ کیلئے بجھ گیا۔ اس خلیفہ کے زمانے میں عمادالدولہ نے ایک کروڑ اسی لاکھ درہم سالانہ بطور خراج کے عوض خلیفہ بغداد سے صوبہ فارس کی مسند حکومت حاصل کی، بعدازاں اس نے عراق اور خوزستان کے علاقے بھی لے لئے اور شیراز کو پایہ تخت بنالیا۔

راضی باللہ کے عہد میں درباری شورشوں کی وجہ سے خلافت بغداد کا رہا سہا وقار بھی جاتا رہا، سلطنت کے طول وعرض میں امراء خودسر ہوگئے، چنانچہ شمالی افریقہ پر علوی، مصر اور شام پر خودسر امراء، ماوراء النہر پر سامانی، طبرستان اور جرجان پر دیلمی امراء اور دیگر علاقوں پر نیم خودمختار فرماں رواں چھائے ہوئے تھے۔ خلیفہ کی حکومت بغداد اور اس کے قرب وجوار تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ربیع الاول 329ھ میں راضی باللہ مرض استسقاء میں مبتلا ہوا اور بتیس سال کی عمر میں چھ سال دس مہینے حکومت کرنے کے بعد وفات پاگیا۔

3.11 متقی باللہ (329ھ تا 333ھ بمطابق 941ء تا 944ء):

راضی باللہ کی موت کے بعد اس کا بھائی متقی باللہ عمائدین سلطنت کے باہمی مشورے سے تخت خلافت پر بیٹھا۔ اپنی خوش اخلاقی اور دین داری کے باوجود اس خلیفہ کو امور سلطنت کا کوئی تجربہ نہ تھا، ملک کے طول وعرض میں جابجا شورشیں برپا



ہونے کے باعث یہ بدقسمت خلیفہ حوادث زمانہ کا شکار بنا رہا۔ امیر الامراء کا منصب لوگوں کیلئے بڑی کشش کا سبب تھا، لہذا اس کے عہد میں شاہی دربار مختلف سازشوں کی آماجگاہ بنا رہا اور مختلف سرداروں کے درمیان اس عہدے کے حصول کیلئے رسہ کشی ہوتی رہی، مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رومیوں نے شام کے سرحدی علاقوں پر لوٹ مار شروع کر دی اور حلب کے مضافات میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا مگر شام کے مسلمانوں نے جوابی کارروائیاں کر کے رومیوں کو شکست دی۔ آذربائیجان میں بھی رومیوں کو نیچا دکھایا گیا۔ 333ھ میں امیر الامراء تورون نے متقی کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا کر اندھا کر دیا اور تخت خلافت سے معزول کر دیا۔

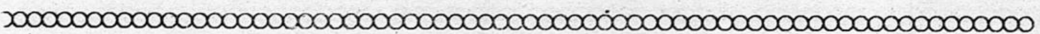
3.12 مستکفی باللہ (333ھ تا 334ھ بمطابق 944ء تا 945ء):

خلیفہ متقی کی معزولی کے بعد مکتفی باللہ کا بیٹا مستکفی باللہ تخت نشین ہوا، 334ھ میں امیر الامراء تورون کی وفات کے بعد ابن شیراز فوج کی مدد سے امیر الامراء بنا، فوجیوں کو خوش کرنے کیلئے اس نے ان کی تنخواہیں بڑھا دیں لیکن خزانہ خالی تھا۔ مالی مشکلات پر قابو پانے کیلئے اس نے رعایا پر کئی قسم کے ٹیکس لگا دیئے، اس پر بغداد کے مختلف حصوں میں شورشیں برپا ہو گئیں اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ نئے حالات سے فائدہ اٹھانے کی خاطر خاندان بویہ کا معز الدولہ فاتحانہ طور پر بغداد میں داخل ہوا، خلیفہ مستکفی نے کچھ پس و پیش کے بعد اس کا استقبال کیا اور اسے امیر الامراء مقرر کر دیا، اس پر معز الدولہ نے خلیفہ کی بیعت کر لی۔ بیعت لینے کے بعد معز الدولہ نے خلیفہ مستکفی کے گزارے کیلئے پانچ ہزار دینار سالانہ اور جاگیر مقرر کر کے اسے امور سلطنت سے بے دخل کر دیا، اس طرح خلفاء کا وقار لوگوں کی نظروں میں مزید کم ہو گیا۔ ایک سال چار ماہ کی حکومت کے بعد مستکفی معزول ہوا اور بنی بویہ خلافت بغداد کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔

3.13 مطیع للہ (334ھ تا 363ھ بمطابق 945ء تا 974ء):

خلیفہ مستکفی کی معزولی کے بعد معز الدولہ نے خلیفہ مقتدر کے بیٹے فضل کو تخت پر بٹھا دیا جس نے مطیع للہ کا لقب اختیار کیا۔ نیا خلیفہ ملک کا برائے نام حکمران تھا۔ اس کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار دینار سے کم کر کے تین ہزار دینار سالانہ کر دیا گیا ملک کی باگ ڈور درحقیقت معز الدولہ کے ہاتھ میں تھی جس نے فوجیوں کو جاگیریں دینا شروع کر دیں۔

بغداد کے مسلسل انقلابات کی وجہ سے یہاں کی زراعت تباہ ہو گئی، مواضعات اجڑ گئے اور محاصل کی آمدن گھٹ گئی۔



ابھی نئے خلیفہ کو تخت پر بیٹھے تھوڑا عرصہ ہی گزر راتھا کہ حمدان اور بصرہ کے والیوں نے شورشیں برپا کردیں، معزالدولہ دیلمی نے دونوں کو شکست دی۔ اس طرح اہواز، شیراز، بحرین اور عمان میں بغاوت کے کے شعلے بھڑک اٹھے مگر معزالدولہ نے بغاوتوں کا خوب انسداد کیا اور باغیوں کا قلع قمع کر دیا۔ اس خلیفہ کے عہد میں معزالدولہ کے مذہبی تعصب کی بناء پر شیعہ سنی اختلافات شروع ہوگئے، جس سے طرفین کے ہزارہا آدمی قتل ہوگئے اور بغداد میں بدنظمی کا دور شروع ہوگیا۔

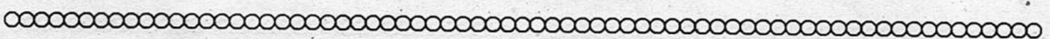
356ھ میں معزالدولہ کی وفات ہوگئی اور اس کا بیٹا عزالدولہ امیر الامراء بن گیا۔ وہ نظام حکومت کے سلیقہ سے عاری ہونے کے علاوہ عیش وعشرت میں غرق رہتا تھا، اس کے غلط سلوک کے باعث دیلمی امراء اور ترک اس سے خفاء ہوگئے اور سبکتگین نے بغداد پر قبضہ کر کے دیالمہ سے بری طرح انتقام لیا۔ اس نے خلیفہ مطیع کو مجبور کیا کہ وہ خلافت سے دستبردار ہو جائے، چنانچہ 363ھ میں وہ خلافت کے منصب سے دستبردار ہوگیا۔

3.14 طائع للہ (363ھ تا 381ھ بمطابق 974ء تا 991ء):

مطیع للہ کی معزولی کے بعد اس کے بیٹے عبدالکریم کو طائع للہ کے لقب سے تخت خلافت پر بٹھایا گیا۔ یہ خلیفہ قوی ہیکل اور بہادر آدمی تھا مگر سیاسیات اور امور حکومت کے میدان میں بالکل کورا تھا۔ اس کے عہد میں دیالمہ تمام امور مملکت پر حاوی ہوگئے اور خلافت کا وقار ختم ہوگیا۔ اس خلیفہ کے عہد میں ترکوں اور دیالمہ میں سیاسی طاقت کے حصول کیلئے رسہ کشی جاری رہی، سبکتگین کی وفات کے بعد دیالمہ کا پلڑا بھاری ہوگیا اور بغداد میں ان کا طوطی بولنے لگا اور عضدالدولہ، صمصام الدولہ، شرف الدولہ، بہاؤالدولہ یکے بعد دیگرے امور سلطنت پر حاوی رہے۔ 381ھ میں فوج نے تنخواہ نہ ملنے کے باعث بغاوت کر دی۔ جس پر بہاؤالدولہ نے طائع للہ کو معزول کر کے قید کرلیا، بحالت اسیری طائع نے 393ھ میں وفات پائی، اس وقت اس کی عمر 63 سال تھی۔

3.15 قادر باللہ (381ھ تا 442ھ بمطابق 991ء تا 1031ء):

طائع کے بعد مقتدر باللہ کا پوتا احمد قادر باللہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا، یہ خلیفہ عالم وفاضل، مدبر اور سیاسیات میں ماہر تھا اس نے کھوئے ہوئے عباسی اقتدار کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ مورخین کی رائے ہے کہ اگر یہ دور عروج میں پیدا ہوا ہوتا تو ہارون الرشید ثانی ہوتا، اس کے عہد میں سیاسی طاقت کے حصول کیلئے دیلمی امراء کے درمیان رسہ کشی جاری رہی، بہاؤ



الدولہ کی وفات کے بعد سلطان الدولہ اور مشرف الدولہ نے عنان حکومت سنبھال لی۔ ان کے عہد میں کوفہ اور بغداد میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان فسادات شروع ہو گئے۔ خلیفہ قادر باللہ نے آتش فساد کو رفع کرنے کی کوشش کی۔ اسے اس معاملے میں ترکوں کی حمایت بھی حاصل ہوگئی جس سے خلیفہ کا وقار لوگوں کی نظروں میں بڑھ گیا۔

415ھ اور 416ھ میں سلطان الدولہ اور مشرف الدولہ یکے بعد دیگرے وفات پا گئے اور ان کی جگہ جلال الدولہ نے عنان حکومت سنبھال لی۔ اسے برسر اقتدار آئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ ترکوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی مگر قادر باللہ اور جلال الدولہ کے بیٹے ابو منصور عزیز (حاکم بصرہ) کی کوششوں سے فریقین کے درمیان مصالحت ہوگئی۔ ملک میں سیاسی انتشار اس کے باوجود بھی پھیلا رہا، یہاں تک کہ 422ھ میں خلیفہ قادر باللہ اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کی مدت خلافت 41 سال رہی۔

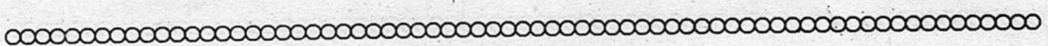
4۔ خلافت عباسیہ کا دور زوال

(422ھ تا 656ھ بمطابق 1031ء تا 1258ء)

پانچویں صدی ہجری میں ترک سلجوقوں نے بغداد پر قبضہ کر کے دیلمی اقتدار کو ختم کر دیا جس کے بعد تمام تر اختیارات ان کے پاس تھے۔ خلیفہ کی حیثیت برائے نام تھی۔ آخر 656ھ میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے بغداد کو فتح کر کے آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کرا دیا اور ساتھ ہی بنو عباس کی حکومت کے چراغ کو ہمیشہ کیلئے گل کر دیا۔ اس دور کے خلفاء کے حالات کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

4.1 قائم بامر اللہ (422ھ تا 467ھ: 1031ء تا 1074ء):

قادر باللہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا قائم بامر اللہ خلیفہ بنا، یہ خلیفہ پابند صوم وصلوۃ اور تہجد گزار ہونے کے علاوہ صاحب ذوق، اچھا ادیب اور فن کتابت میں ماہر تھا اور عدل وانصاف کرنے اور وجود سخا میں اسے بہت شہرت حاصل تھی۔ ابن طقطقی کے مطابق وہ نہ صرف عالم فاضل اور شریف النفس تھا بلکہ جہانبانی کے اصولوں سے بھی واقف تھا، اس نے سلجوقیوں کی



امداد سے خلافت کو دیلمیوں (بنی بویہ) کے پنجہ گرفت سے نجات دلائی۔

قائم کے عہد میں جلال الدولہ کی نااہلی کے باعث ترکوں اور فوج کی چیرہ دستیاں بڑھ گئیں جس سے بغداد میں بدامنی پھیل گئی تھی مگر قائم نے اپنی مصالحانہ کوششوں سے اس میں اور ترکوں میں نہ صرف صلح کرادی بلکہ اسے ملک الملوک کا خطاب عطا کیا۔

435ھ میں جلال الدولہ نے وفات پائی، اس کے جانشینوں کے عہد میں ملک کی حالت دگرگوں ہوگئی اور شیعہ سنی اختلافات کی وجہ سے فسادات عروج پر پہنچ گئے۔ ملک کے مختلف حصوں میں بغاوتیں شروع ہوگئیں، ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان طغرل بیگ نے اصفہان، آذربائیجان اور جزیرہ پر تسلط جمالیا اور ارسلان نے فارس پر قبضہ کرلیا۔ خلیفہ قائم نے سلطان طغرل بیگ کو خلعت سے نوازا اور خطبوں میں اس کا نام شامل کرلیا۔ اس طرح دیالمیہ کو نظام حکومت سے بیدخل کر کے سلجوقی امراء سیاہ وسپید کے مالک بن گئے۔

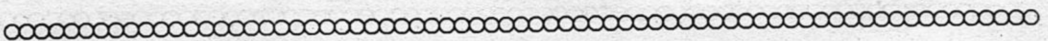
سلطان طغرل بیگ کی 455ھ میں وفات کے بعد الپ ارسلان اس کا جانشین بنا۔

463ھ میں قیصر روم ارمانوس نے تین لاکھ سپاہیوں کے ساتھ اسلامی علاقوں پر حملہ کیا، سلطان الپ ارسلان صرف پندرہ ہزار فوجی لے کر رومیوں کے مقابلے کیلئے آیا، جنگ میں اسلامی لشکر کو مکمل فتح نصیب ہوئی اور ارمانوس گرفتار ہوگیا، بعد ازاں بھاری رقم بطور فدیہ ادائیگی کے وعدے پر اسے رہا کردیا گیا۔

قائم بامراللہ کا انتقال 467ھ میں 76 سال کی عمر میں ہوا، اس نے 44 سال 8 ماہ حکومت کی۔

4.2 مقتدی بامراللہ (467ھ تا 487ھ بمطابق 1074ء تا 1094ء):

مقتدی بامراللہ اپنے والد کی وفات کے بعد 20 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ مؤرخ ابن اثیر کے بیان کے مطابق خلیفہ مقتدی باہمت اور مضبوط گردے کا آدمی تھا، بہت سی مذہبی اور اخلاقی اصلاحات نافذ کر کے اس نے خلافت کے وقار کو بڑھایا، اخلاق باختہ عورتوں کو بغداد سے نکال دیا۔ اس کے عہد حکمرانی میں رعایا خوشحال تھی، اشیائے خوردنی سستے داموں لوگوں کو میسر آتی تھیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد کی آبادی بڑھ گئی اور شہر میں کئی نئے محلے آباد ہوگئے۔



مقتدی کے عہد میں سلجوقیوں کو بہت عروج حاصل ہوا، سلجوق حکمران سلطان ملک شاہ (الپ ارسلان کا بیٹا) نے مقتدی کو اپنا تابع فرماں بنانے کی بہت کوشش کی مگر اس نے حتی الامکان خلافت کے وقار کو قائم رکھا۔ 485ھ میں سلطان ملک شاہ کا انتقال ہو گیا، جس پر اس کے بیٹے برکیارق کو سلطان کی خلعت عطا کی، مقتدی کا 39 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

4.3 مستظہر باللہ (487ھ تا 512ھ بمطابق 1094ء تا 1118ء):

مقتدی باللہ کی وفات پر اس کا بیٹا مستظہر باللہ سولہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ یہ خلیفہ بڑا رحم دل، بامروت اور خوش اخلاق تھا۔ عالم و فاضل ہونے کے علاوہ وہ علماء و مشائخ کا قدردان تھا، اعلیٰ پایہ کا ادیب اور انشاء پرواز تھا، اس کا خط بہت اچھا تھا اس کے عہد میں رعایا خوشحال تھی اور اس کے انتظام سلطنت کی تعریف میں ہر کوئی رطب اللسان تھا۔

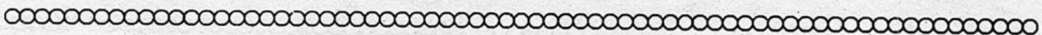
خانہ جنگیوں، باطنیوں کی یورش اور صلیبی جنگوں کی وجہ سے بڑے انقلاب آئے۔ تاہم اس کا خلافت بغداد پر بہت کم اثر ہوا۔

مستظہر نے اپنے بیٹے مسترشد باللہ کو ولی عہد بنایا اور 512ھ میں بیالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

4.4 مسترشد باللہ (512ھ تا 529ھ بمطابق 1118ء تا 1134ء):

مسترشد باہمت، بہادر، عالم و فاضل اور فصیح و بلیغ ہونے کے علاوہ جادو بیان خطیب تھا۔ زیور علم سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک باعمل اور فرشتہ سیرت انسان تھا، عبادت و ریاضت سے اسے خاص شغف تھا، بوقت شہادت وہ روزے سے تھا اور قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف تھا۔ رعایا کی فلاح و بہبود میں وہ ہر دم سرگرم رہتا، اس نے رعایا پر کئی ٹیکس معاف کر دیئے اور تمام سلطنت سے ظلم و تعدی کا خاتمہ کر دیا، یہ خلیفہ 512ھ میں تخت نشین ہوا، اس کے سارے عہد حکمرانی میں سلجوقیوں میں خانہ جنگی کا بازار گرم رہا، آخر میں سلطان سنجر کو اپنے تمام حریفوں پر سیاسی برتری حاصل ہو گئی۔

529ھ میں طغرل سلطان کی وفات کے بعد سلطان مسعود نے عراق پر قبضہ کر لیا، بہت جلد خلیفہ مسترشد باللہ اور سلطان مسعود کے درمیان کش مکش شروع ہو گئی جس نے بالآخر جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اس جنگ میں خلیفہ مسترشد شکست کھا کر ہمدان کے ایک قلعے میں پناہ گزین ہوا، سلطان سنجر کو جب ان باتوں کا علم ہوا تو اس نے سلطان مسعود کو لکھا کہ وہ



خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی مانگے اور اسے بڑے عزت واحترام سے بغداد پہنچا دے۔ چنانچہ سلطان مسعود خلیفہ کی خدمت میں خود حاضر ہوا، اس کے لشکر میں سترہ آدمی قرامطہ (باطنی فرقہ) کے بھی شامل تھے جن کی سلطان مسعود کو خبر نہ تھی، ان باطنیوں نے خلیفہ کے خیمے میں گھس کر خلیفہ پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا، یہ واقعہ 529ھ کا ہے۔

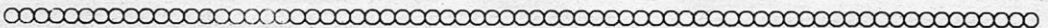
4.5 راشد باللہ (529ھ تا 530ھ بمطابق 1134ء تا 1135ء):

اپنے والد کے قتل کے بعد راشد باللہ 29 سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ بہادر اور سخی ہونے کے علاوہ فصیح و بلیغ تھا، ادب وشعر میں اسے کافی دسترس حاصل تھی۔ بدقسمتی سے تخت نشین ہوتے ہی اس کی اور سلطان مسعود کی چپقلش شروع ہوگئی، اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ مسعود اور مسترشد کے درمیان معاہدہ کی رو سے خلافت بغداد کے ذمہ جو سالانہ مقررہ رقم واجب الادا تھی، سلطان نے اس کی وصولی کیلئے برنقش زکوی کو بھیجا لیکن اس وقت خزانہ خالی تھا لہذا یہ رقم نہ دی جا سکی۔ جس پر برنقش زکوی نے تلاشی لینے کا ارادہ کیا۔ خلیفہ نے مزاحمت کی، اس پر برنقش نے قصر خلافت پر حملہ کر دیا، خلیفہ کی فوج نے اسے شکست دی۔ سلطان مسعود کو معلوم ہوا تو اس نے بغداد پر فوج کشی کر دی، راشد باللہ موصل چلا گیا، سلطان مسعود نے بغداد آنے کے بعد ایک محضر تیار کیا۔ جس میں بہت سے لوگوں کی شہادتیں قلم بند کی گئیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ راشد نے فلاں فلاں اشخاص پر ظلم کیا، زبردستی مال چھینا، خونریزی کی اور شراب پی، ان شہادتوں کو بغداد کے قاضی کے سامنے پیش کیا گیا جس پر قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ سلطان ایسے خلیفہ کو معزول کر سکتا ہے۔

اس فتویٰ کو آڑ بنا کر سلطان مسعود نے 530ھ میں خلیفہ کو معزول کر دیا۔

4.6 مقتضی لامر اللہ (530ھ تا 555ھ بمطابق 1135ء تا 1160ء)

راشد کی معزولی کے بعد سلطان مسعود نے اس کے چچا مقتضی لامر اللہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ مقتضی نے نہایت جرات، بہادری اور سیاسی دانش مندی سے عراق کو سلجوقی سلاطین کے سیاسی اثر سے چھٹکارا دلایا۔ اس کے عہد میں عراق اور بغداد پر عباسی خلفاء کی حکومت صحیح معنوں میں قائم ہوئی، فوج اور عہدہ داران حکومت پر انہیں مکمل اختیار حاصل ہوا۔



مقتفی کے زمانے میں سیاسی اقتدار کے حصول کیلئے سلجوقی سرداروں میں رسہ کشی جاری رہی جس سے سلطان مسعود اور سلطان سنجر کے دبدبہ اور وقار میں نمایاں کمی ہوتی گئی۔ بعدازاں دونوں کی وفات سے سلجوقی سلاطین کے اقتدار میں انتہائی کمزوری واقع ہوگئی۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر خلیفہ مقتفی نے اپنے اقتدار میں اضافہ کرلیا۔

مقتفی کے عہد خلافت میں خوارزم شاہ اور اس کی اولاد نے خراسان پر قبضہ کرکے دولت خوارزم شاہیہ کی بنیاد ڈالی جو چنگیز خان کی یلغار تک قائم رہی۔ 555ھ میں مقتفی نے چھیاسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

4.7 مستنجد باللہ (555ھ تا 566ھ بمطابق 1160ء تا 1170ء):

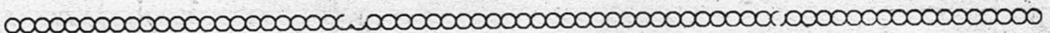
مقتفی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مستنجد باللہ 1170ء میں تخت پر بیٹھا۔ یہ خلیفہ رعایا پرور، بامروت اور انصاف پسند حکمران ثابت ہوا۔ اس کے عہد میں عربوں، کردوں اور ترکمانوں نے شورشیں برپا کیں، مگر خلیفہ مستنجد باللہ نے تمام باغیوں کا قلع قمع کردیا۔

اس خلیفہ کے عہد میں فرنگیوں نے شام اور مصر کے علاقوں پر دست درازی شروع کردی مگر نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی نے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملادیا۔

566ھ میں مستنجد باللہ بیمار ہوا، شاہی طبیب نے سازشی امراء کے اشارے پر اسے گرم حمام میں بند کروادیا اور وہ اس میں گھٹ کر مرگیا، اس وقت اس کی عمر 56 برس اور خلافت 10 سال تھی۔

4.8 مستضی بامراللہ (566ھ تا 575ھ بمطابق 1170ء تا 1179ء):

مستنجد کے قتل کے بعد امراء نے اس کے بیٹے مستضی کو خلیفہ بنایا۔ یہ خلیفہ عدل پرور، شریف النفس اور سخی حکمران تھا، اس کے زمانے میں رعایا خوشحال تھی۔ اس خلیفہ کے زمانے میں مصر میں فاطمی کی حکومت ختم ہوگئی اور اس کی جگہ ایوبی حکومت وجود میں آئی۔ نورالدین زنگی والی شام کے حکم سے صلاح الدین نے مصر میں مستضی بامراللہ کے نام کا خطبہ پڑھا۔ جس پر خلیفہ نے خوش ہوکر نورالدین اور صلاح الدین ایوبی کے لئے خلعت اور سیاہ علم ارسال کئے۔ نورالدین کو ایرانی سرحدوں سے مصر تک تمام علاقوں کا مختار بنادیا گیا اور اسے خلیفہ کا دست راست تصور کیا گیا، اب مختلف علاقوں کے بڑے بڑے حکمران خلیفہ



بغداد کی سطوت سے مرعوب ہو کر اس کے نام کا خطبہ پڑھنے لگے۔ 575ھ میں خلیفہ مستضی بامر اللہ نے انتالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

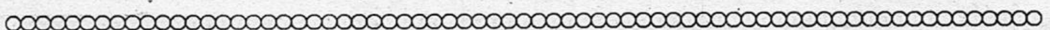
4.9 ناصرلدین اللہ (575ھ تا 626ھ بمطابق 1179ء تا 1225ء):

یہ خلیفہ اپنے والد کی وفات پر انیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا، نیا خلیفہ بہادر، بارعب، غضب کا سیاستدان اور عالم وفاضل تھا، علمی نکات پر عالموں سے ماہرانہ بحث کرتا اور ملکی معاملات کو نہایت ہوشیاری سے طے کرتا تھا۔ اپنے سینتالیس سالہ عہدِ حکمرانی میں اس نے کامیابی سے مخالف سلاطین کو مغلوب کیا، باوجود مصروفیتوں کے وہ رعایا کے حالات سے باخبر رہتا تھا۔ اس کی ہیبت سے مصر اور شام کے حکمران خوف کھاتے تھے، ہسپانیہ سے چین تک اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اکثر ممالک میں اس کے نام کا سکہ جاری تھا اور خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کی ذات میں کئی نقائص بھی تھے اس میں دولت جمع کرنے کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، فراہمی دولت کی خاطر اس نے خراج میں اضافہ کر دیا اور رعایا پر کئی نئے ٹیکس لگائے، سزا دینے میں یہ بڑا سخت تھا مگر تاہم اس کی خامیوں کے مقابلے میں اس کے محاسن زیادہ تھے۔

چھٹی صدی ہجری کے آخری سالوں میں خوارزم شاہ نے ہمدان اور اصفہان کو فتح کر کے اپنے بیٹے کو ان علاقوں کا حکمران مقرر کر دیا، اس پر خلیفہ نے سیف الدین کی قیادت مین لشکر روانہ کیا جن نے خوارزم شاہ کے بیٹے کو شکست دے کر اصفہان اور ہمدان پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد خلیفہ کی فوج نے خوزستان کو بھی فتح کر لیا۔

خوارزم شاہ نے بغداد پر حملہ کرنے کیلئے ایک زبردست فوج بھیجی مگر برف باری کے باعث اس فوج کا اکثر حصہ تباہ ہو گیا۔ بچے کھچے سپاہی خستہ حالت میں خوارزم شاہ کے پاس واپس پہنچے، خوارزم شاہ نے انتقامی جذبہ کے تحت اپنے تمام علاقوں میں خلیفہ کا نام خطبہ سے خارج کر دیا۔

اسی زمانے میں وسط ایشیا کی اسلامی سلطنتوں پر تاتاری فتنہ کی صورت میں ایک بلائے عظیم نازل ہوئی۔ 616ھ میں تاتاریوں کے وحشی قبائل نے چنگیز خان کی قیادت میں ترکستان، ماوراء النہر اور خراسان کو فتح کر لیا۔ پھر خوارزم شاہ اور اس کے بیٹے جلال الدین کو شکست دے کر غزنی، سجستان اور کرمان کے علاقوں کو مسخر کیا، لاکھوں مسلمانوں کو ان کے وحشی اور خونی خوار سپاہیوں نے تہ تیغ کیا اور بے شمار شہروں کو تباہ و برباد کر کے انہیں کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔



626ھ میں ناصرلدین اللہ نے بیس روز کی علالت کے بعد وفات پائی۔

4.10 ظاہر بامراللہ (622ھ تا 623ھ بمطابق 1225ء تا 1226ء):

ناصر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ظاہر بامراللہ باون سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس نے ایسے عدل وانصاف سے اپنی حکومت کا آغاز کیا کہ لوگوں کے ذہنوں میں حضرت عمرؓ فاروق، اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے زمانے کی یاد تازہ ہوگئی۔ تمام ناجائز ٹیکس معاف کردیئے، ضبط شدہ جاگیریں ان کے مالکوں کو واپس کردیں اور رعایا کی فلاح و بہبود کیلئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ اس کا مقولہ تھا کہ:

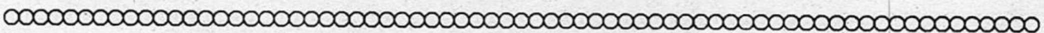
''مال وزر جمع کرنا سوداگروں کا شیوہ ہے، ایک عادل بادشاہ کو چاہیے کہ وہ سرکاری خزانہ کو پر کرنے کی بجائے راہ خدا میں نیکی کے کاموں پر صرف کرکے خالی کردے'' اس نے اپنے جملہ عمال کو ہدایت کی کہ وہ عدل وانصاف سے کام لیں اور افعالِ شنیعہ سے بچیں۔

623ھ میں یہ نیک دل حکمران ساڑھے نو مہینے خلافت کرنے کے بعد اس جہان فانی سے کوچ کرگیا۔

4.11 مستنصر باللہ (623ھ تا 640ھ بمطابق 1226ء تا 1243ء):

ظاہر باللہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مستنصر باللہ 35 سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ یہ خلیفہ بہادر، فیاض اور حوصلہ مند تھا۔ اس نے رفاہِ عامہ کے کاموں پر پیسہ پانی کی طرح بہایا اور مساجد، مدرسے، خانقاہیں اور مسافر خانے بکثرت تعمیر کئے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ مدرسہ مستنصریہ کی تعمیر تھی جو اتنا عالی شان تھا کہ عالمِ اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی تھی۔ اس کے مقابلے میں نظام طوسی کا مدرسہ نظامیہ بھی کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔ علماء اور شعراء کا یہ قدر دان تھا۔ رفاہ عامہ کے کاموں پر بے دریغ روپیہ خرچ کرنے کے باوجود خلیفہ نے تاتاریوں کے مقابلے میں ایک لشکر جرار تیار کر رکھا تھا جو ایک لاکھ سواروں پر مشتمل تھا، ہسپانیہ اور شمالی افریقہ تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، یہی بات اس کی عظمت کے ثبوت میں پیش کرنے کیلئے کافی تھی۔

اس خلیفہ کے عہد میں تاتاریوں نے خوارزم شاہ حکومت کا خاتمہ کردیا اور آخری تاجدار جلال الدین پریشانی کے عالم میں ایک کرد کے ہاتھوں قتل ہوا۔



مستنصر ہیکے زمانے میں صلیبی مجاہدین کا طوفان بڑے زور سے اٹھا۔ صلاح الدین کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے مصر، دمشق اور حلب میں علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کر رکھی تھیں۔ اس لئے صلیبیوں کے خلاف وہ کوئی متحدہ محاذ قائم نہ کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 626ھ میں بیت المقدس کو چند شرائط کے تحت عارضی طور پر صلیبی فوج کے سپرد کر دیا گیا۔

تاتاری قبائل کے جنگجو سپاہی وسط ایشیا کے اسلامی ممالک کو تسخیر کرتے ہوئے عباسی مملکت کی سرحد تک پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر انہیں جب خلیفہ کی جنگی تیاریوں اور عظیم الشان فوج کا علم ہوا تو انہوں نے عباسی مملکت سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

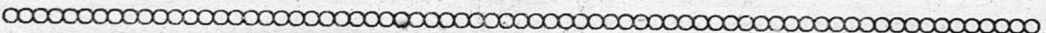
سترہ سال تک حکومت کرنے کے بعد یہ خلیفہ 640ھ میں اس جہان فانی سے رحلت کر گیا۔

4.12 مستعصم باللہ (640ھ تا 655ھ بمطابق 1241ء تا 1257ء):

مستعصم باللہ اپنے باپ مستنصر کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ ذاتی طور پر بااخلاق، ملنسار، پاکباز اور شریف النفس تھا مگر حکومت کرنے کا سلیقہ اس میں نہ تھا۔ کم ہمتی، کوتاہ بینی اور طبیعت کی کمزوری کے باعث وہ امور سلطنت سے غافل رہتا تھا۔ اس کا بیشتر وقت تفریحی مشاغل میں گزرتا تھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے موئید الدین محمد بن علقمی کو اپنا وزیر بنالیا۔ جو اپنی قابلیت اور بالغ نظری کے باوجود بدفطرت اور شرانگیز تھا۔ وزارت کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد اس نے خلیفہ کو عضوِ معطل بنا کر خود سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ اپنی ریشہ دوانیوں اور حرکات شنیعہ سے اس نے عباسی سلطنت کو بالآخر تباہ وبرباد کر دیا۔

خلیفہ مستعصم باللہ کے عہد میں عباسیوں کی فوجی طاقت کمزور ہو چکی تھی اور خلیفہ کا سیاسی وقار لوگوں کی نظروں میں گر چکا تھا۔ ترکی اور بویہی سردار تمام اسلامی سلطنت پر چھائے ہوئے تھے۔ خلیفہ کا درباران سرداروں کی سازشوں کا مرکز بن چکا تھا۔ ان حالات میں تاتاریوں نے اسلامی مملکت اور عباسی سلطنت کے پایہ تخت بغداد پر یورشیں کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور خلیفہ مستعصم باللہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بغداد پر قبضہ کے بعد پورا عراق تاتاریوں کے زیرنگین ہو گیا، جس کے ساتھ ہی پانچ سو سالہ عباسی دور حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت بھی اختتام پذیر ہو گئی۔



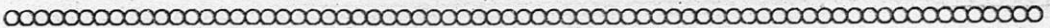
5۔ خلافت عباسیہ کے زوال کے اسباب

عباسی خلفاء نے کم وبیش پانچ سو سال حکومت کی، اس قدر طویل عرصہ مختلف ممالک پر حکومت کرنا، بہت کم شخصی سلطنتوں کے حصے میں آیا ہے۔ اس حکومت کا پہلا سو سالہ دور عباسیوں کے عروج، عظمت و وقار اور مکمل قیادت و سیادت کا زمانہ ہے، مگر اس کے بعد کے ان کے زوال کی تاریخ شروع ہو جاتی ہے، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو ہولناک تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ ہر حکومت عروج کے بعد زوال پذیر ہوتی ہے۔ ایک دم ہی مگر یہ زوال نہیں آتا بلکہ اس کے پیچھے کئی عوامل اور محرکات ہوتے ہیں جو اس کے زوال کا سبب بنتے ہیں۔ عباسی خلافت کے زوال کے بھی کئی اسباب تھے جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

5.1 علویوں کی مخالفت:

عباسی حکومت کے قیام کے روز اول سے ہی اس میں زوال کے عناصر موجود تھے۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی قرابت کا دعویٰ کر کے لوگوں کو بنو ہاشم کی حمایت کیلئے اکسایا مگر بنوامیہ کی حکومت کے خاتمے پر یہ ظاہر ہوا کہ بنو ہاشم کی خلافت کے پروپیگنڈے میں عباسی حکومت کا قیام مقصود تھا۔ یہی نہیں بلکہ حکومت ہاتھ میں آجانے کے بعد عباسیوں نے طاقت کے بل بوتے پر یہ ثابت کرنا شروع کر دیا کہ وہی حضور اکرمؐ کے اصل جانشین ہیں۔ اس وجہ سے علویوں اور عباسیوں کے درمیان نفرت کی خلیج پیدا ہوگئی اور علویوں کو جب بھی موقع ملا انہوں نے عباسیوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ نفس الزکیہ، ابراہیم، یحیٰ بن عبداللہ، کی بغاوتیں، اسی اختلاف کا نتیجہ تھیں جن کا حکومت نے مقابلہ تو کیا اور دبا بھی دیا لیکن اس سے حکومت کی جڑیں اندرونی طور پر کھوکھلی ہونا شروع ہو گئیں۔

بغاوتوں کے خاتمے کے ساتھ ساتھ کئی ایک خلفاء نے علویوں کے ساتھ انتہائی برا سلوک بھی کیا۔ منصور کے دورِ حکومت میں بے شمار علوی نظر بند کر لئے گئے اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ ہارون الرشید کے دور میں یحیٰ بن عبداللہ امان دیے جانے کے باوجود نظر بند کر دیئے گئے۔ اگرچہ بعض خلفاء نے اپنے پیشرو خلفاء کے برعکس علویوں کی خوشنودی بھی



حاصل کرنے کی کوشش کی، مثلاً مہدی نے نظر بند علویوں کو رہا کر کے ان کی جائیدادیں ان کو واپس لوٹا دیں، مامون الرشید نے امام علی رضا کو اپنا ولی عہد بنایا، لیکن اس کے باوجود عباسیوں اور علویوں کے درمیان اختلافات برقرار رہے۔ علویوں نے عباسی حکومت کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر کئی آزاد حکومتیں مثلاً ادریسیہ، علویہ اور فاطمیہ وغیرہ قائم کیں۔

5.2 نسلی اختلافات:

بنوامیہ کی حکومت عربوں کے بل بوتے پر قائم تھی، اس لئے اس دور میں تمام اقتدار ان کے پاس تھا اور تمام بڑے عہدوں پر عرب فائز تھے۔ اس کے برعکس عباسی خلافت عجمیوں کے زور سے قائم ہوئی تھی، اس لئے عباسیوں نے بڑے بڑے عہدوں پر عجمیوں کو فائز کیا جس کی وجہ سے عرب عنصر عباسیوں کا دشمن رہا اور وقتاً فوقتاً یہ لوگ عباسیوں کے خلاف بغاوتوں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ دوسری طرف یہی عجمی اپنے اختیارات اور اقتدار میں اس حد تک بڑھ گئے کہ خلفاء سے زیادہ اہمیت کے حامل بن گئے جس کی وجہ سے حکومت کو نقصان پہنچا۔ اس کی سب سے اہم مثال ابومسلم خراسانی اور برامکہ کی ہے جو بالآخر انہی خلفاء کے ہاتھوں تباہی کا شکار ہوئے۔ عباسی خلفاء کی اس پالیسی سے نہ صرف عرب ان سے بدظن ہوئے بلکہ ایرانی بھی اس بے اعتمادی کی وجہ سے ان کے مکمل طور پر وفادار نہ رہے۔

5.3 عباسی فوج میں ترکوں کا داخلہ:

عربی اور ایرانی عناصر کی قوت کو زائل کرنے کیلئے عباسی خلفاء نے ترکوں کو بکثرت فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا تھا۔ اس کی ابتداء خلیفہ معتصم کے عہد میں ہوئی تھی، رفتہ رفتہ ترکوں کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ وہ خلیفہ بغداد کے لئے وبالِ جان ثابت ہوئے اور خلیفہ متوکل کے جانشین ترک امراء کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گئے، ترک امراء اب اپنی مرضی سے عباسی خلفاء کو مسندِ خلافت پر بٹھانے یا معزول کرنے لگے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ کی عظمت عوام کی نظروں میں گر گئی اور اس کی حیثیت بہت کمزور ہوگئی۔

5.4 خودمختار ریاستوں کا قیام:

ترک فوجی سرداروں اور ان کے بعد آل بویہ کے خلافت بغداد پر چھا جانے سے مرکزی حکومت بہت کمزور ہوگئی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

مرکزی حکومت کی زبوں حالی کو دیکھ کر دور دراز صوبوں کے حاکموں اور سرداروں کو خود مختار ریاستیں قائم کرنے کی جرأت ہوئی، ان ریاستوں کا خلافت بغداد سے تعلق برائے نام ہوتا اور وہ اپنے داخلی اور خارجی معاملات میں یہ آزاد ہوتی تھیں۔ چنانچہ جب عباسی حکومت روبہ تنزل ہوئی تو طاہریہ، صفاریہ، فاطمیہ، اغلبیہ، سلجوقیہ اور دیالمہ کی خود مختار ریاستیں قائم ہوگئیں، جس سے خلافت بغداد کی سیاسی حیثیت کو سخت نقصان پہنچا۔

5.5 خفیہ تحریکیں:

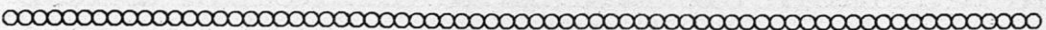
حکومت فاطمیہ عرصہ دراز تک بغداد کی حریف رہی، زیادہ خطرناک وہ خفیہ تحریکیں تھیں جو اسماعیلیہ اور قرامطہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ انہوں نے عباسی سلطنت کی قیادت کو تسلیم نہیں کیا اور ان کی یہ مخالفت بڑی حد تک عباسی حکومت کے زوال کا باعث بنی۔

5.6 عباسی خلفاء کا اخلاقی انحطاط:

حکومت عباسیہ دیگر ایشیائی سلطنتوں کی طرح ایک شخصی حکومت تھی، اس طرز حکومت کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار بادشاہ کی ذات پر ہوتا ہے، بادشاہ کی انتظامی قابلیت، تدبر اور زود فہمی سے سلطنت کی عظمت بڑھ جاتی ہے، جبکہ اس کی نالائقی سلطنت کے معاملات میں خرابی پیدا کر دیتی ہے اور بالآخر سلطنت کا شیرازہ بکھیر دیتی ہے۔ حکومت عباسی کے پہلے نو تاجداروں کے تدبر اور انتظامی قابلیت نے سلطنت کی شان و شوکت کو بڑھایا مگر خلیفہ متوکل کے جانشین آرام طلب، شراب کے متوالے، نکمے اور نالائق نکلے، امور سلطنت کو سنبھالنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ وہ اپنے امراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے جس سے خلافت کی سیاسی ساکھ بگڑ گئی اور ملک کے طول و عرض میں چھوٹی چھوٹی خود مختار سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ ایسی صورت حال میں سلطنت عباسیہ کی تباہی یقینی تھی۔

5.7 عربوں میں قومی روح کا فقدان:

اموی حکومت غیر اسلامی اصولوں کو اختیار کرنے کے باوجود عربوں کی خالص قومی حکومت تھی، تمام کلیدی آسامیوں پر اہل عرب مقرر تھے اور انہیں عجمیوں کے مقابلے میں کئی سیاسی مراعات حاصل تھیں علاوہ ازیں سلطنت کے تمام انتظامی



امور میں عربوں کو ترجیح دی جاتی تھی، اس لئے اہل عرب بھی ایسی حکومت کو اپنی قومی حکومت تصور کرتے ہوئے صدق دل سے اس کی امداد پر تیار رہتے تھے۔ عباسی حکومت چونکہ اہل عجم خصوصاً ایرانیوں اور خراسانیوں کی امداد سے قائم ہوئی تھی اس لئے عباسی خلفاء نے انہیں اپنے ہم قوم عربوں پر ترجیح دیتے ہوئے کلیدی آسامیوں پر فائز کیا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اہل عرب انتظامی قابلیت کھو بیٹھے امور سلطنت سے بیگانہ ہونے کے بعد انہوں نے تجارت کا شغل اختیار کر لیا یا صحرائے عرب میں واپس جا کر بدستور سابق بدوی طرز پر زندگی بسر کرنے لگے۔ امور سلطنت چلانے کے لیے عباسیوں نے ان ایرانیوں اور ترک سرداروں کی امداد پر بھروسہ کیا جنہیں عربوں کی حکومت سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ کمزور عباسی خلفاء کے زمانے میں حصول اقتدار کی خاطر ایرانی اور ترکی سرداروں میں ایسی کشمکش شروع ہوئی جس سے خلافت کا سیاسی وقار لوگوں کی نظروں میں گر گیا۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصیبت کے وقت عباسی خلفاء نہ تو عجمی سرداروں سے اور نہ ہی اپنی قوم سے کوئی امداد حاصل کر سکے اور مایوس کن حالات میں صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔

5.8 فرقہ وارانہ اختلافات اور ابن علقمی کی غداری:

خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور کے بعد مسلمانوں کی بدقسمتی سے دو بڑے گروہوں شیعہ اور سنیوں کے درمیان اختلافات بڑی تیزی سے آگے بڑھے اور بغداد میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے۔ جس کے اثرات ملک کے دوسرے حصوں میں بھی پھیل گئے۔ عباسی دور کے آخری چند حکمرانوں کے عہد میں ان فسادات میں تیزی آ گئی، جسے عباسی وزیر ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی نے مزید ہوا دی۔ انہوں نے مسلمانوں اور خلافت عباسیہ سے غداری کرتے ہوئے ہلاکو خان کو حملہ کی دعوت دی اور مسلمانوں کی تباہی کا سامان فراہم کیا۔

6۔ صلیبی جنگیں

بنو عباس کے عہد حکومت میں گیارھویں صدی عیسوی کے آخری سالوں میں یورپ کے عیسائیوں اور مشرق کی اسلامی دنیا کے درمیان مذہبی جنگوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جو تقریباً دو سو سال تک جاری رہا۔ یورپ کے عیسائیوں پر مذہبی دیوانگی کا ایک ایسا خوفناک ماحول طاری تھا کہ وہ گلے میں صلیبیں لٹکائے مسلمانوں کو فلسطین کی سرزمین سے نکالنے کا عزم لئے مقدس جہاد پر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ جنگیں فلسطین اور شام کی حدود میں صلیب کے نام پر لڑی گئیں



اس لیے تاریخ میں صلیبی جنگوں کے نام سے مشہور ہوئیں۔ فلسطین اور بیت المقدس کا شہر حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہی فتح ہو چکا تھا، جو صدیوں سے مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ خود عیسائیوں نے زمانہ دراز تک اس قبضہ کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھائی تھی مگر گیارھویں صدی کے آخر پر اچانک ان کے دلوں میں بیت المقدس کی فتح کا خیال پیدا ہوا۔ ان جنگوں میں اہل یورپ نے جس تنگ نظری، خون ریزی، بدعہدی، بداخلاقی، اور سفاکی کا اظہار کیا اس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

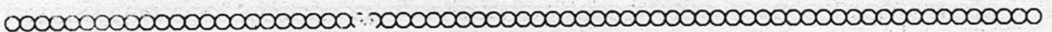
6.1 وجوہات:

6.1.1 مذہبی اسباب:

1۔ فلسطین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جائے پیدائش تھا اس لیے عیسائیوں کے لیے مقدس اور متبرک مقام کی حیثیت رکھتا تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے وہ اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا۔ بیت المقدس مسلمانوں کا بھی قبلہ اول تھا اس لیے بیت المقدس کا شہر اور سرزمین ان کے لیے عیسائیوں سے کہیں زیادہ مقدس تھی۔ مسلمانوں نے ان متبرک مقامات کی ہمیشہ حفاظت کی اور غیر مسلم زائرین جب اپنے مقدس مقامات کی زیارت کے لیے یہاں آتے تو مسلم حکومتیں انہیں ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچاتیں، ان کے گرجے اور خانقاہیں ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد تھیں۔ اسلامی حکومت کی اس رواداری کے باوجود متعصب زائرین جب واپس جاتے تو مسلمانوں کی زیادتیوں کے فرضی افسانے گھڑ کر اہل یورپ کے مذہبی جذبات کو بھڑکاتے۔ یورپ کے عیسائی پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف تھے اب ان کی اسلام کے خلاف نفرت میں مزید اضافہ ہوا۔

2۔ عیسائیوں میں یہ خیال نیم مذہبی عقیدہ کی صورت میں پھیلا ہوا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں نزول فرما کر ایک ایسی عیسائی حکومت قائم کرینگے جس میں صلح و آشتی ا. نیکی کا دور دورہ ہوگا۔ لیکن ان کا نزول اسی وقت ہوگا جب یروشلم کا مقدس شہر مسلمانوں کے قبضہ سے آزاد کرایا جائے۔ چنانچہ یورپ کے مختلف ممالک کے عیسائی اس مقدس فرض کی ادائیگی کیلئے کمربستہ ہو گئے۔

3۔ عیسائیت اس وقت دو بڑے فرقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ رومن کیتھولک پوپ کے پیرو تھے اور انہیں مغربی یورپ میں بالادستی حاصل تھی جبکہ مشرقی کلیسا یا یونانی کلیسا کا مرکز قسطنطنیہ تھا اور یہ لوگ پوپ کے تحت نہیں تھے۔ ان دونوں کلیساؤں کے درمیان اختلاف شدت سے موجود تھے۔ پوپ نے محسوس کیا کہ اگر یورپ کے رومن کیتھولک جہاد کا



نعرہ لگا کر ایشیائے کوچک کی سلجوقی حکومتوں کو شکست دے دی اور بزنطینی حکومت کو بچالیں تو مشرقی کلیسا خود بخود مغلوب ہو کر پوپ کے تابع فرمان ہو جائے گا اور اس طرح وہ تمام عیسائی دنیا کا روحانی پیشوا بن جائے گا۔

6.1.2 سیاسی اسباب:

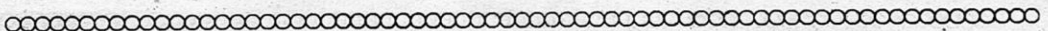
1۔ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں بڑی بڑی سلطنتیں زیروزبر کر دی تھیں۔افریقہ، ایشیا، جزائر بحیرہ روم (سسلی اور قبرص وغیرہ) اور سپین و پرتگال سب ان کے زیر نگین تھے۔اب گیارھویں صدی عیسوی میں اسلامی دنیا کی حالت بہت بدل چکی تھی۔مصر میں فاطمی سلطنت روبہ زوال تھی۔اور سسلی میں مسلمانوں کا اقتدار کمزور ہو چکا تھا۔جس کی وجہ سے بحیرہ روم کے عیسائی زور پکڑ چکے تھے۔صلیبی جنگیں مسلمانوں کے اس سیاسی غلبہ کے خلاف یورپ کے عیسائیوں کا اجتماعی ردعمل تھا۔

2۔ قسطنطنیہ یورپ کا ایک اہم دفاعی برج تھا۔جس نے سالہا سال سے مسلمانوں کی یورپ کی طرف پیش قدمی روک رکھی تھی، مگر اب سلجوقی حکمرانوں نے ایشیائے کوچک کے تمام علاقوں کو فتح کر کے قسطنطنیہ کی فتح کی راہیں کھول دی تھیں اور یہاں تک کہ ان کی حکومت ساحل مارمورا تک جا پہنچی تھی۔اس پر بازنطینی حکمران مائیکل ڈوکس نے 1094ء میں مغربی ملکوں کو اس بڑھتے ہوئے سیلاب کی طرف متوجہ کیا اور ان سے مدد طلب کی چنانچہ ساری عیسائی دنیا نے اس کی اس استدعا کو فوراً قبول کر لیا اور میدان عمل میں نکل آئے۔اس دوران سلجوقی بھی آپس میں الجھ کر انتشار کا شکار ہو گئے۔جس سے صدیوں کی قائم کردہ ہیبت صلیبیوں کے دلوں سے نکل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کا ایک سیلاب شام و فلسطین کی طرف امڈ آیا۔

3۔ عالم اسلام میں باہمی اتحاد کا فقدان تھا، بغداد کی عباسی اور مصر کی فاطمی خلافت اور سلجوقی و سپینی حکومتیں انحطاط کا شکار تھیں اور ان کے درمیان باہمی اشتراک کی کوئی صورت موجود نہ تھی۔ان حالات میں مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرنے کیلئے عیسائی یورپ کیلئے سنہری موقع تھا۔

6.1.3 معاشی اسباب:

1۔ اٹلی کے ساحلی شہروں وینس، جنیوا وغیرہ کے تاجر قدیم زمانے سے مشرق وسطیٰ سے تجارت کیا کرتے تھے، طلوع



اسلام کے بعد مشرق وسطیٰ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا جس سے اطالوی تاجروں کی اجارہ داری کا خاتمہ ہوگیا۔ ان تاجروں نے محسوس کیا کہ اگر مذہبی جنگ کے ذریعے شام اور فلسطین کا علاقہ مسلمانوں کی حکومت سے الگ کرلیا جائے تو انہیں تجارت کے وہی پرائے مواقع میسر آجائیں گے، چنانچہ انہوں نے ان جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور صلیبیوں کی ہر ممکن مالی امداد کی۔

2۔ یورپ کے نظام حکومت میں جاگیرداری نظام کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ معاشی نظام میں اس کی خرابیاں ظاہر ہو چکی تھیں دولت کے تمام ذرائع پر امراء، اہل کلیسا اور جاگیرداروں کا قبضہ تھا جبکہ عوام مفلوک الحال تھے اور کاشتکاروں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ چنانچہ مذہبی طبقہ نے مذہب کی آڑ میں عوامی ردعمل کو روکنے کی کوشش کی تاکہ لوگوں کی توجہ ملک کے معاشی مسائل سے ہٹی رہے۔

3۔ مشرق کی خوش حالی اور حسن بھی ان جنگوں کا باعث بنے۔ صلیبی سپاہی، لوٹ کھسوٹ اور عیش ونشاط کیلئے نکلے تھے اور مغربی امراء اور ان کی اولادیں مشرق میں اپنے لئے نئی جاگیروں کے سہانے سپنے دیکھ رہے تھے۔

6.1.4 فوری وجہ:

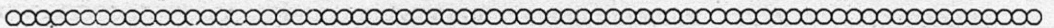
پوپ اربن ثانی نے 26 نومبر 1095ء کو فرانس کے مقام کلیر مونٹ میں اپنی ایک تقریر میں عیسائیوں کو شام و فلسطین پر حملے کی تلقین کرتے ہوئے اعلان کیا کہ:

''ان کافروں سے جہاد کرو جو حضرت مسیح کی خانقاہ پر قابض ہوگئے ہیں۔ تم میں سے جو بھی اس جہاد میں شریک ہوگا اس کے سارے پچھلے گناہ معاف کردوں گا اور تم میں سے جو مارا جائے گا اسے بہشت میں جگہ دوں گا''

پوپ کی اس تقریر نے عیسائیوں کے جذبات کو مشتعل کردیا اور یوں صلیبی جنگوں کا آغاز ہوگیا۔

6.2 پہلی صلیبی جنگ:

فرانس کے ایک نواب گاڈفرے کی سرکردگی میں پوپ کے اعلان جنگ کے بعد یورپ کے مسیحی فدائیوں کے چار بڑے لشکر بیت المقدس کی فتح کا عزم لئے روانہ ہوئے، راستے میں جس قدر یہودی ملے انہیں بے دردی سے قتل کردیا۔ لوٹ کھسوٹ کا



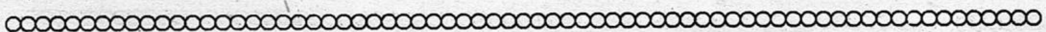
بازار گرم کیا اور خود عیسائی علاقوں میں ہی قتل و غارت، اغواء اور عصمت دریوں کا طوفان مچا دیا یہاں تک کہ گرجوں کی قیمتی اشیاء تک لوٹ لی گئیں۔ جب یہ لوگ ہنگری پہنچے تو مقامی لوگوں کا صفایا کر کے ہنگری کی سرزمین کو ان کا قبرستان بنا دیا۔ جب بعض لشکر ایشیائے کوچک سے اسلامی علاقے میں داخل ہوئے تو سلجوق حکمران قلیج ارسلان نے ان کا مکمل صفایا کر دیا۔

اگلے برس 1097ء میں مشرقی یورپ کے بادشاہوں نے ایک مشترکہ فوج تیار کی جو دس لاکھ عیسائیوں پر مشتمل تھی، فرانس کے نواب گاڈفرے کی سرکردگی میں یہ فوج اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھی اور ایشیائے کوچک میں داخل ہونے کے بعد اس لشکر نے قونیہ کا محاصرہ کر لیا۔ سلجوق حکمران قلیج ارسلان مقابلے میں آیا مگر شکست کھائی۔ عیسائی پیش قدمی کرتے ہوئے انطاکیہ تک پہنچ گئے اور نو ماہ کے محاصرے کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ شہر پر قبضے کے بعد وہاں کی تمام مسلمان آبادی تہ تیغ کر دی گئی، اس کے بعد عیسائی لشکر شام کے متعدد شہروں پر قبضہ کرتے ہوئے حمص پہنچا۔ حمص پر قبضے کے بعد صلیبی بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ بیت المقدس اس وقت مصر کے فاطمی خلیفہ المستنصر کے قبضہ میں تھا۔ مصری خلیفہ یا کسی اور مسلمان حکمران میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اس بلائے عظیم کا مقابلہ کر سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان صلیبی فوجوں نے ساحلی علاقہ میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور بالآخر 15 جون 1099ء کو عیسائی بیت المقدس میں داخل ہو گئے اور اس پر بڑی آسانی سے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے مسلمان بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور کمزوروں کو نہایت بے دردی سے قتل کیا اور اس شہر کی ساٹھ ہزار پر مشتمل پوری آبادی تہ تیغ کر دی گئی۔ صلیبیوں نے یہ فتح اپنے تیرہ لاکھ افراد کی قربانی دے کر حاصل کی۔

6.3 دوسری صلیبی جنگ:

پہلی صلیبی جنگ کی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں نے مسلمان حکمرانوں کے لیے یہ موقعہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ اپنے اختلافات کو ختم کریں، خلفائے بغداد نے اس سلسلہ میں کوششیں بھی کیں مگر زیادہ کامیاب نہ ہو سکیں۔

آخر کار قدرت نے عالم اسلام کو مزید تباہی سے بچانے کے لیے نور الدین زنگی کی صورت میں سامان پیدا کیا۔ نور الدین زنگی، عماد الدین زنگی کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد حلب کا علاقہ اس کے حصہ میں آیا۔ اس نے مسلمانوں میں جہاد کی ایک نئی روح پھونک دی اور عیسائیوں سے بیشتر قلعے واپس چھین لئے۔ وہ انہیں ہر محاذ پر شکست دیتا ہوا ایڈیسا (روحا) کے شہر پر دوبارہ قابض ہو گیا۔ جب عیسائیوں کی شکستوں کی خبریں یورپ پہنچیں تو پوپ یوجین سوم نے دوسری صلیبی جنگ کا



اعلان کر دیا۔ 1147ء میں جرمنی کا بادشاہ کونارڈ سوم اور فرانس کا بادشاہ لوئی ہفتم فو ۔ لے کو اپنے مذہبی بھائیوں کی مدد کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کی فوج میں نو لاکھ سپاہی تھے لیکن یہ فوج بھی ہر قسم کی اخلاقی حدود سے آزاد تھی۔ اس فوج کو بھی نور الدین زنگی اور سلجوقیوں کے ہاتھ مختلف مقامات پر شکست کھانی پڑی اور اس طرح اس فوج کا اکثر حصہ تباہ و برباد ہو گیا۔

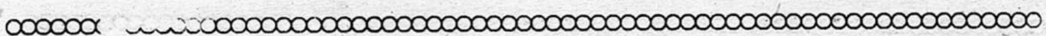
6.4 صلاح الدین ایوبی اور بیت المقدس کی فتح:

1174ء میں نور الدین زنگی کی وفات کے بعد عالم اسلام کے سیاسی افق پر ایک ایسی شخصیت نمودار ہوئی جس نے یورپ کے بہیمانہ عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ اس شخصیت کا نام سلطان صلاح الدین ایوبی تھا۔

سلطان نے پہلے مصر، عرب اور عراق عجم کو اپنے قبضہ میں کیا، 1187ء میں حطین کے مقام پر صلیبی لشکر کو انتہائی ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا اور عسکہ، صفوریہ، قیساریہ، بیروت اور عسقلان کے شہروں کو زیرنگیں کر لیا۔ اس کے بعد یروشلم کی طرف متوجہ ہوا اور بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، چند ہی دنوں میں محصورین نے رحم کی درخواست کر دی۔ سلطان نے عیسائیوں کو شہری حقوق دے کر انہیں اپنی سلطنت میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اس نے صلیبی سپاہیوں کو حکم دے دیا کہ وہ چالیس دن کے اندر اپنے بال بچوں سمیت بیت المقدس سے نکل کر طرابلس چلے جائیں۔ اس نے جنگی سپاہیوں پر معمولی سا زرفدیہ عائد کیا تھا۔ تاہم دس ہزار صلیبی سپاہیوں اور ان کے بال بچوں کا فدیہ خود اپنے پاس سے ادا کر کے انہیں جانے کی اجازت دے دی اور ہزاروں کا فدیہ معاف کر دیا۔ اس فتح میں نہ قتل عام ہوا اور نہ ہی لوٹ ۔ بلکہ دشمنوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا گیا۔ اس طرح 583ھ مطابق 1287ء کو اٹھاسی برس کے بعد بیت المقدس دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے یکے بعد دیگرے عیسائیوں کے کئی دوسرے شہر فتح کئے یہاں تک کہ طرابلس اور انطاکیہ کے تمام علاقوں پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔

6.5 تیسری صلیبی جنگ:

بیت المقدس کی فتح صلیبیوں کیلئے پیغام اجل سے کم نہ تھی اس خبر پر سارے یورپ میں پھر تہلکہ مچ گیا۔ پادریوں نے عوام اور خواص کو نئی صلیبی جنگ کے لیے تیار کرنا شروع کیا جس میں انہیں کامیابی ہوئی۔ اس مہم میں یورپ کے تین بادشاہوں یعنی انگلستان کے شاہ رچرڈ، فرانس کے فلپ آگسٹس اور جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک باربروسا نے شرکت کی۔ یورپ کی یہ فوجیں عکہ کے قریب پہنچ گئیں۔ سلطان صلاح الدین نے اس متحدہ قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمان حکمرانوں سے



مدد کی درخواست کی۔مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

1189ء میں صلیبیوں نے مکہ کا محاصرہ کرلیا جو دو سال تک جاری رہا، بالآخر شہر کے لوگوں نے جان کی امان کا وعدہ لے کر شہر صلیبیوں کے حوالے کردیا۔مگر شاہ انگلستان رچرڈ نے بدعہدی کرتے ہوئے محصورین کو قتل کردیا۔اس کے بعد صلیبی افواج نے عسقلان کے راستے بیت المقدس کا رخ کیا مگر قلیل فوج کے ساتھ سلطان نے اس جوانمردی سے مقابلہ کیا کہ ان کے حوصلے پست ہو گئے۔

جرمنی کا بادشاہ فریڈرک باربروسا ایک دریا کو عبور کرتے ہوئے ڈوب کر مر گیا۔اس کی فوج میں ابتری پھیل گئی اور بہت سے سپاہی گھروں کو لوٹ گئے۔اس لڑائی کے دوران شاہ فرانس اور شاہ انگلستان دونوں بیمار پڑ گئے۔

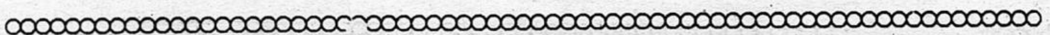
مسلسل تین سال کی غیر نفع بخش جنگوں نے صلیبیوں کو پریشان کردیا تھا۔آخر کار شاہ انگلستان رچرڈ نے سلطان صلاح الدین ایوبی سے صلح کرلی۔فریقین کی جانب سے مشترکہ اعلان کیا گیا کہ:

''مسلمان اور عیسائیوں میں صلح ہو چکی ہے۔دونوں قوموں کے مقبوضہ ملکوں میں شہری آزادی جاری رہے گی۔ دونوں ملکوں کے لوگ ایک دوسرے کے ملک میں آزادی کے ساتھ آجا سکیں گے''۔

اس صلح کے بعد باہر سے آئی ہوئی صلیبی کمک واپس چلی گئی۔اس کے بعد بھی کئی مرتبہ بیت المقدس کو مسلمانوں سے واپس لینے کے لیے مہمیں روانہ کی گئیں، لیکن ان کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔

6.6 صلیبی جنگوں کے نتائج:

صلیبی جنگوں کو عیسائیت کی تاریخ میں مقدس جنگیں کہا جاتا ہے، جو دینِ عیسوی اور صلیب کی حفاظت کے لیے لڑی گئیں، لیکن اگر اس مہم میں شریک ہونے والوں کے طرز فکر اور طرز عمل کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی انسانی شرافت سے محروم تھے۔وہ بداخلاقی میں اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ قسطنطنیہ اور یروشلم کو بھول کر جس راہ سے گزرتے وہاں تباہی، ویرانی اور بربادی کے نشانات چھوڑ جاتے۔ان جنگوں میں لاکھوں انسانی جانیں تلف ہوئیں، آبادیاں کھنڈرات میں تبدیل ہوگئیں اور بے شمار عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے۔یہ جنگیں اپنے پیچھے بھوک اور افلاس چھوڑ گئیں۔



ان جنگوں سے صلیبیوں کا مقصد بیت المقدس پر قبضہ تھا مگر اتنی جانوں کے اتلاف کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اسلامی دنیا اگر چہ مادی تباہی اور بربادی کا شکار ہوئی لیکن جہاں تک علمی وادبی ترقیوں اور تہذیب وتمدن کی پاکیزگی کا تعلق تھا۔ وہ اپنی جگہ قائم تھی، مسلم ثقافت اور تہذیب نے یورپی تہذیب واقدار سے کوئی منفی اثر نہیں لیا۔ اسلامی ثقافت کی بنیاد قرآن وسنت کے فطری اوصولوں اور صدیوں کے ارتقائی عمل پر قائم تھی جو اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے یورپی تہذیب سے بہت اعلی اور ارفع تھی لہذا تاریخ اسلام میں صلیبی جنگوں کا طویل عرصہ بھی ایک سانحہ سے زیادہ اہمیت اختیار نہ کر سکا اور اس کے مسلم معاشرہ پر کوئی حقیقی اور پائیدار اثرات مرتب نہ ہو سکے۔ وقت گزرنے کے ساتھ زخم مندمل ہو گئے اور مسلمان بدستور اپنی علمی وادبی اور تہذیبی سرگرمیوں میں سعی وجہد بروئے کار لاتے رہے۔

اس کے برعکس یورپ میں ان جنگوں نے نہایت دوررس اثرات پیدا کئے، قرون وسطی کا یورپ جہالت اور پس ماندگی کا شکار تھا۔ صلیبی جب اسلامی ممالک میں آئے تو یہاں کے علوم وفنون اور تہذیب وتمدن سے ان کی آشنائی ہوئی، اس طرح یورپ میں احیائے علوم کی تحریک کی ابتدا ہوئی جس کا احسان وہ کبھی نہیں اتار سکتے۔

خود آزمائی:

1۔ بنوعباس نے اپنی حکومت کے قیام کے بعد بنوامیہ سے کیسا سلوک کیا؟

2۔ سفاح کے کیا معنی ہیں اور یہ کس خلیفہ کا لقب ہے؟

3۔ ابو مسلم خراسانی کے ساتھ خلیفہ منصور نے کیسا سلوک کیا؟

4۔ مقنع کون تھا اور اس کے عقائد کیا ہے۔

5۔ ہارون الرشید کے عہد کو ایک شاندار علمی دور کہا جاتا ہے۔ کیوں؟

6۔ امین اور مامون کے درمیان اختلافات کے اسباب بیان کیجئے۔

7۔ مسئلہ خلق قرآن سے کیا مراد ہے اور مامون نے اس کا انکار کرنے والوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

8۔ خلیفہ معتصم باللہ نے سامرا شہر کیوں آباد کیا؟ اس شہر کا اصل نام کیا تھا؟

9۔ خلافت عباسیہ میں وہ پہلا خلیفہ کون ہے جسے قتل کیا گیا؟

10۔ منتصر باللہ نے اپنے دور حکومت میں علویوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟

11۔ مصر کی فاطمی حکومت کس عباسی خلیفہ کے عہد میں قائم ہوئی؟

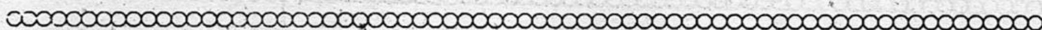
12۔ سلجوق کون تھے اور انہوں نے کس کے عہد میں عروج حاصل کیا؟

13۔ خلیفہ ظاہر بامر اللہ کی کون سی خوبی اسے دیگر خلفائے بنوعباس سے ممتاز کرتی ہے؟

14۔ مدرسہ مستنصریہ کی بنیاد کس خلیفہ نے رکھی؟

15۔ علویوں نے عہد بنی عباس میں کون کون سی حکومتیں قائم کیں؟

16۔ ترکوں کی بکثرت فوج میں شمولیت نے بنوعباس کے اقتدار کو کیسے نقصان پہنچایا؟



17۔ ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی کون تھے اور بنو عباس کے زوال میں ان کا کیا کردار تھا؟

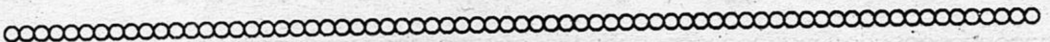
18۔ صلیبی جنگوں کی وجہ تسمیہ بیان کیجئے۔

19۔ صلیبی جنگوں کے مذہبی اسباب کیا تھے۔

20۔ صلیبی جنگوں کی فوری وجہ کیا بنی؟

21۔ صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کی فتح میں کیا کردار ادا کیا؟

22۔ صلیبی جنگوں کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟



یونٹ نمبر 4

دور بنو عباس نمبر 2

علمی وادبی کارنامے، سیاسی و مذہبی تحریکیں

تالیف

محی الدین ہاشمی

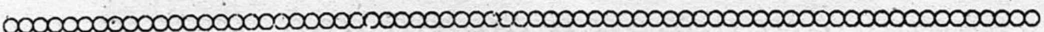
نظر ثانی

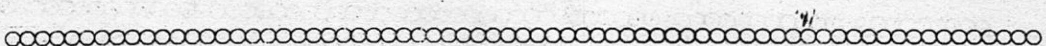
ڈاکٹر محمد سجاد

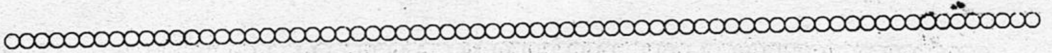


علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات







یونٹ کا تعارف

قرون وسطیٰ میں یورپ وحشت و بربریت اور جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا، ان کے ہاں، سیاست، حکومت، تمدن، تہذیب اور علوم وفنون کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ عین اس وقت مشرق میں عباسیوں کی حکومت میں علم وفن کے بڑے مراکز قائم تھے۔ عباسیوں نے دنیا بھر کے علماء وحکماء کو اپنے دربار میں جمع کیا۔ جا بجا یونیورسٹیاں اور لائبریریاں قائم کیں۔ مردہ قوموں کے مردہ علوم کو بھی انہوں نے زندہ کیا اور انہیں عربی میں منتقل کیا۔ اگر عباسیوں نے اس طرف توجہ نہ کی ہوتی تو کیمیا، طبیعات، طب، فلکیات، ریاضی اور دیگر علوم وفنون شاید آج ابتدائی حالت میں ہوتے۔ یہی وہ مسلمان تھے جنہوں نے عباسی دور حکومت میں دینی اور سائنسی علوم کو اپنایا اور انہیں بام عروج تک پہنچا دیا۔

اس علمی ترقی میں کئی عباسی خلفاء نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ابو جعفر منصور، ہارون الرشید اور مامون الرشید کے نام اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ علماء کی سرپرستی کی بلکہ وہ خود بھی علم کے بہت جویا تھے۔ غرض ان کی اس دلچسپی کی وجہ سے عہد بنی عباس میں علمی وادبی ترقی ہوئی جس کی بدولت یہ عہد تاریخ کا سنہرا دور کہلانے کا مستحق ہوا۔

دور بنی عباس میں کئی ایک سیاسی اور مذہبی تحریکوں نے بھی جنم لیا جن میں علویوں، معتزلہ، اسماعیلیہ اور قرامطہ کی تحریکیں زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں۔

اس یونٹ میں آپ عہد بنی عباس کی علمی، وادبی سرگرمیوں اور اس عہد کی سیاسی اور مذہبی تحریکوں کا جائزہ لیں گے۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ آپ جان سکیں کہ عہد بنوعباس میں دینی علوم میں علماء نے کس قدر تحقیق و جستجو سے کام لیا اور کتابیں لکھیں۔

2۔ علم طب اور علم کیمیا پر سائنسدانوں کی خدمات پر روشنی ڈال سکیں۔

3۔ عہد عباسیہ میں علم طبیعات، علم فلکیات، علم ریاضی اور علم جغرافیہ پر مسلمان محققین کی کاوشوں سے آگاہ ہو سکیں۔

4۔ اس دور میں شاعری اور ادب کے میدان میں پیدا ہونے والے رجحانات کا جائزہ لے سکیں۔

5۔ علوی تحریک کو عباسی دور میں کن حالات کا سامنا کرنا پڑا، آپ اس پر جامع نوٹ قلمبند کر سکیں۔

6۔ معتزلہ کے عقائد اور خلفائے بنوعباس کے ساتھ ان کے تعلقات پر روشنی ڈال سکیں۔

7۔ اسماعیلیہ اور قرامطہ کے عقائد کی وضاحت اور عالم اسلام کو ان سے پہنچنے والے نقصانات پر بحث کر سکیں۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

1۔ عہد بنوعباس کی علمی وادبی سرگرمیاں

بنوعباس کا دورتہذبی وتمدنی اور علمی وادبی لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔عباسی عہد کی تمام ترعظمت وسربلندی ان ذہنی اور دماغی تخلیقات کی بدولت ہے جواس دور میں وجود میں آئیں۔بنوامیہ کے عہد کی خصوصیت اس عہد کی فتوحات تھیں، جبکہ عباسیوں کا عہد تہذیب وتمدن اور علم وادب کی ترقی کا عہد ہے۔جس چیز نے عباسی دورکوتاریخ اسلام میں شہرہ آفاق بنایاوہ اس دور کی ذہنی وفکری بیداری ہے۔اس عہد میں تمام اسلامی علوم وفنون کی ترتیب وتزئین ہوئی۔

ان تمام ترقیات کے سلسلے میں خلفاء کا کردار بھی نہایت اہم ہے۔خصوصاً ابوجعفر منصور، مہدی، ہارون الرشید اور مامون الرشید نے نہ صرف علوم وفنون کوفروغ دیااور علماءوقت کی سرپرستی کی بلکہ یہ خودعلم کے بہت جویا تھے۔مختلف علوم میں ان کی دلچسپی اور معلومات بہت زیادہ تھیں۔ان خلفاء نے اس بات کا بھی اہتمام کیا کہ جہاں سے بھی ممکن ہونادر کتب بغداد منگوائی جائیں۔انہوں نے بے شمار یونانی، ہندی اور فارسی کتب کے تراجم کرائے۔''بیت الحکمت'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا جہاں کاتب، منشی اور مترجم کام کرتے تھے۔عہد عباسیہ میں مسلمانوں نے علم وادب کوفروغ دینے کے سلسلے میں جوکارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ بلاشبہ تاریخ اسلام کا ایک زریں باب ہے اور جس کا غیر مسلم مورخین بھی کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں، مشہور یورپین مورخ ہٹی (Hitti) کا بیان ہے کہ!

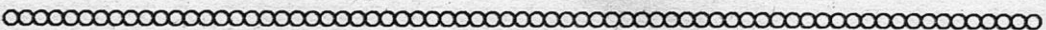
''مسلمانوں کی علمی اورادبی ترقی نے مشرق وسطی سے نکل کرسسلی اوراندلس کے راستے اقوام یورپ کے ذہنوں کو سیراب کیااور یورپ میں احیائےعلوم کی تحریک پروان چڑھی جس نے نہ صرف یورپ بلکہ تمام متمدن دنیا کی کایاپلٹ دی۔''

اس عہد کی علمی وادبی ترقی کوتین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ مذہبی علوم میں خدمات

2۔ سائنسی علوم میں خدمات

3۔ ادبیات میں خدمات



1.1 مذہبی علوم اوران میں ہونے والی خدمات:

مذہبی علوم کے تحت علوم القرآن، تفسیر القرآن، علم حدیث، علم فقہ، علم الکلام اور علم تاریخ آتے ہیں۔ان پر الگ الگ نظر ڈالتے ہیں کہ اس دور میں ان تمام علوم میں کیا کیا کام ہوا۔

1.1.1 علوم القرآن:

قرآن مجید کا علم تمام علوم میں سرفہرست ہے۔علوم القرآن میں سب سے زیادہ توجہ ''علم القراءت'' پر دی گئی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل عرب کیلئے تو بغیر اعراب کے قرآن پاک پڑھنا مشکل نہ تھا مگر نومسلموں خصوصاً جن کا تعلق عرب سے نہیں تھا، کے لیے اس میں بہت دشواری تھی۔اس ضرورت کے پیش نظر چند علماء نے اس طرف توجہ دی۔یہ علماء قراء سبعہ کہلاتے ہیں۔ان ہی کی قراءت پر آج ہماری قراءت قرآن کا مدار ہے۔ان قرأسبعہ کے نام یہ ہیں: نافع بن عبدالرحمٰن ابوعمرو بن العلاء البصری، عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن کثیر، ابوبکر عاصم بن ابی النجد، ابوعمارہ حمزہ بن حبیب الزیات، ابوالحسن علی بن حمزہ الکسائی۔

ان قراء میں سے اکثر نے بنوعباس کا عہد پایا ہے، علم قرآءت کے اولین مصنفین میں ابوعمرو بن العلاء البصری، ربان بن تغلب اور مقاتل بن سلیمان قابل ذکر ہیں۔

علم التجوید پر کئی علماء نے دور بنی عباس میں کتابیں تحریر کیں، جن میں مکی بن ابی طالب کی ''رعایۃ تجوید القراۃ'' اور محمد بن جزری کی ''مقدمۃ جزریہ'' مشہور کتب ہیں۔آیات قرآنیہ کے اسباب نزول پر حافظ المدینی نے کتاب تحریر کی، علی بن احمد الواحدی نے بھی فن پر کتاب ''اسباب النزول'' تصنیف کی۔

اعجاز القرآن پر خلافت عباسیہ میں بے شمار علماء نے کام کیا، ان میں سے ابوالحسن علی بن حسین رمانی کی ''بیان اعجاز القرآن''، قاضی ابوبکر باقلانی کی ''اعجاز القرآن فی نظمہ''، سلیمان الخطابی کی ''المعتضد'' اور کمال الدین زملکانی کی ''البرھان فی اعجاز القرآن'' قابل ذکر ہیں۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

قرآن میں ناسخ اور منسوخ آیات کے بارے میں عباسی عہد میں مقاتل بن سلیمان، ابوعبید قاسم بن سلام، امام داؤد، ابوجعفر نحاس، احمد بن حنبل اور بوسعید النحوی نے کتب تحریر کیں۔

غرض یہ کہ اس دور میں ہزاروں علماء نے اپنے اپنے انداز اور بصیرت سے قرآن پر مختلف موضوعات کے اعتبار سے تحقیق کی اور کتابیں تصنیف کیں۔

1.1.2 علم تفسیر:

• بنوامیہ کے عہد میں علم تفسیر پر کوئی قابل ذکر تصنیف نہیں ملتی۔ دراصل اموی دور میں تفسیری روایات تو ملتی ہیں تفسیری تصانیف نہیں۔ اگرچہ علم تفسیر کے بانی عبداللہ بن عباس ہیں لیکن اس علم نے بڑے اور منظّم علم کی صورت بنوعباس کے عہد میں ہی اختیار کی۔

عہد بنوعباس میں علم تفسیر پر باقاعدہ کام کا آغاز ہوا۔ اس دور میں تفسیر کے دو مکتب فکر وجود میں آئے۔ ایک وہ مکتب فکر جو یہ نظریہ رکھتے تھے کہ قرآن کی تشریح وتفسیر کے سلسلے میں صرف آیات قرآن، احادیث اور اقوال صحابہ پر ہی اکتفا کیا جائے اور اس سلسلے میں اپنی رائے اور اجتہاد سے مطلق پرہیز کیا جائے۔ اس قسم کی تسیر کو "تفسیر بالماثور" کہتے ہیں۔

اس دور میں تفسیر بالماثور کی طرز پر جو تفاسیر لکھی گئیں۔ ان میں سے کچھ کے نام ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

1۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن .... ابن جریر الطبری

2۔ بحر العلوم .... ابواللیث السمر قندی

3۔ معالم التنزیل .... ابومحمد حسین البغوی

4۔ تفسیر القرآن العظیم .... حافظ ابن کثیر

ایک طبقہ وہ تھا جس نے یہ محسوس کیا کہ زمانے کی تبدیلی وترقی کے ساتھ ساتھ نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہذا ان نئے پیش آمدہ مسائل کو قرآن کی روشنی میں حل کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ اصحاب جنہوں نے مختلف

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

مسائل کوقرآن وسنت کی روشنی میں رائے واجتہاد کے ذریعے حل کیااور آیات قرآن کی تشریح وتفسیر میں رائے سے کام لیا، وہ اصحاب الرائے کہلائے ،ان کی تفسیر کو''تفسیر بالرائے'' کا نام دیا گیا۔

بنوعباس کے عہد میں خصوصاًمامون الرشید کے دور میں یونانی علوم کا بہت رواج ہوگیا،ان علوم کے متعارف ہونے سے فلسفہ اور علم الکلام وجود میں آئے۔لہٰذاان یونانی علوم کی وجہ سے بہت سے سوالات پیدا ہوئے ،علماء مجبور تھے کہ ان کا جواب اسلامی نقطہ نظر سے دیا جائے۔ چنانچہ اصحاب الرائے تفسیر قرآن کے ساتھ ساتھ یہ مسائل بھی زیر بحث لائے۔مثلاً فخر الدین رازی کی تفسیر''مفاتیح الغیب'' جہاں تفسیر وتشریح کے تقاضے پورے کرتی ہے وہاں اس دور کے فکری اور عقلی رجحانات کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔

بنوعباس کے عہد کی چندایک مشہور تفاسیر بالرائے حسب ذیل ہیں:

1۔ مفاتیح الغیب .... فخر الدین رازی

2۔ انوار التنزیل واسرار التاویل.................... امام بیضادی

3۔ البحر المحیط .... ابوحیان

4۔ احکام القرآن .... قاضی ابواسحاق اسماعیل بن اسحاق

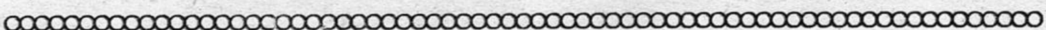
5۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل .... خازن

6۔ تفسیر کشاف .... جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری

اس کے علاوہ مفسرین نے فقہی اور کلامی تفاسیر بھی لکھیں۔مثلاً''احکام القرآن'' جوامام جصاص کی نہایت اہم کتاب ہے۔میں انہوں نے صرف ان آیات کی تفسیر لکھی ہے جن میں احکام موجود ہیں۔اسی طرح امام ابوالحسن اشعری کی ''تفسیر اشعری'' ،جس میں انہوں نے مختلف باطل قوتوں کے عقائد کورد کیا۔

1.1.3 علم الحدیث:

اموی عہد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تدوین حدیث کا کام شروع کرایا۔اس سلسلے میں ابن شہاب زہری نے



بہت کام کیا۔ تاہم اس باب میں کثرت سے جو کام ہوا اس کا تعلق بنوعباس سے ہے۔

علماء ومحدثین نے احادیث کے سلسلے میں یہ بات خاص طور پر پیش نظر رکھی کہ احادیث مستند ہوں، ان کا راوی جھوٹا نہ ہو، روایت کا سلسلہ (اسناد) کسی جگہ ٹوٹا نہ ہو، سند متصل ہو وغیرہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احادیث کی تدوین کے ساتھ ساتھ ایک نیا علم ''اسماء الرجال'' بھی وجود میں آ گیا۔ اس کی بدولت راویوں کی زندگی اور ان کے اخلاق و عادات کی تحقیق ہوئی جس سے احادیث کا ایسا محفوظ اور مستند سرمایہ جمع ہو گیا جو اس سے پہلے نہیں تھا۔

عہد عباسیہ میں دوسری صدی ہجری میں جن محدثین نے یہ کام شروع کیا، ان میں سفیان ثوری، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، امام اوزاعی اور عبداللہ بن مبارک کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

تدوین حدیث کے سلسلے میں آپ دیکھیں گے کہ دوسری صدی ہجری کی نسبت تیسری صدی ہجری میں زیادہ کام ہوا، اسی زمانے میں عبیداللہ بن موسیٰ بغدادی، مسدد بن مسرید بصری، اسد بن موسیٰ الاموی، نعیم بن حماد الخزاعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ، عثمان بن ابی شیبہ، احمد بن منیع اور احمد بن عمر ابوبکر البزاز نے کتب حدیث تحریر کیں۔

تیسری صدی ہجری کی وہ مشہور کتابیں جن کا شمار کتب احادیث کی امہات میں ہوتا ہے، حسب ذیل ہیں:

1۔ صحیح بخاری .... محمد بن اسماعیل بخاری

2۔ صحیح مسلم .... مسلم بن الحجاج قشیری

3۔ جامع ترمذی .... محمد بن عیسیٰ ترمذی

4۔ سنن ابوداؤد .... ابوداؤد سلیمان بن اشعث

5۔ سنن نسائی .... احمد بن شعیب نسائی

6۔ سنن ابن ماجہ .... محمد بن یزید ابن ماجہ

چوتھی صدی ہجری میں علم حدیث پر جو کتب تحریر کی گئیں ان میں سے چند مشہور کتب حدیث حسب ذیل ہیں:

سنن دارقطنی، صحیح ابن حبان، صحیح ابوعوانہ، صحیح ابن خزیمہ، مسند ابن جمیع محمد بن احمد، مسند ابوحفص بن شاہین عمر بن احمد

بغدادی، مسند خوارزمی۔

پانچویں صدی ہجری میں ابوبکر مرزویہ، احمد بن حسین بیہقی، احمد بن محمد البروقی اور احمد بن ثابت خطیب بغدادی نے احادیث کی تدوین کے سلسلے میں کتابیں لکھی۔

چھٹی صدی ہجری میں سلطنت عباسیہ انتہائی انتشار کا شکار تھی۔ یہ زمانہ بغداد میں انتشار اور بے چینی پر مبنی تھا۔ چنانچہ اس سلسلے جو کام پچھلی چار صدیوں میں ہو رہا تھا، اس میں کمی آ گئی۔ اس صدی میں اندلسی محدثین نے زیادہ کام کیا۔ عباسی محدثین میں حسین بن مسعود البغوی، ابوقاسم علی بن عساکر اور عبدالرحمٰن الجوزی بہت مشہور ہیں۔

غرض عہد عباسیہ میں علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی۔ بغداد، مکہ، مدینہ، دمشق، حلب، خراسان، نیشاپور، مرو اور دوسرے بڑے شہروں میں ایک ایک وقت میں کئی کئی سو جید علمائے حدیث، حدیث کا درس دیتے تھے۔

1.1.4 علم فقہ:

فقہ شرعی قوانین کے علم کا نام ہے جو ان کے تفصیلی دلائل (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) سے حاصل ہو۔

عہد رسالت میں علم فقہ کو مدون کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ہر معاملے میں راہنمائی کے لیے حضور ﷺ کی ذات اقدس موجود تھی۔ عہد صحابہ کرامؓ میں صحابہ کرامؓ سماجی یا معاشی مسائل میں حل بیان کر دیتے ہیں لیکن جب تابعین اور تبع تابعین کا عہد آیا تو بہت سی تبدیلیاں بھی آ گئیں۔ سلطنت اسلامی کی حدود ایشیاء، افریقہ اور یورپ تک وسیع ہوگئیں۔ معاشرے میں عجمی اور رومی تمدن بھی آ گیا۔ جس سے معاشی اور معاشرتی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہوگئیں اور نت نئے مسائل پیدا ہوئے۔ معاشرت، تجارت، معاملات، اور ملکی انتظام سب بہت وسیع اور پیچیدہ شکلیں اختیار کر گئے۔ مفتوحہ ممالک کے مختلف مسائل، جزیہ اور خراج کے معاملات اور اس طرح بہت سے مسائل تھے جو اسلامی احکام کے منتظر تھے، لہذا اس دور کی ایک بڑی ضرورت فقہ کی تدوین تھی، چنانچہ خلافت عباسیہ میں فقہ کی تدوین کا کام شروع ہوا۔ اس عہد میں سب سے پہلے فقہ پر کام کرنے والے امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ ہیں۔ فقہ کے سلسلے میں چار بڑے نام امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کے ہیں۔ ان ائمہ اربعہ نے عہد عباسیہ میں ضروریات کے لحاظ سے فقہ اسلامی مدون کیا۔ انہوں نے فقہی مسائل کی تدوین اور مسائل کے استنباط میں جو محنت کی اس کے نتیجے میں فقہ اسلامی مدون ہوئی۔ اس عہد میں

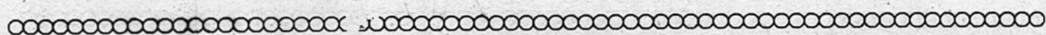
اہل سنت کے فقہاء کے دو بڑے گروہ بھی وجود میں آئے۔ اہل عراق نے کثرت کے ساتھ قیاس سے کام لیا جس میں انہیں بصیرت ومہارت حاصل تھی، اس لئے انہیں ''اہل الرائے'' کہا جاتا تھا۔ اہل الرائے کی وہ جماعت جس نے ایک مستقل فقہی مذہب کے طور پر نشونما پائی اور پھر ایک باقاعدہ فقہی مذہب رواج پذیر ہوا، اس کے پیشوا امام ابوحنیفہ تھے دوسرا گروہ ''اہل الحدیث'' کے نام سے معروف تھا اور اس طریق فقہ کے رہنما امام مالک بن انس تھے۔

ان آئمہ اربعہ نے فقہ کی ایسی بنیادیں قائم کیں اور ایسے اصول مرتب کر دیئے جن سے بعد میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات حل کرنے میں مدد لی جاتی رہی اور رہے گی۔

امام ابوحنیفہ کا رہتی دنیا تک قائم رہنے والا کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے، آپ نے اسلامی فقہ کی تدوین کے کام کو باقاعدہ اور باضابطہ طریقے سے سرانجام دیا اور اس مقصد کیلئے آپ نے ایک مجلس قائم کی جس میں مسائل پر تفصیلی بحث کے بعد اس کا کوئی حل دریافت کیا جاتا۔ خوارزمی نے امام ابوحنیفہ کی مجلس کے مرتب کردہ مسائل کی تعداد 83 ہزار بتائی ہے۔ مسائل میں سے 38.000 کا تعلق عبادات سے اور 45.000 کا معاملات سے ہے، جن میں زندگی کے تقریباً ہر شعبہ حیات سے متعلق مسائل شامل ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں نے بھی اس سلسلے میں بہت کام کیا۔ آپ کے ایک ممتاز شاگرد امام ابو یوسف ہیں۔ انہوں نے جزیہ و خراج کے مسائل کے متعلق مشہور کتاب ''الخراج'' لکھی جس میں آپ نے حکومت کے مالیاتی اور محصولاتی معاملات کو بیان کیا ہے، دوسری کتاب ''اختلاف ابن ابی لیلی'' اور تیسری کتاب ''الرد علی سیر الاوزاعی'' ہے۔

امام ابوحنیفہ کے ایک اور شاگرد امام محمد بن حسن ہیں جن کی چھ کتابیں "المبسوط"، "جامع الکبیر"، "جامع الصغیر"، "السیر الکبیر"، "السیر الصغیر" اور "زیادات" بہت مشہور ہیں۔ ان کے بعد فقہ حنفی پر دور بنو عباس میں احمد بن عمر خصاف نے ''الاسعاف فی احکام الاوقاف'' احمد بن قدوری نے ''مختصر القدوری''، سرخسی نے ''مبسوط''، ابوبکر بن مسعود کاسانی نے ''البدائع'' اور علی بن ابی بکر مرغینانی نے ''بدایۃ شرح ہدایۃ المبتدی'' تصنیف کیں جو حنفی کی اشاعت کا باعث بنیں۔

امام ابوحنیفہ کے بعد امام شافعی دوسرے بڑے امام ہیں۔ ان کی فقہ ''فقہ شافعیہ'' کہلاتی ہے۔ انہوں نے خود بھی اس موضوع پر کتابیں لکھیں جن میں ''کتاب الام''، ''رسالۃ فی ادلۃ الاحکام''، ''کتاب اختلاف الحدیث'' اور ''مسند امام شافعی''



بہت مقبولیت کی حامل ہیں۔

فقہ شافعیہ کی مشہور کتب جو عہد بنی عباس میں لکھی گئیں حسب ذیل ہیں:

امام مزنی کی ''الجامع الکبیر''، ''الجامع الصغیر''، ''مختصر المزنی''، ''المنثور''، الماوردی کی ''الاحکام السلطانیہ''، امام غزالی کی ''الوجیز'' اور امام نووی کی ''المنہاج''۔

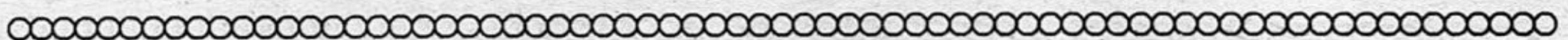
امام مالک بن انس فقہ مالکیہ کے بانی ہیں۔ انہوں نے فقہ کی طرز پر ابواب قائم کر کے اپنی کتاب ''موطا'' لکھی جو حدیث کا بہترین مجموعہ ہے۔ آپ کے شاگردوں میں اسد بن الفرات، عبدالسلام التنوخی عرف سحنون، عبدالرحمان بن قاسم، عبداللہ بن وہب اور اشہب بن عبدالعزیز ہیں جنہوں نے فقہ مالکی پر کام کیا۔ ان سب کا تعلق عہد بنو عباس سے تھا۔

امام احمد بن حنبل فقہ حنبلی کے بانی تھے۔ آپ نے حدیث کی کتاب ''مسند احمد'' تالیف کی۔ فقہ حنبلی پر ابو بکر الاثرم نے ''السنن فی فقہ'' ابوالقاسم خرقی نے ''المختصر'' اور ابن قدامہ نے ''المغنی'' لکھیں۔ غرض ان ائمہ اربعہ اور ان کے شاگردوں کی کوششوں کی وجہ سے عملی زندگی میں ایک نظم اور وحدت پیدا ہوگئی۔

1.1.5 علم الکلام:

علم الکلام سے مراد وہ علم ہے جس میں عقلی دلائل سے عقائد پر حجت قائم کی جاتی ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کا وجود عہد رسالت ﷺ اور عہد صحابہؓ میں نہیں پایا جاتا تھا۔ قرون اولیٰ میں ساری توجہ دعوت اسلام، فتح و جہاد، اور زندگی کے عملی مسائل اور مفید علوم کے حصول کی طرف تھی۔ اس علم کا آغاز بنو امیہ کے عہد میں ہوا، مگر اس کو ترقی عہد بنو عباس میں ملی۔

دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کا تعاوف یونانی علوم و فلسفے سے ہوا جس کے نتیجہ میں مختلف مباحث پیدا ہوئے۔ مثال کے طور پر اللہ کی ذات وصفات، کلام الٰہی، رویت باری، مسئلہ عدل، مسئلہ تقدیر وغیرہ، جو نہ دینی حیثیت سے ضروری تھے اور نہ دنیاوی حیثیت سے مفید۔ مسلمانوں میں فلسفی گروہ کی قیادت معتزلہ کر رہے تھے۔ عہد بنو عباس میں ان کو ہارون الرشید کے عہد تک عروج حاصل نہیں ہوا تھا، مامون کے زمانے میں، جو یونانی فلسفے اور عقلیت پسندی سے بہت متاثر تھا، معتزلہ کو عروج حاصل ہوا۔ شروع میں امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، اور دوسرے علماء نے علم الکلام کی مخالفت کی، مگر



یونانی علم الکلام اور فلسفہ ومنطق کے تراجم نے مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی عقائد سے متعلق بہت شکوک وشبہات پیدا کر دیئے۔لہذا ان کے شکوک کو دور کرنے اور اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے یہی طریقہ استدلال اختیار کرنا ضروری ہوگیا۔اس طرح اسلامی علم الکلام وجود میں آیا۔

اس علم الکلام کے پیشروامام ابوالحسن اشعری تھے جن کا عہد تیسری ہجری ہے۔آپ علم کلام کے مشہور مسلک اشعریہ کے بانی ہیں۔

ابوالحسن اشعری نے جو اسلامی علم الکلام اختیار کیا وہ معتزلہ اور محدثین کے درمیان ایک معتدل مسلک تھا۔انہوں نے کتاب وسنت کے حقائق اور اہل سنت کے عقائد کو عقلی دلائل سے ثابت کیا۔اس سلسلے میں انہوں نے باطل عقائد کی تردید میں کتابیں بھی لکھیں۔ان کی کتاب ''الفصول'' ہندوؤں، یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کے اعتراضات کے جوابات اور رد پر مبنی ہے۔اس کے علاوہ ان کی مشہور کتابوں میں ''اللمع''، ''الموجز''، ''ایضاح البرھان'' اور ''التبیین عن اصول الدین'' ہیں۔یہ کتابیں علوم عقلیہ اور علم الکلام کے متعلق ہیں۔

علم الکلام کا دوسرا مشہور مکتب فکر ماتریدیہ کا ہے،اس مسلک کے بانی امام ابو المنصور ماتریدی ہیں۔انہوں نے ''کتاب التوحید''، ''کتاب المقالات''، ''بیان وھم المعتزلہ'' اور ''تالیفات القرآن'' کے نام سے کتب تحریر کیں۔

علم الکلام میں ایک اور نامور شخصیت امام غزالی کی ہے۔امام غزالی کے عہد تک فلسفے کو بہت عروج حاصل ہو چکا تھا اور یونانی فلسفے کے عروج سے اسلامی عقائد کو بہت نقصان پہنچا تھا۔امام غزالی نے علم الکلام کی از سرنو ترتیب وتدوین کی آپ نے عقل اور نقل دونوں لحاظ سے الحادی فلسفہ کا کامیابی سے رد کیا اور وہ تمام ابہامات،شکوک وشبہات جو یونانی فلسفہ کے زیر اثر مسلم سوسائٹی کو گدلا کر رہے تھے،دور کر کے مسلم سوسائٹی کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دیا۔فلسفہ اور باطنیت کا رد کیا اور اس سلسلے میں کئی کتابیں لکھیں جن میں ایک ''مقاصد الفلاسفہ'' ہے۔اس کتاب میں امام غزالی نے آسان زبان میں منطق اور فلسفہ،اس کے نظریات کو مدون کیا اور پھر ان پر اسلامی نقطہ نظر سے تنقید کی اور کتاب ''تھافتہ الفلاسفہ'' لکھی۔اس کتاب سے علم الکلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

امام غزالی نے خلیفہ مستظہر باللہ کی فرمائش پر باطنی فرقے کے رد میں ایک کتاب ''المستظہر'' لکھی۔ اس کے علاوہ آپ کی اہم کتب " حجته الحق "، "مفصل الخلاف"، "المنقذ من الضلال " اور "احیاء علوم الدین" ہیں۔

ان کے علاوہ ابن حزم نے اس فن پر "الفصل فی الملل والا هوا والنحل"، شہرستانی نے "نهاية الاقدام فی علم الکلام"، "المنهاج والبيان" اور "الملل والنحل" تصنیف کیں۔ علامہ فخر الدین رازی نے "نهاية العقول"، "اربعين فی اصول الدین"، "البیان والبرهان" اور "کتاب القضاء والقدر"، شیخ شہاب الدین مقتول نے "هیاکل النور" اور "حکمة الاشراق"، علامہ تفتازالی نے "شرح مقاصد"، سیف الدین آمدی نے ''وقایق الحقاق'' اور ''رموز الکنوز'' تحریر کیں۔ یوں عہد بنوعباس میں علم الکلام کو بہت عروج حاصل ہوا اور متکلمین نے اس عہد میں معتزلہ اور فلسفہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک کر عقائد اہل سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقے کی پرزور وکالت کی۔

1.1.6 علم تاریخ:

عربی زبان میں علمی تاریخ نویسی کی ابتداء آنحضرت ﷺ کی سیرت کے مطالعے سے ہوئی، اسی لئے یہ تاریخ احادیث میں ملتی ہے خصوصاً ان احادیث میں جن کا تعلق آنحضرت ﷺ کے غزوات سے تھا بعد میں غزوات اور سرایا کی تفصیل کے لئے علم مغازی کی ابتداء ہوئی اور یہ علم بعد میں تاریخ نگاری کا ابتدائی زینہ ثابت ہوا۔ اسلامی تاریخ کی تدوین کا کام بھی عہد بنوعباس میں شروع ہوا۔ عہد عباسیہ کے سب سے پہلے مورخ محمد بن اسحاق تھے۔ جن کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا ہے۔ محمد بن اسحاق نے تاریخ میں سب سے پہلی کتاب ''السیرۃ والمبتداء والمغازی'' لکھی جس کی جامعیت، تفصیل اور معلومات کی فراوانی کی بناپر اکثر اہل علم نے اسے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

دوسری صدی ہجری میں محمد بن عمر واقدی نے اس فن پر ''کتاب المغازی'' تحریر کی۔ واقدی نے اپنی کتاب میں واقعات کی تاریخیں متعین کرنے کا التزام کیا ہے۔ مغازی کے سلسلے میں واقدی مقامات غزوات کا خود جا کر مطالعہ کرتے تھے اور پھر اسے لکھتے۔

واقدی کے تلامذہ میں ''محمد ابن سعد'' کا نام قابل ذکر ہے۔ جنہیں سیرت ومغازی کے فن میں مہارت حاصل تھی۔ انہوں نے ''تاریخ اسلام'' ''الطبقات الکبیر'' اور ''الطبقات الصغیر'' لکھیں۔ تیسری صدی کے مورخین میں ابوحنیفہ دینوری

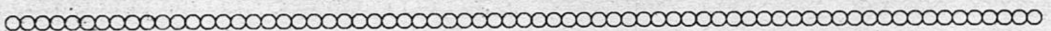
ہیں۔علم تاریخ میں ان کی کتاب ''اخبار الطّوال'' بہت مشہور ہے۔اس میں عام غرب مورخین کی طرح حضرت آدم علیہ سلام کے زمانے سے حضورﷺ کے عہد مبارک تک نظر ڈالی گئی ہے۔انہوں نے تاریخ کو سن وار مرتب نہیں کیا بلکہ تاریخی واقعات کو قصے کی صورت میں بیان کیا ہے۔تیسری صدی ہی میں احمد بن یحییٰ البلاذری نے ''فتوح البلدان'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں مختلف علاقوں کے فتح ہونے کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔تاریخ پر ان کی ایک دوسری مشہور کتاب ''الاخبار والانساب'' بھی ہے۔

ابن قتیبہ کا شمارہ تیسری صدی ہجری کے نامور مورخین میں ہوتا ہے۔علم تاریخ میں ان کی کتابیں ''المعارف''اور الامامۃ والسیاستہ'' بہت مشہور ہیں۔امام طبری کا عہد بھی تیسری صدی ہجری کا ہے۔آپ نے تاریخ پر شہرۂ آفاق کتاب ''تاریخ الرسل والملوک''، لکھی جس میں حضرت آدمؑ سے لے کر 303 ہجری تک کے حالات واقعات بیان ہوئے ہیں۔''تاریخ الرسل والملوک'' علامہ طبری کی آٹھ سالہ محنت کا نتیجہ اور ثمر ہے۔کتاب کی تمہید میں انبیائے سابقین ،مختلف قوموں کے نامور سلاطین،خصوصًا ساسانی دور کے ملوک کا مفصل ذکر ہے۔علامہ نے اس کتاب کو سن وار واقعات کے لحاظ سے مرتب کیا ہے اور ہر شعبے سے متعلق مختلف روایات کو جمع کر کے تنقید کا کام قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں علم تاریخ نے مزید ترقی کی۔اس عہد میں ایک نمایاں تبدیلی یہ ہوئی کہ مفصل اسناد کا طریقہ جو تیسری صدی ہجری تک مروج رہا،وہ ترک کر دیا گیا۔مفصل اسناد کا ذکر کرنے کی بجائے اب مختصراً ماخذ کا ذکر کر دیا جاتا،بعد کے مورخین نے تو اکثر اوقات اسناد کا ذکر بالکل ترک کر دیا۔

چوتھی صدی ہجری کے ممتاز مورخین میں سرفہرست ''المسعودی'' تھے انہوں نے تاریخ کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھیں۔علم تاریخ پر آپ کی پر سب سے مفصل کتاب ''اخبار الزمان'' ہے۔جس میں 306 سن ہجری تک کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔

ابوعلی ابن مسکویہ'' کا تعلق چوتھی صدی ہجری سے ہے۔انہوں نے تاریخ کے موضوع پر اپنی مشہور کتاب ''**تجارت الامم فی تعاقب الھمم**'' لکھی۔الخطیب بغدادی کا تعلق پانچویں صدی سے ہے۔آپ کی تصانیف میں سب سے مشہور ''تاریخ بغداد'' ہے۔اس کتاب کے ابتدائی ابواب میں عباسی دارالحکومت کے مختلف حصوں ،محلات ،دفاتر ،مساجد،



سرکاری عمارتوں، مشاہیر، علماء اور محدثین کا ذکر ہے۔

ابن عساکر نے خطیب بغداد کے طریقے پر دمشق کی تاریخ 80 جلدوں میں مرتب کی جس کا نام ''التاریخ الکبیر'' ہے۔

چھٹی صدی ہجری کے مورخین میں ایک ممتاز مؤرخ ''ابن اثیر'' ہیں انہوں نے ''الکامل فی التاریخ''، لکھی جس میں عالم اسلام کی ابتدائی چھ صدیوں کے حالات بڑے اختصار مگر جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

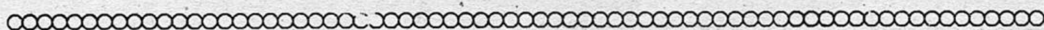
1.2 عہد بنو عباس میں سائنسی علوم میں ترقی:

عباسی دور حکومت میں سائنسی علوم میں بھی بہت زیادہ ترقی ہوئی، سائنسی علوم کے ضمن میں آپ سائنس کی مختلف شاخوں، علم طب، علم کیمیا، علم طبیعات، علم فلکیات، علم جغرافیہ اور علم ریاضی کا مطالعہ کریں گے۔

1.2.1 علم طب:

علم طب ایک ایسے کارآمد اور مفید علم کا نام ہے جس کے ذریعے امراض کے اسباب، علامات اور علاج سے پوری طرح واقفیت حاصل کی جاتی ہے، نیز امراض کی تشخیص اور علاج کیا جاتا ہے۔ علم طب کا آغاز یونان سے ہوا تھا جسے بقراط اور جالینوس نے درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ اموی عہد میں یونانی طب کی کتابوں کے تراجم کروائے گئے۔

عباسی دور میں علم طب میں بڑا تحقیقی کام ہوا، اس دور کے عظیم طبیبوں نے اپنی علمی خدمات کی بدولت دنیا بھر میں شہرت دوام حاصل کی۔ عباسی دور میں یونانی طب کی قدیم کتابوں کے ترجمے کا کام سرکاری سطح پر شروع ہوا۔ شروع شروع میں یونانی زبان سے ناواقف کی وجہ سے اس شعبہ میں عیسائی علماء کا غلبہ اور بالا دستی رہی۔ اس دور میں جرجیس، اس کا بیٹا بختیشوع اور پوتا جبریل نامور اطبا میں شمار کئے جاتے تھے لیکن جلد ہی مسلمان علماء اور سائنسدانوں نے اپنی طبع زاد تصانیف کی بدولت علم طب کے تمام شعبوں میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ ابن سینا اور الرازی اس ضمن میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بوعلی سینا کی کتاب، ''قانون فی الطب'' صدیوں تک مشرق و مغرب کی یونیورسٹیوں میں شامل نصاب رہی۔ اس کے علاوہ اس کی دوسری تصنیف ''کتاب الشفاء'' نے بھی بڑی شہرت پائی۔



مشرقی ممالک کی گرم آب وہوا کی وجہ سے مسلمان اطباء نے آنکھوں کی بیماریوں (طب العیون) کے بارے میں تحقیقات کیں۔ علی بن عیسی جو گیارہویں صدی عیسوی میں آنکھوں کی بیماریوں کا ایک ماہر طبیب تھا، اس شعبہ میں سند کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے اس موضوع پر بتیس کتب تصنیف کیں جن میں ''تذکرۃ الکحالین''، اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپی درسگاہوں میں داخل نصاب رہی۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں آنکھوں کی ایک سوتیس بیماریوں اوران کے علاج پر بڑی ماہرانہ اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس موضوع پر قدیم ترین کتب ابن ماسویہ کی ''دغل العین'' اور حنین بن اسحاق کی کتاب ''العشر'' اور ''مقالات فی العین'' بھی ہیں۔

عباسی دور کے مشاہیر اطباء میں جو شہرت دوام بوعلی سینا اور ابوبکر الرازی کو حاصل ہوئی اور کسی کو نہ ہوسکی۔ بوعلی سینا کی لازوال تصنیف ''قانون فی الطب''، ایک طبی انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت سے مغرب کی یونیورسٹیوں میں صدیوں تک ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت سے معروف رہی۔ اس میں تقریباً سات سو ساٹھ خاص قسم کی دواؤں کا ذکر ہے، جو مختلف بیماریوں کے لیے اس نے تجویز کیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں بیماریوں کی تشخیص پر بھی خصوصی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

ابوبکر الرازی جو دنیائے اسلام کے عظیم طبیب تھے مختلف موضوعات پر تقریباً ایک سو دو کتب تحریر کیں۔ ان کی مشہور ترین کتاب ''المنصوری'' ہے جو انہوں نے منصور سامانی کے کہنے پر تحریر کی۔ یہ کتاب دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ کی ایک اور تصنیف ''الجدری والحصبہ'' ہے جو وبائی بیماریوں پر سب سے پہلی مبسوط کتاب ہے۔ یہ کتاب عربی اور لاطینی متن کے ساتھ 1766ء میں لندن سے بھی شائع ہوئی۔ ان کی سب سے اہم کتاب ''الحاوی'' ہے جو علم العلاج اور علم الادویہ میں محققین کے لیے بڑی نفع بخش ہے۔ الرازی نے چیچک اور خسرہ کے موضوع پر بڑی کارآمد تحقیق کی اور زچہ بچہ اور گردوں کے امراض خصوصاً پتھری پر بڑی جامع کتب تحریر کیں۔ آخری عمر میں انہوں نے اپنا ہسپتال بھی قائم کیا جس کا نام بیمارستان رکھا۔

اس دور کے نامور سرجن (متوفی 1031ء) ابوالجراح الزہراوی نے کتاب ''التصریف''، لکھی جس میں سرجری کے اوزاروں کی اقسام اور ان کے استعمال کی تصویریں بنا کر تشریح کی۔ سرجری کے علم کی تشریح کے لئے مسلمان اطباء کو بڑی دشواری انسانی لاشوں اور اعضاء کے حصول کے سلسلے میں لاحق تھی مگر اس کے باوجود انہوں نے سرجری میں بھی بڑا کمال حاصل کیا۔ یوحنا بن ماسویہ انسانی لاشیں میسر نہ آنے کی وجہ سے اپنی لیبارٹری میں بندروں پر تجربات کرتا تھا۔ ابوالعباس المجوسی نے اپنی کتاب ''کامل الصناعۃ''، ابوبکر الرازی نے ''الحاوی'' اور بوعلی سینا نے ''القانون'' میں عملیات جراحی (Surgery) کا

بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔عبدالطیف بغدادی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مصر کی سیاحت کے دوران مقس پہاڑ کی چوٹی پر اسے بہت سی انسانی لاشوں کے معائنہ کے مواقع میسر آئے۔طبی تصانیف میں علی البطری کی کتاب ''فردوس الحکمت''، جو 850ء میں خلیفہ متوکل کے زمانہ میں عربی زبان میں تحریر کی گئی ،طب کی مستند ترین کتاب شمار کی جاتی ہے۔علی البطری پہلے عیسائی تھا جو بعد میں مسلمان ہو کر متوکل کے دربار سے منسلک ہوا اور اس کا ذاتی طبیب مقرر ہوا۔انسانوں کے علاوہ جانوروں کے علاج معالجہ کے لیے بھی اطباء نے بہت سی کتب تحریر کیں۔اس دور میں گھوڑوں کی بڑی اہمیت تھی اس لئے اس موضوع پر ابن ابی خرام نے جو خلیفہ معتضد کے اصطبل کا نگران تھا،گھوڑوں کی بیماریوں پر اپنی شہرہ آفاق کتاب ''فروسیہ و شیات الخیل'' تحریر کی۔الغرض امراض، علاج امراض، تشخیص امراض، علم الادویہ اور علم جراحی یعنی سرجری کے میدان میں مسلمان اطباء نے اپنی منفرد تصنیفات اور تجربات کی بنیاد پر علم طب کو جدید خطوط پر منظم کر کے آنے والی نسلوں کے لئے تحقیق کی نئی راہیں کھول دیں۔

1.2.1.1 شفاخانوں کا قیام:

مسلمان حکمرانوں نے مریضوں کے علاج معالجہ کے لئے اپنے اپنے عہد میں بے شمار شفاخانے یعنی ہسپتال تعمیر کئے۔اسلام کے قرن اول میں باقاعدہ طور پر جو شفاخانہ قائم ہوا وہ ولید بن عبدالملک نے دمشق میں 77ھ (707ء) میں بنوایا۔یہ شفاخانہ درحقیقت جزامیوں کے لئے تھا جس میں ان کے لئے طعام وقیام کا بہترین انتظام تھا اوران کو ہدایت کی گئی تھی کہ باہر آ کر تندرستوں سے نہ ملیں تھا۔اس شفاخانہ کے لئے باقاعدہ اطباء مقرر کئے گئے تھے۔اس شفاخانے کا سنگ بنیاد ولید نے بنفس نفیس اپنے ہاتھوں سے رکھا تھا۔

عباسی دور حکومت میں بے شمار شفاخانوں کا قیام عمل میں لایا گیا ہارون الرشید کے وزیر یحییٰ برمکی نے اپنے خرچ سے جو ہسپتال بنوایا اس کا نام بیمارستان برامکہ رکھا گیا۔مامونی عہد میں بھی اس شعبہ کی طرف خاص توجہ دی گئی خلیفہ متوکل کے زمانہ میں مصر میں جو شفاخانہ تعمیر کیا گیا اس کا نام بیمارستان مغافر رکھا گیا۔احمد بن طولون کے زمانہ (259ھ) میں ساٹھ ہزار دینار کے خرچ سے ہسپتالبیمارستان احمد بن طولون بنایا گیا۔اس شفاخانہ میں بلاتخصیص امیر وغریب تمام مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا۔اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ مریض کے ہسپتال میں داخلے کے بعد اس کے کپڑے اتروا کر ہسپتال کے کپڑے پہنا دیئے جاتے، بستر اور خوراک کا انتظام ہسپتال کے ذمہ ہوتا اور صبح وشام اطباء مریض کا معائنہ کرتے تھے۔اس ہسپتال کے علاوہ

ناگہانی حادثات کے لئے ایک الگ شفاخانہ موجود تھا۔ تیسری صدی ہجری کے اختتام سے پہلے مکہ ومدینہ میں بھی شفاخانے قائم ہو چکے تھے۔ رے، نیشاپور، بغداداور اس کے نواح میں خلیفہ مقتدر نے متعدد شفاخانے بنائے تھے۔ ان کے علاوہ بغداد کے بیمارستان حربیہ، بیمارستان ابن الفرات، بیمارستان السیدہ، بیمارستان مقتدری اہم ہسپتال تھے۔ قیدیوں کے لئے الگ شفاخانے قائم کئے گئے۔ ان اہم ہسپتالوں کے علاوہ عباسیوں کے زمانہ زوال اور عہد صلاح الدین ایوبی تک مملکت اسلامیہ میں بے شمار شفاخانے قائم کئے گئے جو مسلمانوں حکمران کے نہ صرف سائنسی اشغال سے دلچسپی وسرپرستی کی دلیل ہے بلکہ عوام کی صحت وتندرستی کے لئے ان کے قابل قدر کارناموں کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جہاں تک ان ہسپتالوں کے حسن نظام کا تعلق ہے، جرجی زیدان کا اقتباس اس کی عکاسی کے لئے کافی ہے کہ: ''ان شفاخانوں میں انتہائی طور پر بہترین انتظام تھا جہاں مریضوں کا (ان کے امراض کے لحاظ سے) مختلف جماعتوں اور مرتبہ کے موافق علاج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ان شفاخانوں میں ہر ایک مرض کے لئے ایک علیحدہ وارڈ تھا یا مخصوص وارڈ بنائے گئے جن میں ہر طبیب جو اس وارڈ کیلئے مخصوص کر دیا جاتا تھا چکر (راؤنڈ) لگاتا تھا اور اس کے آگے وہ تیمار دار اور خدمت گزار ہوتے تھے جو شفاخانوں کی طرف سے مریضوں کی خدمت کے لئے مقرر تھے۔ طبیب مریضوں کو (کمال شفقت کیساتھ) تشفی دیتا اور ان کے لیے دوائیں تجویز کرتا تھا۔

1.2.2 علم کیمیا:

اشیاء کی خاصیت اور ماہیت کا علم، علم کیمیا کہلاتا ہے، علم کیمیا پر بنوامیہ کے عہد میں کام کا آغاز ہو چکا تھا۔ خالد بن یزید بن معاویہ کو پہلا مسلمان کیمیا دان کہا جاتا ہے، جس نے کئی یونانی اور مصری کتابوں کے ترجمے کرنے کے علاوہ کتاب "الحرارت"، "الصحیفة الصغیر"، "الصحیفة الکبیر" اور کتاب "وصیة الی ابنه فی الصنعة" کے نام سے کتابیں لکھیں۔

علم کیمیا میں تجرباتی اعمال کی روایت کے بانی جابر بن حیان تھے۔ جابر نے کیمیائی تجربوں کا آغاز کر کے حقیقی میں، جدید کیمسٹری کی بنیاد رکھی۔ جابر کیمیا کے تمام تجرباتی عملوں مثلاً تقطیر، تبخیر، کشید وغیرہ سے واقف تھا۔ جابر عمل تکلیس (دھاتوں کا کشتہ بنانا) سے بھی واقف تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں چمڑا رنگنے، فولاد بنانے، دھاتوں کو صاف کرنے، موم جامہ بنانے، لوہے کو زنگ سے بچانے کے لیے اس پر وارنش کرنے، بالوں کے لیے خضاب تیار کرنے اور اسی طرح کئی چیزوں کے بنانے کے طریقے بیان کئے۔ جابر نے سلفائیڈ سے سفیدہ، سنکھیا اور کحل حاصل کرنے کے طریقے بتائے، اس نے

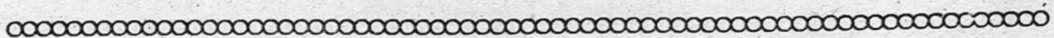
نباتاتی تیزابوں مثلاً تیزاب لیموں، تیزاب سرکہ اور تیزاب طرطیز کے متعلق اہم معلومات فراہم کیں۔ جابر کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے تین معدنی تیزابوں کو دریافت کیا۔ ان تیزابوں کو اس نے پہلی بار قرع انبیق (ریٹارٹ) کی مدد سے تیار کیا۔ اس نے ماءالملوک (Acqua Ragia) بنایا۔ جابر نے علم کیمیا پر تقریباً 700 رسائل لکھے جن میں ''الخواص الکبیر''، ''الخواص الصغیر''، ''کتاب الاسرا''، ''کتاب المجر دان''، کتاب البروج'' اور ''کتاب الراس'' بہت مشہور ہیں۔

جابر کے بعد دوسرا عظیم کیمیادان ابوبکر زکریا رازی ہے۔ اس نے علم کیمیا میں جابر کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا۔ اور اپنے تمام کیمیائی عملوں کو عام فہم زبان میں بیان کیا۔ اس نے علم کیمیا پر 26 کتابیں لکھیں۔ رازی نے اپنی کتاب ''الاسرار'' میں کیمیاوی عملیات پر تجرباتی بنیادوں کی روشنی میں بحث کی ہے۔ مختلف معادن سے کیمیاوی مرکبات تیار کرنے کے عمل تکلیس، شمیع، تحلیل، تصعید، تقطیر، تنقیہ، استقرال، شوی، طبخ تملغم وغیرہ کے طریقے بنائے۔ اس نے سوڈیم کاربونیٹ کو پوٹاشیم کاربونیٹ سے الگ کیا۔ رازی نے ان تجرباتی عملوں کیلئے آلات تیار کئے اور ان آلات کی تشریح بھی کی جو کیمیا میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس نے بہت سی اشیاء کا وزن مخصوص معلوم کیا۔ اس مقصد کے لیے ایک خاص قسم کا ترازو ''میزان طبعی'' بنایا کیمیا میں رازی نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں ''صفۃ الکیمیا''، کتاب الاسرار'' اور ''کتاب الاعجاز'' نہایت اہم ہیں۔

بوعلی سینا نے کیمیا میں بھی بہت سی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس کی کتاب ''الشفاء'' فلسفہ، طبیعات، ریاضی، اور کیمیا پر مبنی ہے۔ ابن سینا نے بہت سی کیمیاوی ایجادات بھی کیں جن میں اہم آب نقرہ (چاندی کا پانی یا ملمع)، آب زر (ایسڈ آف نائٹروسیڈ اور کلوریٹ) پوٹاش، روح نوشاد، نمک نوشادر اور زیت الزاج (پھٹکری کا جوہر اس کا پانی اور روغن) ہیں۔ ابن سینا نے معدنی اشیاء کو چار گروہوں میں تقسیم کیا یعنی پتھر، پگھلنے والی اشیاء، آتش گیر مادے اور نمکیات۔

یعقوب کندی کا شمار بھی عہد عباسیہ کے نامور کیمیادانوں میں ہوتا ہے۔ اس نے کیمیا عطر پر ایک رسالہ لکھا جس میں عطر کشید کرنے کے طریقے بیان کئے۔ اس نے ایک رسالہ رنگ سازی اور رنگ ریزی پر لکھا۔ ایک رسالہ ایسے سفوف پر لکھا جسے تلوار پر چھڑک دینے سے دندانہ نہیں پڑتے۔

ان کیمیادانوں کے علاوہ بنوعباس کے عہد میں اصطفن، ابونصر فارابی، ابومنصور، موفق، طغرائی اور ذوالنون مصری عظیم کیمیادان شمار کئے جاتے ہیں۔



1.2.3 علم طبیعات:

علم طبیعات وہ علم ہے جس میں مادے، توانائی اوران کے باہمی تعلق کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔اس علم کے کئی شعبے ہیں۔مثلاً میکانیات (مشینوں اورآلات کا علم)،حرکیات، بصریات وغیرہ۔علم طبیعات کا وجود بھی قدیم یونان میں پایا جاتا تھا۔ارسطو نے طبیعات پرایک کتاب بھی لکھی،مگراس سلسلے میں اس نے کوئی تجربہ نہیں کیا۔

مسلمانوں نے عہد بنوعباس میں اس شعبہ سائنس میں بڑا کمال حاصل کیااور بہت سی چیزیں دریافت کیں۔انہوں نے کئی کتابیں لکھیں اور تجربات کئے۔ مامون کے عہد میں حقیقی علم طبیعات کی بنیاد پڑی اور روشنی، کسوف وخسوف، اور خواص اشیاء پر کتابیں لکھی گئیں۔معدن پگھلانے کے آلات دریافت ہوئے، جرثقل کے قوانین پر روشنی ڈالی گئیں۔سمندروں، پہاڑوں کے ذخائر پر بحث کی گئی۔

1.2.3.1 عہد عباسیہ کے مشہور ماہر طبیعات:

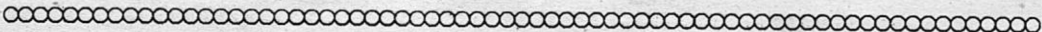
الف) ابن الهیثم:

علم طبیعات میں سب سے بڑا نام ابن الهیثم کا ہے۔اس نے طبیعات میں چوالیس کتابیں تصنیف کیں جن میں ''کتاب المناظر'' کوسب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی اس کتاب میں آنکھ کی ساخت، انعطاف، نور، فضا میں انعطاف نور، کہکشاں، اورقوس وقزح کے موضوعات شامل ہیں۔ابن الهیثم نے آنکھ کی بناوٹ کی تشریح کی اوراس کے مختلف حصوں اور کام کے بارے میں بتایا۔چاند گرہن اور سورج گرہن پر بھی تحقیقات کیں۔سورج گرہن کے وقت آفتاب کے جو حالات اور نیم دائرہ شکلیں بن جاتی ہیں، ان کا عکس اس نے کھڑکیوں کے پردوں میں سوراخ کر کے سامنے دیوار پر لیا۔

ابن الهیثم نے روشنی کے بارے میں کئی قوانین دریافت کئے اور تجربوں سے ان کے ثبوت فراہم کئے، ان میں سے دو قوانین جو آج بھی تسلیم کئے جاتے ہیں یہ ہیں:

1۔ شعاع واقع، عمودی خط اور شعاع منعکس تینوں ایک ہی سطح میں پائے جاتے ہیں۔

2۔ شعاع واقع اور شعاع منعکس عمودی خط کے ساتھ مساوی زاویے بناتے ہیں۔



ب) البیرونی:

فزکس کا موضوع البیرونی کی توجہات کا مرکز رہا، انہوں نے روشنی کے بارے میں یہ انکشاف کیا کہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار کے مقابلے میں تیز ہوتی ہے۔ البیرونی نے پانی کو موضوع تحقیق بنایا اور فوارے میں پانی چڑھ آنے، سطح آب کے ہموار ہونے اور گہرائی کے ساتھ ساتھ پانی کے دباؤ میں اضافہ ہونے کی سائنسی توجیہات پیش کر کے ماسکونیات (Hydrostaitsties) کی بنیاد رکھی۔ البیرونی کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اس نے آٹھ قیمتی پتھروں اور دھاتوں کا وزن مخصوص تقریباً صحیح متعین کیا اور اس موضوع پر ایک رسالہ ''حجریات'' لکھا۔ اس نے قدرتی، تجارتی اور طبعی نقطہ نظر سے بے شمار دھاتوں کے حالات لکھے۔

ج) ابوبکر زکریا رازی:

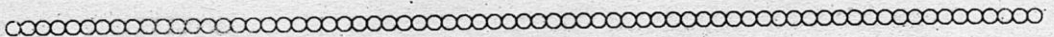
ابوبکر زکریا رازی کے بارے میں آپ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔ انہوں نے فزکس کے عنوانات، مادہ، حرکت، مکان، زمان، مناظر اور بصریات پر کتابیں تصنیف کیں۔ رازی نے مختلف اشیاء کی باہمی کشش اور کشش ثقل کو اپنی کتابوں میں موضوع بحث بنایا۔ وہ پہلے سائنس دان ہیں جنہوں نے انکشاف کیا کہ زمین باہمی کشش کے سہارے فضا میں معلق ہے۔

د) ابن سینا:

ابن سینا نے معدنیات اور مستحجرات پر قلم اٹھایا۔ پہاڑوں کی ساخت واضح طور پر بیان کی اور پہاڑوں، پتھروں، دھاتوں اور دیگر معدنی اشیاء کی خاصیتوں پر روشنی ڈالی۔ حرکت، اتصال، قوت اور نور کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے طبعیات پر ''رسالہ فی الطبیعات''، رسالہ ''الاجرام السماویہ'' اور رسالہ ''فی القوت الانسانیہ و ادار'' تحریر کئے۔

ہ) جمعیت اخوان الصفا:

اخوان الصفا فلسفیوں کی ایک خفیہ جماعت تھی جو عراق میں قائم ہوئی۔ بنو عباس کے عہد میں یہ جماعت بھی مصروف عمل نظر آتی ہے۔ اس انجمن کا مقصد فلسفہ کی اشاعت اور ترقی تھا، اس نے ایک دائرۃ المعارف مرتب کیا جو 52 رسائل پر



مشتمل تھا۔اس میں 17 رسائل طبیعات پر مبنی ہیں جن میں مدو جزر، مناظر اور عناصر کی تفصیل درج ہے۔

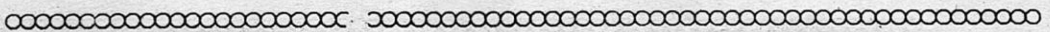
عہد عباسیہ میں طبیعات کی ایک شاخ میکانیات میں بھی بہت کام ہوا۔ شمسی اور آبی گھڑیاں تیار ہوئیں، قطب نما اور بارود بنائے گئے۔ میکانیات میں سب سے پہلا نام احمد بن موسی بن شاکر کا ہے جس نے نویں صدی عیسوی میں ایسی مشینیں ایجاد کیں کہ عقل دھنگ رہ جاتی ہے۔

1.2.4 علم ہیئت وفلکیات:

علم ہیئت وفلکیات میں فلکی اجسام، سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں کے بارے میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔عربوں میں زمانہ جاہلیت میں علم نجوم سے کسی حد تک شغف پایا جاتا تھا لیکن ان کے ہاں نہ تو فلکیات کے منظم مطالعے کا کوئی اہتمام تھا نہ تصور۔ مسلمانوں میں علم ہئیت وفلکیات کی باقاعدہ ابتدا عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے عہد میں ہوئی۔اس نے جب بغداد کی بنیاد رکھی تو شہر کا خاکہ خالد بن برمک، ماہر علم ہئیت نو وقت ایرانی اور ایک یہودی حاشاء اللہ کے زیر ہدایت تیار ہوا۔

مامون الرشید کے عہد میں اس علم کو خوب ترقی حاصل ہوئی۔اس کے عہد میں یونانی اور ہندی کتب ہیئت کے تراجم کیے گئے۔ بغداد کے محلہ شماسیہ میں شاہی حکم کے مطابق نومسلم انجینئر ابوطیب سند بن علی (متوفی ۲۲۴ھ) کی سرپرستی میں ایک رصدگاہ تعمیر کی گئی۔ مامون ہی کے عہد میں دمشق کے جبل قاسیوں پر ایک اور رصدگاہ کا قیام عمل میں آیا جس کے سربراہ حکیم یحییٰ بن منصور (متوفی ۲۱۴ھ) مقرر کیے گئے۔ان دو رصدگاہوں کے علاوہ بغداد کے تین ماہر ہیئت بھائیوں احمد بن موسی بن شاکر، محمد بن موسی بن شاکر اور حسن بن موسی بن شاکر نے دریائے دجلہ کے کنارے باب الطاق میں اپنے مکان کے اندر ایک رصدگاہ قائم کر رکھی تھی۔ چوتھی صدی ہجری میں سلطان شرف الدولہ نے بغداد میں ایک رصدگاہ تعمیر کرائی جس میں عبدالرحمان الصوفی (متوفی ۳۸۶ھ) ابوالوفاء محمد بن احمد البوز جانی (۳۸۸ھ) اور احمد الصاغانی (۳۷۹ھ) کام کرتے تھے۔

سلجوقی سلاطین میں جلال الدین ملک شاہ (485ھ) نے رے میں ایک رصدگاہ بنوائی جس میں عمر خیام کی نگرانی میں فلکیات پر تحقیق کی جاتی تھی۔ 863ھ میں تیموری شہزادے الغ بیگ نے سمرقند میں ایک رصدگاہ قائم کی جس میں قاضی زادہ رومی اور الکاشی جیسے عظیم سائنس دان کام کرتے تھے۔سمرقند کی رصدگاہ کی پیروی عالم اسلام کے دوسرے شہروں میں بھی



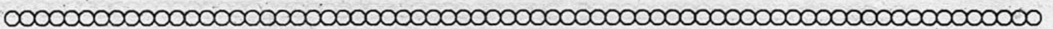
کی گئی اور صرف ہندوستان میں جے پور، اجین، دہلی، متھرا اور بنارس میں پانچ رصد گاہوں کا قیام عمل میں آیا۔ مسلمانوں نے آخری اہم رصد گاہ استنبول میں قائم کی جو 983ھ اور 985ھ کے درمیان تعمیر ہوئی۔ ان بڑی رصد گاہوں کے علاوہ اسلامی دنیا کے مختلف شہروں میں چھوٹی چھوٹی رصد گاہیں تھیں، جہاں ماہرین فلکیات کام کرتے تھے۔

علم ہیئت مسلمانوں نے جن قوموں سے اخذ کیا تھا ان کے یہاں اس کی حیثیت زیادہ تر نظری علم کی تھی یونانی کے علم کا ہر طرف شہرہ تھا لیکن افلاک و نجوم کا مشاہدہ کرنے کے لیے ان کے پاس معمولی آلات تھے۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے آلات سازی، آلات کی تنصیب اور ان کے استعمال کی طرف توجہ دے کر ہیئت کو سائنسی بنیادوں پر کھڑا کیا۔ الفرازی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اصطرلاب تیار کیا۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے اصطرالاب اور اصطرلاب سازی کے موضوع پر دو کتابیں قلم بند کیں۔ جابر بن سنان نے رصد کا ایسا آلہ ایجاد کیا، جس سے زاویوں کی پیمائش منٹوں تک کی جاسکتی تھی۔ اس آلے کو کردی اصطرلاب (Spherical Astrolabe) کا نام دیا گیا۔

اصطرلاب کے فن پر مختلف علماء نے تحقیقات کیں۔ اس کی سب سے ترقی یافتہ شکل الزرقالی نے ایجاد کی جس کا نام صحیفہ زرقالیہ پڑا۔ صحیفہ زرقالیہ کی ایجاد علم ہیئت میں بجائے خود ایک ایسا کارنامہ تھا جو مشرق و مغرب کی فلکیاتی تاریخ میں موضوع بحث بن گیا۔ علی بن عیسیٰ الاصطرلابی نے ایک اور آلہ سدس (Sextant) ایجاد کیا جس سے کم سے کم فاصلہ کی پیمائش کی جاسکتی تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے ثالث (Triquetrum) اور تکونی آلے، عکس ساز آلے، آنکھ کے پہ دے، مزولے (Quardrant) اور زاویہ گیر (Dioptra) بنائے، صحیح اور درست پیمائش کیلئے ابن سینا نے آج کے ورنیر کی طرح ایک آلہ تیار کیا۔ وقت کی پیمائش کے لیے مسلمانوں نے کئی طرح کی گھڑیاں ایجاد کیں اور گھڑی میں پنڈولم کا استعمال سب سے پہلے انہوں نے ہی کیا۔

افلاک اور اجرام سماوی کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے انہوں نے آسمانی گلوب تیار کیے جن میں ستاروں کے جھرمٹ متناسب حجم کے ساتھ دکھائے جاتے تھے۔ ول دوران ایک آسمانی کرے کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

”1081ء میں ابراہیم السعدی نے معلومات کے مطابق قدیم ترین آسمانی گلوب بنایا۔ پیتل کے اس کرے کا قطر 209 ملی میٹر تھا۔ اس کی سطح پر ستاروں کے 47 جھرمٹ کندہ کرائے گئے تھے: ن میں 1015 ستارے ان کے حجم کے تناسب سے دکھائے گئے تھے“۔



فلکیات کے شعبے میں محمد بن جابر البتانی کی خدمات اور دریافتیں بہت اہم ہیں ۔انہوں نے اپنے مشاہدات کی روشنی میں مشہور یونانی ہیئت دان بطلیموس کی غلطیوں کی نشان دہی کر کے ان کی تصحیح کی اور ان کے بتائے گئے غلط تخمینوں کی جگہ درست اور صحیح یا کم از کم آج کی تسلیم شدہ مقداروں سے بڑی حد تک قریب قیمتیں دریافت کیں ۔فرانس کے ایک سائنس دان Lalande (1807ء) نے البتانی کو تاریخ عالم کے ان بیس سرکردہ ہیئت دانوں میں شمار کیا جو فلکیات کے امام گزرے ہیں۔

مسلمانوں کے فلکیاتی کارنامے تذکرہ نگاری میں دب کر رہ گئے ہیں ۔عام طور پر مسلم سائنس دانوں کے سوانحی تذکروں کو ان کے کارناموں کی بہ نسبت زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور ان کے علمی انکشافات اور ایجادات علمی انداز میں پیش نہیں کیے جاتے ۔یورپ اور امریکہ کے مصنفین نے مسلم سائنسدانوں کے ایسے انکشافات کا ذکر کیا ہے جن سے مسلمان بے خبر ہیں۔ ہیئت کا میدان بھی ایسے انکشافات اور علمی خدمات سے خالی نہیں ہے جو مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہیں۔ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1) مسلم سائنسدانوں نے زمین کا صحیح محیط معلوم کرنے کی کوشش کی ۔عہد عباسی میں خلیفہ مامون الرشید نے الفرغانی اور ان کے ہم کار سائنسدانوں کو حکم دیا کہ بطلیموس کے افکار کو تجربے اور مشاہدے کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور زمین کا محیط معلوم کیا جائے ۔چنانچہ مسلم سائنسدانوں نے زمین کی دو مرتبہ الگ الگ طریقوں سے پیمائش کی ۔ پیمائش کے بعد الفرغانی نے حساب لگایا تو زمین کا محیط 25009 میل نکلا جبکہ زمین کا اصلی محیط 24858 میل ہے ۔ان کے بعد البیرونی نے زمین کا محیط دریافت کرنے کی کوشش کی جو الفراغانی کے مقابلے میں زیادہ بارآور ثابت ہوئی ۔البیرونی کا معلوم کیا ہوا محیط 24779 تھا۔الفرغانی کے بتائے گئے محیط میں صرف 151 میل کا فرق ہے اور البیرونی کے معلوم کیے گئے محیط اور آج کے محیط میں یہ فرق گھٹ کر محض 79 میل رہ جاتا ہے۔

2) فلکیات میں مسلمانوں کی ایک قابل قدر خدمت یہ ہے کہ انہوں نے دائرۃ البروج کے انحراف کی وہ مقدار معلوم کی جو یونانیوں کی دریافت کی ہوئی مقدار سے زیادہ صحیح اور حقیقت حال کے مطابق ہے۔ مسلم ہیئت دانوں نے اس سلسلے میں جو کوشش کی ہیں ان کی تفصیل ڈریپر نے اس طرح دی ہے۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

A.D 830. Almaimo	(الماموں)	23	35	52"
"879Albategnius at Aracte	(البتانی بمقام رقہ)	23	35	00"
987Abul Wefa.at Bagdad	(ابوالوفاء بمقام بغداد)	23	35	00"
995 Aboul Rihan	(ابوریحان البیرونی)	23	35	00"
1080 Arzachael	(الزرقالی)	23	34	00"

مامون الرشید کی دریافت کرائی گئی مقدار میں 52 سیکنڈ کا اضافہ اورالزرقالی کی بتائی گئی قیمت میں اصل قیمت سے ایک منٹ کم ہے۔البتانی ،ابوالوفاء بوزجانی اور البرونی کی دریافت کی ہوئی مقداریں درست اور صحیح ہیں۔ان کے علاوہ ابن یونس نے انحراف دائرۃ البرج کی مقدار 32.25 دریافت کی تھی انہیں شامل کیا جائے تو دستیاب شواہد کی حد تک چار مسلم ماہرین فلکیات ایسے ہوئے ہیں جن کی معلوم کی ہوئی قیمتیں درست ہیں۔

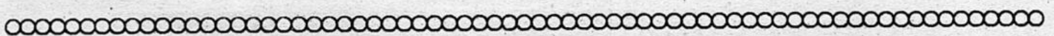
3) سیاروں کی سالانہ حرکات کا موضوع بھی مسلمانوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔سمرقند کی رصدگاہ میں تیار کی گئی فلکیات زیج جرجانی (زیج گورگانی) جوالغ بیگ کے زمانے میں مرتب کی گئی،اس موضوع پر حیرت انگیز نتائج سامنے لاتی ہے۔الغ بیگ کے نام (لقب گورگان) سے معنوں اس فلکیاتی جدول میں مسلم سائنسدانوں کی ذہنی صلاحیتوں کا قابل لحاظ مظاہرہ ہوا ہے۔زیج میں پانچ روشن سیاروں کی سالانہ حرکات کی مقداریں اور جدید دور کی قیمتیں چند سیکنڈوں کے فرق کے ساتھ اتنی مطابقت رکھتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔الغ بیگ کے زمانے کی دریافت کردہ قیمتوں اور آج کے دور کی معلوم کی ہوئی قیمتوں کا موازنہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔جدید دور کی قیمتیں دو مشہور ہیئت دانوں Alembert اور Lalande نے معلوم کی ہیں۔



نام سیارہ	الغ بیگ کی دریافت کردہ مقداریں			اصل مقدار			ہیت داں جس نے اصل قیمت معلوم کی
زحل	12	13	39"	12	13	36"	d.Alembert
مشتری	30	20	34"	30°	20	31"	d.Alembert
مریخ	191	17	15"	191°	17	31"	Lalande
زہرہ	22° 4	17	32"	22° 4	17	30"	Lalande
عطارد	53	43	13"	53°	43	3"	Lalande

زحل، مشتری، مریخ، اورزہرہ کی سالانہ حرکات کی جومقداریں الغ بیگ اوران کے سائنس دانوں نے دریافت کی ہیں، ان میں اورجدیددورکی قیمتوں میں بالترتیب 2,5,3,3 سیکنڈوں کافرق ہے۔گویاچاروں سیاروں کے متعلق قیمتوں میں زیادہ سے زیادہ فرق پانچ سیکنڈ ہے۔ان میں سے دوسیاروں کی قیمتوں میں یہ فرق گھٹ کرصرف 3 سیکنڈ اورایک کی قیمتوں میں مزیدگھٹ کرصرف 2 سیکنڈرہ جاتا ہے۔عطاردسیاروں میں زیادہ تیز رفتاری سے گردش کرتا ہے جس سے مشاہدے میں غلطی کاامکان زیادہ رہتاہے،اس لیے یہ فرق بڑھ کردس سیکنڈ ہوگیاہے۔

4) فلکیات میں مسلمانوں کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے شمسی سال کاایسا کیلنڈر تیار کیا جومروجہ گریگورین کیلنڈرسے بھی بہتر ہے۔مسلمانوں نے شمسی سال کاطول مدت معلوم کرنے کی پہلی کوشش مامون الرشید کے عہد میں کی تھی۔اس کے بعد تیسری صدی ہجری میں البتانی نے سال کی لمبائی معلوم کی۔ان کی دریافت کردہ مدت یونانیوں کی بتائی گئی مدت کے مقابلے میں آج کی تسلیم شدہ مدت سے قریب تر ہے۔جلال الدین ملک شاہ کے عہد میں عظیم ہیئت داں اور ماہر ریاضی عمرخیام نے تاریخ جلالی کے نام سے ایک کیلنڈر تیار کیا۔انہوں نے تحقیق و مشاہدے کے بعد شمسی سال کی اوسط طول مدت معلوم کی جو جدید طرز بیان کے مطابق 365.2424 دن قرار پائی۔مروجہ گریگورین کیلنڈر میں جسے ہم سن عیسوی کہتے ہیں ،یہ اوسط مدت 365.2425 دن ہے جبکہ شمسی سال کی اصل طول مدت 365.2424 دن ہی ہے۔آج کے مروجہ



کیلنڈر میں اصل کیلنڈر (شمسی سال) سے 0.0003 دن کی زیادتی ہے جو 3333 برسوں میں جمع ہو کر ایک دن بن جاتی ہے جس سے تاریخ میں ایک دن کا فرق پڑے گا۔ اس کے برعکس خیام نے جو کیلنڈر تیار کیا وہ آج کے کیلنڈر سے اس بنا پر بہتر ہے کہ اس میں اصلی شمسی سال سے جو سورج کی سالانہ گردش کی تکمیل پر منحصر ہوتا ہے، صرف 0.0002 دن کی زیادتی ہے جو پانچ ہزار برسوں میں ایک دن بنتی ہے۔ گویا مروجہ گریگورین کیلنڈر میں ایک دن کا فرق 3333 برسوں کے بعد پڑے گا جبکہ خیام کیلنڈر میں ایک دن بدلنے کی ضرورت 5000 سال بعد پڑے گی۔

جدید کیلنڈر کے ارتقاء کے ماہر کیلوئیس (calvius) کا بیان ہے کہ کوپرنکس وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سال کی بالکل صحیح مدت دریافت کی، مگر موصوف کا یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ کوپرنکس نے پاپائے روم کی ایماء پر کیلنڈر کی درستی کے لیے چند اصلاحات تجویز کیں اور سال کی درست مدت معلوم کرنے کی کوشش کی مگر انہیں وہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی جو ان سے چار سو سال پہلے عمر خیام کے حصے میں آئی۔ بعد کے سائنسدانوں نے واضح کر دیا۔ کہ سال کے طول اوسط میں کوپرنکس سے اٹھائیس (سیکنڈ) کی غلطی ہوئی ہے جب کہ خیام کی دریافت سال کے اصلی طول اوسط سے صرف 11.3 سیکنڈ زیادہ ہے۔ خیام کی اس قابل داد ہنر مندی کا اعتراف عیسائی مؤرخین اور مستشرقین نے بھی کیا ہے۔

1.2.5 علم ریاضی:

عہد بنو عباس میں تمام ہئیت دان ریاضی دان بھی ہوتے تھے۔ علم ریاضی میں مسلمانوں نے یونانی علم سے استفادہ کیا، مگر زیادہ معلومات ہندوؤں سے حاصل کر کے انہیں عربی میں ڈھالا گیا۔ آیئے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ علم ریاضی میں عہد عباسیہ میں کیا ترقی ہوئی۔

1.2.5.1 عہد عباسیہ کے مشہور ریاضی دان:

ریاضی اور اس سے متعلقہ تمام علوم میں بہت سے ماہرین کے نام سامنے آتے ہیں جنہوں نے بے شمار خدمات سرانجام دیں۔

الف) محمد بن موسیٰ الخوارزمی:

خوارزی یامون الرشید کے زمانے کا ایک نامور ریاضی دان تھا۔اس نے الجبرا پر کتاب ''المختصر من حساب الجبر والمقابلہ'' تصنیف کی جس میں اس نے الجبرے کو ایک الگ اور مستقل سائنس کی حیثیت سے پیش کیا۔ریاضی اور اس کی شاخوں حساب اور جبر و مقابلہ (ایک قسم کا حساب جس میں اعداد کی بجائے حروف استعمال کئے جاتے ہیں) پر خوارزی کی تصانیف تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔اس نے الجبرے کے متعدد سوالات کو جیومیٹری کی اشکال سے واضح کیا۔اس نے صفر کا استعمال رائج کیا، جبکہ اس سے پہلے صفر کی جگہ خالی چھوڑ دی جاتی تھی۔ بعد میں اس خلا کو پر کرنے کے لیے دائرہ یا نقطہ استعمال کیا جانے لگا۔ ہندی کتب ریاضیات میں 400ء کے لگ بھگ صفر کا استعمال ہوا۔ دارزی نے اس کو اکائی دھائی کے نظام پر رائج کر کے رقوم نویسی میں قابل قدر اصلاح کی۔

ب) البیرونی:

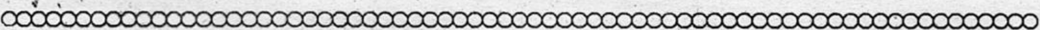
البیرونی نے ریاضی میں ہندسوی سلسلے جمع کرنے کا طریقہ رائج کیا۔ریاضی اور ہئیت اس کے خاص مضامین تھے۔اس سلسلے میں اس نے یونانی اور ہندی ریاضی دونوں سے استفادہ کیا۔اس نے ''تعبیر المیز ان لتقدیر الازھان'' نامی ایک ترازو بنایا جس کے ذریعے اوقات معلوم کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔اس کی کتابیں ''تفہیم'' اور ''قانون سعودی'' بہت مشہور ہیں۔ ''قانون مسعودی'' اپنے مضامین کے اعتبار سے ہیئت و ریاضی کا ایک فنی انسائیکلو پیڈیا ہے۔

ج) ابوالوفا بورجانی:

بورجانی کا شمار نامور سائنسدانوں میں ہوتا ہے۔ جو علم المثلثات کے اولین موجدوں میں سے ہیں۔انہوں نے پرکار کے ایک ہی پھیلاؤ سے ہندسی مسائل کو حل کیا ہے۔

د) محمد بن موسیٰ بن شاکر:

علم الہندسہ ریاضیات کے اس علم کا نام ہے جسے جیومیٹری کہتے ہیں، اس علم میں موسیٰ بن شاکر اور اس کے تینوں



بیٹوں محمد، احمد، اور حسن نے بڑا کمال حاصل کیا ۔ محمد بن موسیٰ نے مرکز اثقال، ہندسہ، ساخت، مخروطات پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے سب سے اہم تصنیف ''معرفتہ المساحت الاشکال البسیط والکریہ'' اور جس میں جیومیٹری کے مسائل پر خالص ہندی نقطہ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ علم ریاضی کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں رقبہ اور حجم نکالنے کا یونانی قاعدہ دائرے اور کرے کی پیائش کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اس نے ایک اعلیٰ قسم کا کیمیائی ترازو ایجاد کیا جس کی ساخت پر ایک رسالہ بھی لکھا۔

ر) عمر خیام:

عمر خیام کا تعلق بھی عباسی دور سے ہے۔ یہ اپنے عہد کا دنیا کا سب سے بڑا ریاضی دان تھا، اس نے الجبرا کے موضوع پر ایک کتاب ''جبر و مقابلہ'' لکھی۔ الجبرے میں اس نے خوارزمی کی پیروی کی اور اس میں مزید اضافہ کر کے جدید الجبرے کی بنیاد رکھی۔ اس نے الجبرے کی مساواتوں کو جیومیٹری کی اشکال سے ثابت کیا اور مساوات مکعب کا حل بتایا۔

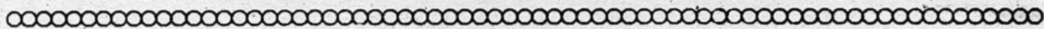
ان نامور ریاضی دانوں کے علاوہ البطانی، جابر بن رقیہ، ابوالکامل، شجاع بن اسلم، ابراہیم بن سنان، قسطا بن لوتا، غیاث الدین الکاشی اور المارد ینی کا شمار بھی عباسی دور کے بڑے ریاضی دانوں میں ہوتا ہے۔

1.2.6 علم جغرافیہ:

علم جغرافیہ سے مراد وہ علم ہے جس میں زمین کی اقالیم میں تقسیم، پہاڑوں، دریاؤں، اور سکان ارضی سے بحث کی جائے اور طول بلد و عرض بلد کا تعین کیا جائے نیز سمندروں، صحراؤں، اور جنگلات کے احوال معلوم کئے جائیں۔

انسان نے جب سے زمین پر سیر و تفریح کا آغاز کیا ہے اسے اس امر سے دلچسپی رہی ہے کہ وہ بعد مسافت کا تعین کرے۔ مختلف علاقوں کے طبعی اختلافات کا جائزہ لے کر کسی بھی جگہ کے محل وقوع، آب ہوا، پیداوار، پہاڑوں، دریاؤں اور جنگلوں کی تفصیلات سے آگاہ ہو۔ مسلمانوں میں تسخیر عالم کا شوق، حج بیت اللہ کی عظمت و تقدس، جہت قبلہ کا تعین ایسے امور ہیں جن کے باعث مسلمانوں نے دوسرے علوم کی طرح جغرافیہ کو بھی اپنی تحقیقات کی آماج گاہ بنایا۔

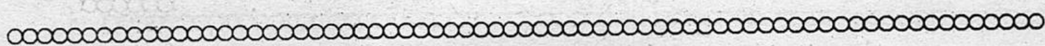
مامون الرشید نے اپنے عہد حکومت میں 69 سائنسدانوں کو جغرافیائی تحقیقات اور دنیا کے نقشے کی ترتیب و تدوین پر مقرر کیا تھا۔ ان کی تحقیقات سے حاصل ہونے والے مواد کی بنیاد پر محمد بن موسی الخوارزمی نے عربی میں جغرافیہ کی پہلی کتاب



''صورۃ الارض'' کے نام سے لکھی، جس کے ساتھ ایک نقشہ بھی تھا۔اس کے بعد خلیفہ مامون الرشید کے حکم سے ڈاک اور پرچہ نویسی کے منتظم نے تیسرے صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) میں جغرافیہ کے موضوع پر ''المسالک والمما لک'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی، ڈاک کا یہ ناظم جغرافیہ دان ابن حرداز بہ (المتوفی 300ھ) تھا جسے مسلم جغرافیہ کا باوا آدم مانا جاتا ہے۔ تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں احمد بن اسحٰق ابی یعقوب بن واضح الکاتب الیعقوبی (المتوفی 283ھ) نے ''کتاب البلدان'' تصنیف کی۔ یعقوبی کے بعد ابن رستہ (المتوفی 310ھ) نے ''الاعلاق النفیسۃ'' اور ابن الفقیہ الحمدانی نے ''کتاب البلدان'' ہی کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ چوتھی صدی ہجری کے ربع اول میں قدامہ بن جعفر الکاتب (المتوفی 310ھ) نے ''کتاب الخراج وصنعتہ الکتاب'' تحریر کی، جس میں انہوں نے گیارہویں باب کے ذیل میں راستوں، ڈاک کی منزلوں اور سرحدوں کی تفصیل دی ہے۔تقریباً اسی زمانے میں مشہور مورخ ابوالحسن علی بن حسین المسعودی نے اپنا سفرنامہ ''کتاب القضا والتجارب'' کے نام سے تیار کیا، جس میں مصنف نے چشم دید واقعات و مشاہدات اور تجربات کی بنیاد پر وسیع اور اہم جغرافیائی مواد پیش کیا۔ان کی دوسری کتابوں ''مروج الذہب ومعاون الجواہر'' اور ''التنبیہ والاشراف'' میں بھی ان کی سیاحت کے حالات ملتے ہیں۔

مسلم جغرافیہ نگاری میں بلخ کے مکتب فکر کو اس لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس میں اسلامی رنگ نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے۔ یہ مکتب فکر ابوزید احمد بن سہیل بلخی (المتوفی 322ھ) کے نام پر دبستان بلخ کہلاتا ہے۔آپ نے ''صور الاقالیم'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جسے بنیاد بنا کر جغرافیہ دان ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطخری نے ''المسالک والمما لک'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں ہر ملک رنگین نقشے میں دکھایا گیا تھا۔اصطخری کی درخواست پر ابوالقاسم محمد بن حوقل البغدادی (المتوفی (367ھ/977ء) نے ان نقشوں پر نظر ثانی کی اور ''صورۃ الارض'' کے عنوان سے ایک کتاب (366ھ/977ء) میں قلم بند کی۔ابوریحان محمد بن احمد البیرونی نے 1030ء میں اپنی شاہکار کتاب ''تاریخ الہند'' تصنیف کی۔اس کتاب میں وہ اہم جغرافیائی مواد پیش کیا گیا جو اس پہلے دوسری کتب میں نظر نہیں آتا۔

اندلس میں مشہور جغرافیہ داں ابوعبید عبداللہ بن عبدالعزیز نے ''معجم ما استعجم من اسماء البلاد المواضع'' کے نام سے ایک جغرافیائی لغت تیار کی، جس میں مختلف شہروں اور جگہوں کے ناموں کی املاء پر روشنی ڈالی گئی۔سپین کے اس عظیم جغرافیہ داں نے ایک اور کتاب بھی جغرافہ کے موضوع پر تصنیف کی جو ''کتاب المسالک والممالک'' کے نام سے معروف ہے۔



قرون وسطی کے ایک مشہور جغرافیہ دان محمد بن محمد ادریسی (560ھ) نے اس فن پر اپنی شہرہ آفاق کتاب "المشتاق فی اختراق الآفاق" تحریر کی جسے یورپ کے تعلیمی اداروں میں تین سو سال تک حرف آخر کی حیثیت حاصل رہی۔

زمین کی گولائی سے مسلمان آٹھویں صدی عیسوی میں واقف ہو گئے تھے۔ادریسی نے اسے مان کر اپنے پیش رو ہم مذہبوں کی تصدیق کی۔جغرافیہ کے بارے میں صحیح مواد فراہم کرنے کے علاوہ ادریسی نے نقشہ کشی کے فن کو معراج کمال تک پہنچایا۔انہوں 1154ء میں پوری دنیا کا ایک نقشہ بنایا۔یہ نقشہ چاندی کا تھا جس میں کمال مہارت کیساتھ دنیا کے ممالک دکھائے گئے تھے۔نقشے میں پہاڑ، دریا، اور جنگل اور وادیاں بھی دکھائی گئی تھیں۔ وہ ازیں انہوں نے چاندی کا ایک آسمانی کرہ بھی بنایا۔

اس عہد کے ایک اور جغرافیہ دان یاقوت حموی نے سیاحت کے دوران اپنے مشاہدے اور مطالعے کے ذریعے حاصل کئے گئے جغرافیائی مواد اور دوسری معلومات کو اپنی کتاب "معجم البلدان" میں قلم بند کیا ہے۔ان کی یہ کتاب Lestrange کے الفاظ میں جغرافیائی معلومات کا خزانہ ہے جس کی قدر و قیمت کا جتنا زیادہ اندازہ لگایا جائے اس میں کسی مبالغے کا امکان نہیں ہوگا۔

زمین کی ہیئت کے بارے میں قدیم اور مشہور عام نظریہ یہ تھا کہ زمین چپٹی ہے۔اہل یورپ اپنے محدود علم کے مطابق نشاۃ ثانیہ تک زمین کو چپٹی مانتے تھے مگر مسلمان صرف پچاس برس کے مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچے کہ زمین گول ہے۔ اسی اساس پر انہوں نے جغرافیہ میں اپنے تحقیقاتی عمل کی ابتداء کی۔مامون الرشید نے اپنے ریاضی دانوں اور ماہرین ہیئت کو حکم دیا تھا کہ وہ زمین کا سائز اور محیط متعین کریں۔چنانچہ خط نصف النہار کے ایک قوس کی پیمائش کی گئی۔اس کے نتیجے میں ایک درجے کی لمبائی 56.2/3 میل قرار پائی جو غیر معمولی حد تک درست ہے۔مسلم سائنسدانوں کے تخمینے اور آج کے تخمینے میں صرف آدھ میل بلکہ ڈریپر کے بیان کے مطابق صرف ایک تہائی میل کا فرق ہے۔

جغرافیہ میں مسلمانوں نے شہروں کے محل وقوع کے تعین میں عرض بلد اور طول بلد سے کام لینے کی روایت قائم کی۔

البیرونی نے ہندوستان کے مختلف شہروں کے محل وقوع کا تعین کرتے وقت ان کے عرض بلد اور طول بلد بھی دریافت کئے۔جن میں سے گیارہ شہروں کے عرض بلد اور طول بلد آج بھی درست اور صحیح ہیں۔ساتویں صدی ہجری میں ابن سعد (652ھ) نے "کتاب الجغرافیہ فی الاقالیم السبعة" میں مشہور شہروں اور مقامات کا محل وقوع بیان کیا۔ان کے

بیان کیے ہوئے طول بلد اور عرض بلد آج بڑی حد تک درست ہیں ، ان کے بعد ابوالفداء نے ''تقویم البلدان'' میں بہت سے مقامات کا طول بلد اور عرض بلد دیا ہے جو درستی اور صحت کی بناء پر قابل داد کارنامہ ہے ۔ المغرب میں ابوالحسن افریقی نے بطلیموس کے جغرافیہ کی اصلاح کے لیے افریقہ کے چوالیس شہروں کا عرض بلد معلوم کیا۔

مسلم سائنسدانوں نے بطلیموس کی غلطیوں کی تصحیح کر کے علم جغرافیہ کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔ بطلیموس نے بحر متوسط کی لمبائی 19^o زیادہ قرار دی تھی ، جس میں اصل لمبائی سے چار سو فرسخ کی غلطی واقع ہوگئی تھی ۔ مسلمانوں نے اسے درست کر کے جو لمبائی دریافت کی وہ تقریباً اصل تخمینے کے برابر ہے۔

1.3 عہد بنی عباس کی ادبی سرگرمیاں:

ادب سے مراد زبان کا وہ علم ہے جو نحو و بیان ، عروض ، انشاء ، اور معانی و یان پر مشتمل ہو ۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ دیگر علوم کی طرح عہد عباسیہ میں ادب کی مختلف اصناف ، نحو و بیان اور شعر و ادب کے میدان علم میں کیا کام ہو۔

1.3.1 نحو و بیان:

نحو و بیان کا علم حضرت علیؓ کا ایجاد کردہ ہے۔ آپ نے اپنے ایک شاگرد ابوالاسود الدولی کو علم نحو کے کچھ اصول لکھ کر دیئے اور ان کی وضاحت اور تفصیل بھی بتائی ۔ اس طرح عربی میں علم نحو کی بنیاد پڑی اور بعد ازاں یہ باقاعدہ علم کی صورت اختیار کر گیا۔ عہد بنو عباس میں بہت سے ماہرین نحو پیدا ہوئے جنہوں نے بہت شہرت حاصل کی ۔ جن ماہرین نحو نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں ان میں عیسی بن عمر ثقفی ہیں ۔ انہوں نے علم نحو پر ''الجامع'' اور ''المکمل'' لکھیں ۔ خلیل بن احمد نے ''کتاب العین''، ''کتاب النغم''، ''کتاب العروض''، ''کتاب النقط والشکل'' اور ''کتاب الایقاع''، لکھیں

سیبویہ جن کا تعلق دوسری صدی ہجری سے ہے ایک مشہور امام نحو اور علم عروض کے بانی ہیں ۔ انہوں نے کتاب ''المصادر''، لکھی ۔ جو نہایت بنیادی اور اہم کتاب ہے ۔ سیبویہ کے علاوہ عباسی عہد میں ماہرین نحو کے بہت سے نام ہیں ۔ جن میں امام ابی زید اصمعی ، زجاج ، ابن السراج ، الکسائی ، السرخسی ، ابن قیتبہ اور ابن کیسان بہت مشہور ہیں ۔

1.3.2 شعر و ادب:

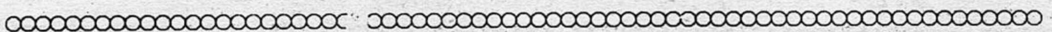
عباسی دور میں نظم و نثر دونوں میدان میں بہت زیادہ ترقی ہوئی اور عربی و فارسی دونوں زبانوں میں شعراء اور ادباء نے عظیم شاہکار تخلیق کیئے۔ عربی شاعری میں ابونواس، سیف بن ابراہیم، مروان بن یوسف، متنبی اور ابوالعلامعری قابل ذکر ہیں۔ عربی نثر نویسوں میں جاحظ، ثعلبی ابوالفرج، بدیع الزماں اور حریری نے نئے نئے اسلوب اختیار کیئے جو عربی فصاحت و بلاغت میں اضافہ کا باعث بنے۔ عربی زبان میں ترجمہ شدہ سب سے اولین ادبی تخلیق کلیلہ و دمنہ اسی دور سے متعلق ہے۔

عربی ادبیات کے علاوہ فارسی ادبیات کو جس قدر فروغ عباسی دور میں حاصل ہوا، کسی دور میں حاصل نہ ہو سکا۔ رودکی، فردوسی، ثنائی، ناصر خسرو، عرفی، نظامی گنجوی وغیرہ اس دور کے ممتاز ترین فارسی شعراء میں شامل کیئے جاتے ہیں۔

اموی دور کی شاعری میں ہمیں سیاسی و سماجی حالات، مذہبی اختلافات وغیرہ موضوعات بکثرت ملتے ہیں۔ عہد بنو عباس میں خلیفہ مامون الرشید کے دور میں مدحیہ اور عشقیہ شاعری کو بہت فروغ نصیب ہوا جس سے عباسی دور کی شاعری میں ایک نیا اسلوب پیدا ہوا۔ اس دور میں انداز و اسلوب میں غیر معمولی گہرائی پیدا ہوئی، جو عہد بنو عباس کی معاشرت، اور طرز زندگی کا نتیجہ تھی۔ عربوں کی دیہاتی زندگی، اس کی سختی اور صحرائیت کی سنگلاخی کی جگہ اب تہذیب، خوشحالی اور عیش و عشرت لے چکی تھی اور نئے طرز معاشرت، ماحول، تہذیب اور خوبصورت مناظر نے شعر و سخن میں ایک نئی لہر دوڑا دی تھی۔

ان تبدیلیوں کی وجہ سے شاعری میں فنی اعتبار سے بھی وسعت اور ترقی ہوئی اور شاعروں نے غیر مانوس الفاظ کا استعمال ترک کر دیا۔ قصیدہ نگاری میں یہ تبدیلی ہوئی کہ کھنڈروں کے ذکر سے قصیدہ کی ابتداء کے بجائے محلات اور شراب کے اوصاف بیان ہونے لگے۔ چنانچہ دور عباسیہ کی شاعری میں عیاشی، سرمستی اور بوالہوسی بھی صاف چھلکتی ہے۔ خاص طور پر ابونواس، رابعہ بن حباب، حسین الضحاک، اور مسلم بن ولید کی شاعری میں شراب، غلمان، سرمستی اور عیاشی کا ذکر بہت نمایاں ہے۔

عباسی عہد میں سیاسی مقاصد کے لئے بھی شاعری کو استعمال کیا گیا۔ اس دور میں کچھ شعراء کی ہمدردیاں علویوں کے ساتھ تھیں، لہذا وہ عقیدت میں ان کی مدح و توصیف اور عباسی خلفاء کی ہجو لکھتے تھے۔ عباسی عہد کے ابتدائی دور میں ہی اندلس میں ایک اموی شہزادے عبدلرحمان نے اموی حکومت قائم کر لی تھی۔ لہذا اندلسی شعراء کے ذریعے عباسیوں پر سیاسی حملے کئے جاتے جس کے جواب خلفائے بنو عباس نے بھی شعراء سے عباسی خلافت کے استحقاق اور فوقیت کے لئے مدد لی۔ ہارون



الرشید کے دربار میں صرف یہی شعراء اذن شعر گوئی حاصل کر سکتے تھے۔اس دور میں شعراء مقبول عام ہوئے اور مانے ہوئے بہترین شعراء میں شمار ہوئے ۔ہارون الرشید کے عہد میں شاعروں کی ایک جماعت بغداد میں مقیم رہتی تھی جن میں مسلم بن ولید، مروان بن ابی حفصہ ،ابوالعتاہیہ اور ابونواس شامل تھے ۔ہارون جب بھی کوئی مجلس منعقد کرتا، یہ شعراء اس میں شریک ہوتے اس کے علاوہ خاص خاص تقریبات پر شعراء کا ایک گروہ بغداد آتا تھا جن میں کلثوم بن عمر، منصور، قمری اشجع سلمی وغیرہ شامل تھے۔

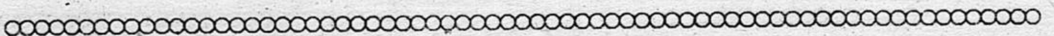
ہارون کی طرح مامون الرشید نے بھی شعراء کی بڑی قدر کی ۔ مامون کے عہد کے مشہور شعراء میں ابراہیم صولی، اصمعی ،اور صریع الغوانی ہیں۔ مامون کے بعد دوسرے عباسی خلفاء نے بھی شاعروں کو بہت عزت دی۔ اکثر خلفاء مثلاً ہارون، مامون ،اور واثق اللہ خود شاعری بھی کرتے تھے۔غرض خلفاء عباسیہ کی دلچسپی اور قدر دانی اور قوم کے نئے رجحانات نے اس عہد کی شاعری پر بہت اثر ڈالا۔

2۔ عہد بنی عباس کی سیاسی و مذہبی تحریکیں

2.1 علوی تحریک:

اموی حکومت کے خلاف علویوں اور عباسیوں نے مل کر جدوجہد کی تھی، اس وقت علوی اور ان کے حامی یہ خیال کرتے تھے کہ عباسی علویوں کے استحقاق خلافت کو تسلیم کرتے ہیں اور اموی اقتدار کے خاتمے کے بعد وہ خلافت کی باگ ڈور علویوں کے ہاتھ میں دے دیں گے۔مگر تحریک کی کامیابی کے بعد عباسیوں نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور علوی پہلے کی طرح محروم رہے۔ چنانچہ عباسی حکومت کے قیام کے بعد علویوں نے سیاسی میدان میں قدم رکھ کر اپنے حق کے حصول کیلئے جدوجہد کا آغاز کر دیا۔

ابوجعفر المنصور کے عہد میں علویوں کی سرگرمیاں اور حصول خلافت کی جدوجہد تیز ہوگئی۔ یہ جدوجہد علوی خاندان کے ایک ممتاز بزرگ محمد بن عبداللہ (نفس الزکیہ) اور ان کے بھائی ابراہیم کی بغاوت کے نتیجہ میں سامنے آئی۔محمد بن عبداللہ اور ابراہیم بن عبداللہ نے اپنے حق کے حصول کیلئے ساتھیوں کی تعداد میں اضافہ کر لیا اور اب بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر



بیعت کر کے ان کے حق خلافت کو تسلیم کرنے لگے۔ منصور نے ان کے خلاف لشکر بھیجا جس سے دوران جنگ میں دونوں بھائی شہید ہو گئے۔ نفس زکیہ اور ابراہیم کی شہادت کے بعد منصور نے ان کے خاندان کے دیگر افراد کو انتقام کا نشانہ بنایا، ان کے مکانات مسمار کر دیئے، جائیدادیں ضبط کر لیں اور تمام افراد خانہ کو قید میں ڈال دیا۔ منصور کی ان سختیوں کی بناء پر علویوں کا زور تو ٹوٹ گیا، لیکن اس سے ان کے دلوں میں عباسی خلافت سے منافرت نے ایک مستقل صورت اختیار کر لی۔

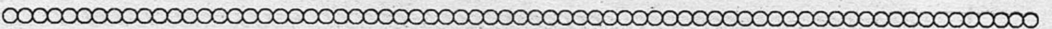
علویوں کے دلوں سے اس ناخوشگواری اور عباسیوں سے نفرت کو دور کرنے کیلئے مہدی نے علویوں سے نرم پالیسی اختیار کی جس میں اس کی نرم طبیعت کو بھی دخل تھا۔ اس نے ابوجعفر کے عہد کے نظر بند علوی اور ان کے حامیوں کو رہا کر کے ان کی ضبط شدہ جائیدادیں واپس کر دیں اور یوں ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وقتی طور پر وہ اس میں اس حد تک کامیاب تو ہوا کہ اس کے دور میں علوی خاموش رہے اور کوئی بغاوت نہ ہوئی لیکن یہ خاموشی دیگر تک برقرار نہ رہ سکی۔ علوی اس پالیسی کو بھی عباسیوں کی ایک چال سمجھنے لگے اور ان کی ناراضگی بدستور جاری رہی۔

عباسی خلیفہ ہادی کے دور میں علویوں میں سے حسین بن علی نے مدینہ میں خروج کیا۔ عراق کے تمام شیعان علی نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے حق خلافت کو تسلیم کر لیا اور حکومت کے خلاف متحد ہو گئے۔ لیکن میدان جنگ میں عباسی طاقت سے شکست کھائی اور حسین بن علی جاں بحق ہو گئے۔

ہارون الرشید کے عہد میں نفس الزکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ نے خروج کیا۔ ہارون نے ان کی سرکوبی کیلئے فضل بن یحییٰ برمکی کو لشکر دے کر روانہ کیا۔ فضل نے یحییٰ کو سمجھا بجھا کر صلح کیلئے آمادہ کر لیا، لیکن امان دینے کے بعد ہارون نے انہیں نظر بند کر دیا۔ اس وعدہ خلافی اور نظر بندی سے علویوں پر عباسیوں کا ایک برا تاثر قائم ہوا۔

مامون نے اپنے عہد میں ایک بار پھر مہدی کی طرح علویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کوشش کی۔ اس نے علوی خاندان کے ایک فرد امام علی رضا کو اپنا ولی عہد نامزد کر کے علویوں سے تعلقات خوشگوار کرنے کی ایک اہم ترین مثال پیش کی اور اپنی بیٹی کی شادی بھی ان سے کر کے اپنے تعلقات کو گھریلو رشتے جوڑ کر استوار کرنے کا قدم اٹھایا۔ بدقسمتی سے امام علی رضا کا انتقال مامون کی زندگی میں ہو گیا اور خلافت علویوں میں منتقل ہونے کا خواب ایک بار پھر ادھورا رہ گیا۔

باوجودیکہ مامون نے علویوں کے ساتھ اپنا طرز عمل اپنے پیشرو خلفاء کے مقابلہ میں بدل دیا اور ان کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آیا، علوی اس سے خوش نہ ہوئے، انہیں جب بھی موقع ملا شورش برپا کر دی۔ 207ھ میں عبدالرحمٰن بن احمدی



علوی نے یمن میں علم بغاوت بلند کیا۔ مامون نے دینار بن عبداللہ کو ان کی سرکوبی کیلئے مامور کیا، دینار نے انہیں امان دے کر اطاعت پر راضی کر لیا اور اپنے ساتھ دربار خلافت میں لے آیا۔

اس بغاوت کے بعد مامون علویوں سے اتنا بددل ہو گیا کہ انہیں مزید مراعات دینی بند کر دیں۔

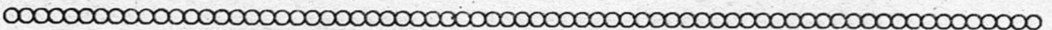
خلفائے بنی عباس میں متوکل کا رویہ علویوں سے سب سے زیادہ نامناسب تھا۔ وہ علویوں کے ساتھ عداوت میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ان کے ساتھ محبت رکھنے والوں کی جان و مال کو اپنے لئے مباح سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے لڑکوں کے اتالیق کو محض اس لئے ہلاک کروا دیا کہ اس نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ عقیدت مندی کا اظہار کیا تھا۔ علاوہ ازیں جس کسی علوی کی طرف سے مخالفت کا ذرہ بھر بھی شبہ ہوتا اسے نظر بند کرا دیتا، اس بنا پر علویوں اور عباسیوں کی پرانی عداوت پھر شدت اختیار کر گئی۔

عباسی علوی مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوی بار بار کی شکست کے باوجود بھی جدوجہد میں پیچھے نہ ہٹے اور آخر کار طبرستان اور جرجان کا علاقہ عباسیوں سے نکل کر علویوں کے ہاتھ آ گیا جس سے ان کا حوصلہ بڑھ گیا۔ عباسی خلیفہ معتز کے عہد میں وہ انتہائی جوش و خروش سے اٹھے اور اسمٰعیل بن یوسف علوی نے مکہ میں خروج کیا اور مکہ و مدینہ میں کامیابی حاصل کی۔ اس دور میں علویوں کو عروج ہونے لگا۔

خلیفہ معتمد بن متوکل کے عہد میں ابراہیم بن محمد نے مصر میں اور علی بن زید علوی نے کوفہ میں حکومت عباسیہ کے خلاف خروج کر کے اپنی طاقت کا اظہار کیا۔ پھر معتضد کے عہد میں محمد بن زید علویؒ نے خراسان کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی اور محمد بن زید قتل ہوئے۔ خلافت عباسیہ کے خلاف علوی مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ تا آنکہ انہوں نے اپنی آزاد حکومتیں ادریسیہ، علویہ اور فاطمیہ کر لیں۔ ان میں سے خاص طور پر فاطمی حکومت تقریباً تین سو سال تک خلافت عباسیہ کی حریف بنی رہی۔

2.2 معتزلہ:

جب اسلام عرب کی سرزمین سے نکل کر اہل عجم میں پھیلا اور اس کے ساتھ یونانی فلسفہ اور منطق کی ترویج ہوئی تو مختلف مذہبی عقائد و مسائل زیر بحث آنے لگے اور فلسفیانہ موشگافیوں کا آغاز ہوا۔ شروع شروع میں جبر و قدر کا مسئلہ علمی



مباحث کا سب سے اہم موضوع رہا۔ اموی دور کے آخری حصے میں فرقہ معتزلہ کی ابتداء ہوئی، یہ لوگ دینی عقائد کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے تھے اور مذہب اور فلسفہ میں مطابقت پیدا کرنے کے قائل تھے۔ انہوں نے بہت سے اختلافی مسائل میں روایتی نقطہ نگاہ سے انحراف کرتے ہوئے اپنا الگ مسلک قائم کیا۔

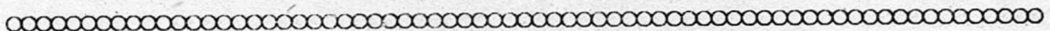
فرقہ معتزلہ کا بانی واصل بن عطاء (80ھ تا 131ھ) امام حسن بصری کا شاگرد تھا۔ ایک دن امام حسن بصری کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا کہ جو شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو، آیا وہ کافر ہے یا مسلمان۔ واصل نے اس کا جواب دیا کہ وہ نہ کافر ہے اور نہ مسلمان بلکہ وہ ان دونوں کے درمیانی درجہ میں ہے۔ اس کے بعد واصل نے مسجد کے ایک کونہ میں الگ بیٹھ کر اپنے نقطہ نگاہ کی تشریح شروع کر دی۔ اس کے اس طرح الگ بیٹھ جانے پر امام حسن بصری نے کہا "اعتزل عنا" (وہ ہم سے جدا ہو گیا)۔ اسی فقرہ سے واصل کے فرقہ کا نام معتزلہ (الگ ہونے والے) پڑ گیا۔ اس فرقہ کے پیرو اپنے آپ کو "اہل العدل و التوحید" کہتے تھے۔

2.2.1 معتزلہ کے عقائد:

واصل بن عطاء اور اس کے ساتھی عمرو بن عبید نے یونانی فلسفہ کے زیر اثر رفتہ رفتہ بہت سے نئے عقائد وضع کئے اور اپنے بہت سے حامی بنا کر ایک فرقہ کی شکل اختیار کر لی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یونانی منطق کے زور سے اسلام کے عقائد و نظریات پر شدید تنقید کی جا رہی تھی۔ معتزلہ بظاہر اسلام کے دفاع کیلئے کوشاں تھے لیکن اس مقصد کے لیے انہوں نے اسلام کو اپنی عقل کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا معتزلہ کے عقائد کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1۔ معتزلہ عقل کی برتری کے قائل تھے ہر چیز کو منطق و عقل کے معیار پر پرکھتے تھے۔ جو تعلیمات اسلامی انہیں عقل سے ماوراء نظر آتی تھیں، ان کی وہ عقلی توجیہات کر لیتے تھے۔ اسی وجہ سے مغربی مفکرین نے انہیں عقلیت پرست (Rationalist) قرار دیا ہے۔

2۔ معتزلہ کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ قرآن پاک کا صرف مفہوم نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا تھا جسے الفاظ کا جامہ انہوں نے خود پہنایا تھا۔ اس کو وہ کچھ اس انداز میں بیان کرتے تھے کہ قرآن مخلوق ہے اور ہر مخلوق حادث (جو ازل یعنی ہمیشہ سے نہ ہو) ہوتی ہے اس لئے قرآن پاک بھی حادث ہے۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ انسانی افعال سے متعلقہ قوانین



ماحول کی تبدیلی کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔اس عقیدہ سے دین کے احکام کو حکمرانوں کے ہاتھوں شدید خطرہ تھا اس لئے علمائے حق نے اس کی شدید مخالفت کی۔

3۔ معتزلہ کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ خدا کا وجود اس کی صفات سے الگ نہیں۔ اور خدا کا اس طرح کا کوئی وجود نہیں ہے، جسے مادی آنکھوں سے دیکھا جا سکے۔

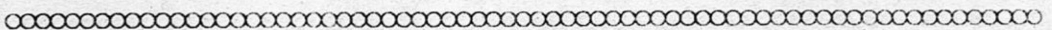
4۔ معتزلہ قیامت کے روز مردوں کے جی اٹھنے کے بھی قائل نہ تھے۔ان کے نزدیک قیامت کا تمام تر مفہوم مادی اجسام سے نہیں بلکہ روحانی احساسات سے متعلق تھا۔خدا تعالیٰ کا ادراک بھی روحانی آنکھوں سے ہی ممکن تھا اور جزاوسزا بھی روحسانی احساسات ہی کی شکل میں ممکن تھے۔

5۔ معتزلہ تقدیر کے قائل نہ تھے ان کا عقیدہ تھا کہ انسان اپنے تمام افعال میں خود مختار ہے،اسی وجہ سے اسے نیک کاموں کی جزا اور برے کاموں کی سزا ملے گی وہ تقدیر کے تصور کو اللہ تعالیٰ کی صفِ عدل کے منافی خیال کرتے تھے۔

2.2.2 معتزلہ کا عروج:

معتزلہ کی بھرپور سرکاری سرپرستی کا دور مامون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ مامون معتزلی عقائد کے اس قدر زیراثر آچکا تھا کہ وہ خلق قرآن کا عقیدہ نہ رکھنے والوں کو کافر خیال کرنے لگا۔218ھ میں اس نے حکم دیا کہ جو قاضی خلق قرآن کو تسلیم نہیں کرتے ان سب کو معزول کردیا جائے۔اس کے بعد اس نے فرمان جاری کیا کہ ممالک اسلامیہ کے تمام علماء اور مذہبی پیشواؤں کے تحریری بیانات قلم بند کرکے روانہ کئے جائیں۔ جب یہ بیانات مامون کی نظر سے گزرے تو ان میں سے اکثر نے خلق قرآن سے اختلاف کیا تھا۔اس پر مامون نے ان تمام لوگوں پر سختی کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ جو لوگ اس عقیدہ سے باز نہ آئیں انہیں قید کرکے طرطوس جہاں وہ اس وقت مقیم تھا، روانہ کیا جائے۔اس وقت کی نابغہ روزگار شخصیت امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن نوحؒ کو پابہ زنجیر بغداد روانہ کیا گیا، محمد بن نوح راستے میں ہی وفات پا گئے۔جبکہ احمد بن حنبلؒ کے بغداد پہنچنے سے پہلے خود مامون کا انتقال ہوگیا، مرتے ہوئے وہ اپنے جانشین معتصم باللہ کو امام احمد بن حنبل پر سختی کی وصیت کرتا گیا۔

معتصم اور واثق بھی مامون کی مذہبی حکمت عملی پر گامزن رہے، ان کے عہد میں قاضی احمد بن داؤد، جو کہ معتزلہ فرقہ کے ممتاز عالم تھے، کو عباسی دربار میں بڑا اثرورسوخ حاصل رہا۔ان دونوں خلفاء نے غیرمعتزلہ علماء پر انتہائی سختیاں کیں، امام



احمد بن حنبلؒ کواس قدر کوڑے لگوائے جاتے تھے کہ آپ بیہوش ہو جاتے تھے اور پھر جب ہوش آتا تو آپ سے پہلا سوال یہ کیا جاتا تھا کہ قرآن حادث ہے یا قدیم، آپ فوراً جواب دیتے کہ قدیم ہے۔ اس پر دوبارہ انہیں زدوکوب کیا جاتا تھا۔ ان خلفاء نے امام موصوف کو انعام واکرام کا بھی لالچ دیا مگر آپ ہر موقعہ پر صرف یہی جواب دیتے ''میرے سامنے قرآن وحدیث میں سے کوئی دلیل پیش کرو گے تو میں تسلیم کرنے کو تیار ہوں''۔

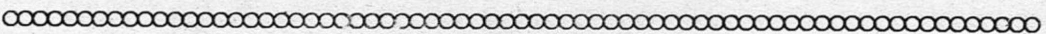
2.2.3 زوال:

امام احمد بن حنبلؒ کی بے پناہ قربانی بالآخر بارآور ہوئی۔ خلیفہ متوکل ۔ برسر اقتدار آتے ہی حکومت کی پالیسی کو بدل دیا، اس نے امام موصوف کی بڑی عزت کی اور معتزلی علماء کو حکومت کے عہدوں سے ہٹا دیا۔ عوام میں پہلے ہی معتزلی عقائد مقبول نہیں تھے، اب حکومت کی سرپرستی ختم ہونے کے بعد یہ فرقہ تقریباً ختم ہو گیا اور صرف چند اصحاب علم ان عقائد کی طرف مائل رہے۔ چوتھی صدی ہجری میں ابوالحسن اشعری جو یونانی فلسفہ اور علم الکلام کے ماہر تھے نے معتزلہ کا اپنا ہتھیار یعنی منطقی استدلال نہایت کامیابی کے ساتھ معتزلہ ہی کے خلاف استعمال کیا اور اس طرح اس فرقہ کے اپنے ہی ہتھیاروں سے مقابلہ کر کے اسے بالکل ختم کر دیا۔

2.3 اسماعیلیہ:

اسلام کے ابتدائی دور میں ہی مسئلہ خلافت پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور اکثر فرقوں کی ابتداء اسی مسئلہ سے ہوئی۔ شروع میں یہ فرقے سیاسی نوعیت کے تھے، لیکن بعد میں انہوں نے مذہبی رنگ اختیار کر لیا۔ شیعہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو خلافت کا موروثی حق دار خیال کرتے تھے اور ان کے علاوہ جو شخص بھی خلیفہ بننے کا دعویدار ہو وہ ان کے نزدیک غاصب تھا، خواہ اسے جمہور امسلمانوں نے ہی کیوں نہ منتخب کیا ہو۔ ان کے خیال میں امام جو خدا کا مقرر کردہ ہو، صرف وہی مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی رہنمائی کا مجاز تھا۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد شیعہ تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے فرقہ امامیہ سب سے اہم تھا۔ جو صرف حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے جبکہ زیدیہ کیسانیہ نے حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد یعنی محمد بن حنفیہ اور ان کی اولاد کو امامت اور خلافت کا اہل قرار دیا۔

امامیہ کے چھٹے امام حضرت جعفر صادق کی وفات (765ء) پر یہ فرقہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی



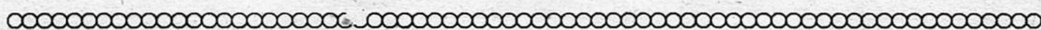
کہ امام موصوف نے پہلے اپنے بڑے لڑکے اسماعیل کو اپنا جانشین مقرر کیا مگر بعد میں ان سے ناراض ہو کر ان کی نامزدگی کو منسوخ کر دیا اور اپنے دوسرے لڑکے موسیٰ کاظم کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ امامیہ کی اکثریت نے امام موسیٰ کاظم اور ان کے خاندان کی امامت کو تسلیم کر لیا۔ چونکہ ائمہ کی تعداد بارہ تک تھی۔ اس لئے امامیہ کی اس شاخ کو اثنا عشریہ کہتے ہیں۔ امامیہ کے ایک گروہ نے امام موسیٰ کاظم کی امامت کو تسلیم کرنے سے انکار کر کے امام اسماعیل کو اپنا پیشوا بنالیا، امام اسماعیل چونکہ اپنے والد کی زندگی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ اس لئے ان کے پیروؤں نے امام جعفر صادق کی وفات کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ کاظم کے بجائے اسماعیل کے لڑکے محمد بن اسمٰعیل کو اپنا امام بنالیا، یہ لوگ اسماعیلیہ کہلانے لگے۔ چونکہ ان کے ائمہ ظاہر کی تعداد سات تھی، اس لئے ان کو سبعیہ (ہفت امامیہ) بھی کہتے ہیں۔

2.3.1 اسماعیلیہ کے عقائد:

اسماعیلیہ کا عقیدہ تھا کہ امام کا تقرر اور معزولی کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ یہ منصب خدا کی طرف سے امام کے بڑے بیٹے کو خود بخود ودیعت ہو جاتا ہے۔ اس لئے امام جعفر صادق اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کی جانشینی منسوخ کرنے کے مجاز نہ تھے اور امام اسماعیل فوت نہیں ہوئے بلکہ مستور ہو گئے ہیں اور آئندہ پھر ظہور کرینگے۔

ان کا عقیدہ تھا کہ امام محمد بن اسماعیل آخری اور مکمل امام ہیں جن پر ائمہ ظاہر کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس فرقہ کے عقائد کے مطابق اس کے بعد بھی امام موجود رہے لیکن وہ مخفی ہو گئے، اس لئے بعد میں اسماعیلی داعی امام مخفی کے نام پر دعوت پھیلاتے تھے۔

اسماعیلیہ کا ایک انتہا پسند طبقہ مسئلہ تناسخ کا بھی قائل تھا، ان کے نزدیک خدا کی ذات امام اسماعیل میں حلول کر گئی تھی اس لئے وہ وفات نہیں پا سکتے تھے، وہ صرف عارضی طور پر کچھ عرصہ کیلئے دنیا سے غائب ہو گئے ہیں۔ اسماعیلی عقائد میں سب سے دل چسپ عقیدہ یہ تھا کہ قرآنی الفاظ کے دو معانی ہیں، ایک ظاہری اور ایک باطنی، دین کا اصل مدعا یہ ہے کہ احکام خداوندی کے باطنی (اندرونی) اور اصلی معانی معلوم کئے جائیں کیونکہ ظاہری الفاظ تو محض پردہ ہیں جن کے پیچھے اصلی معانی کو چھپا دیا گیا ہے تا کہ نااہل افراد ان کی حقیقت تک نہ پہنچ سکیں۔ جہاں تک باطنی معانی کا تعلق ہے وہ صرف امام وقت ہی جانتا ہے اور وہ کسی آیت کا جس طرح بھی مطلب بیان کرے وہی صحیح ہوگا۔



اس نظریہ کی آڑ میں اسماعیلی قرآنی آیات کی مختلف تاویلیں پیش کرتے تھے اور ان کا ترجمہ اپنی حسب منشا کرتے تھے۔اسی لئے اسماعیلیہ کوفرقہ ''باطنیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

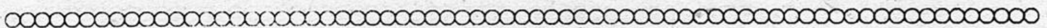
2.3.2 عبداللہ بن میمون القداح:

اسماعیلیہ کومقبول بنانا اوراس میں مندرجہ بالاعقائد ونظریات شامل کرنا درحقیقت ایک ایرانی شخص عبداللہ بن میمون کا کارنامہ ہے۔ پہلے یہ فرقہ بالکل غیر معروف تھا،لیکن عبداللہ نے اس کی ایسی زبردست اور موثر خفیہ تنظیم کی کہ اس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

عبداللہ میمون اہواز کے ایک معمولی طبیب کالڑکا تھا،اس نے اسماعیلی فرقہ میں داخل ہوکراس کی تنظیم نو کا بیڑا اٹھایا۔شروع میں اس نے بصرہ کواپنامرکز بنایا،مگر بعد میں شمالی شام کے شہرسلمیہ میں منتقل ہوگیا۔اس نے ہرطرف خفیہ داعیوں کا جال بچھادیا جوفقیروں اورتاجروں کے بھیس میں ہرجگہ پہنچ جاتے تھے۔ان کا دعوتی طریقہ کاریہ تھا کہ یہ پہلے لوگوں کے دلوں میں مروج اسلامی عقائد کے بارے میں تشکیک پیدا کرتے پھرانہیں اپنے عقائد کی دعوت دیتے اورانہیں باورکراتے کہ عنقریب امام مستورظاہر ہوکران کے دکھوں کامداوااوردنیا سے ظلم کودورکرینگے۔ان داعیوں کے پاس نامہ برکبوتر بھی ہوتے تھے جن کے ذریعے وہ ہرجگہ کے حالات لکھ کرعبداللہ بن میمون کے پاس پہنچادیتے جنہیں وہ سنا کرعوام پراپنی غیب دانی کا سکہ جماتا۔اس طرح اس کے مریدوں کی تعداد سرعت سے بڑھنے لگی۔

عبداللہ بن میمون نے اپنے پیروؤں کو داعی اور رفیق کے درجوں میں تقسیم کیا،جو داعی زیادہ معتمد بن جاتا اسے رفیق بنادیا جاتا تھا۔اسماعیلی مذہب کے اسرار کے مکمل علم کے لئے اس نے کم وبیش نومنازل مقررکیں اور بہت کم پیروان سب منازل کو طے کرپاتے تھے۔چونکہ اس وقت کوئی امام ظاہرموجود نہ تھا،اس لئے عبداللہ امام مخفی کا نائب تھا۔اسے امام سے وہی نسبت تھی جوحضرت ہارون کوحضرت موسیٰؑ سے تھی،عبداللہ نے 261ھ(874ء)میں وفات پائی۔

عبداللہ کی خفیہ تنظیم کوخاطرخواہ کامیابی حاصل ہوئی اورشمالی افریقہ میں اسماعیلی دعوت خوب پھیلی۔اس تنظیم کے داعی حسین الشیعی نے 909ء میں شمالی افریقہ کی اغلبیہ حکومت کا خاتمہ کرکے اسماعیلی امام کی خلافت قائم کردی جسے حکومت فاطمیہ کہا جاتا ہے۔بعض مورخین کے نزدیک فاطمی حکومت کا بانی عبداللہ بن میمون کاپوتا سعید تھا جس نے عبیداللہ مہدی کالقب



اختیار کر کے فاطمی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس خاندان میں اڑھائی سو سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت رہی جس کا خاتمہ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں 1171ء (567ھ) میں ہوا۔

2.3.3 حسن بن صباح:

حسن بن صباح طوس کا رہنے والا تھا۔ حسن نظام الملک طوسی اور عمر خیام بچپن میں ہم جماعت تھے، قیام رے کے دوران وہ اسماعیلی مذہب میں داخل ہوا اور پھر مصر منتقل ہو گیا۔ مصر کے فاطمی حکمران مشرقی ممالک میں اسماعیلی دعوت پھیلانا چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے حسن بن صباح کی ذہانت اور قابلیت سے متاثر ہو کر اسے اپنا خاص داعی بنا کر مشرقی ممالک میں بھیجا۔

1090ء میں حسن بن صباح نے اپنے پیروؤں کی مدد سے ماژندان کے پہاڑی علاقہ کے ایک قلعہ ''الموت'' پر قبضہ کر لیا۔ یہ قلعہ کوہ البرز کے اوپر سطح سمندر سے دس ہزار دو سو فٹ کی بلندی پر واقع تھا، اس قلعہ کے محل وقوع نے اسے ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ یہاں سے حسن بن صباح کے پیرو نواحی علاقوں کو تاراج کرتے تھے، رفتہ رفتہ انہوں نے بہت سے قلعوں پر قبضہ کر لیا اور آذربائیجان اور شمالی شام کے بعض حصے حسن کے زیر اثر آ گئے۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی نے الموت کی تسخیر کیلئے دو مہمیں روانہ کیں مگر وہ ناکام رہیں۔

''الموت'' جیسے محفوظ مقام میں بیٹھ کر حسن بن صباح نے اسماعیلی دعوت کی از سر نو تنظیم کی۔ وہ خود ''داعی الدعاۃ'' کہلاتا تھا، اس کے نیچے ہر صوبہ میں ایک ''داعی الکبیر'' ہوتا تھا، جس کے ماتحت بہت سے داعی ہر جگہ پھیلے ہوتے تھے۔ عام داعیوں کو ترقی دے کر رفیق کا درجہ دیا جاتا تھا پھر ان میں سے داعی الکبیر مقرر کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ حسن بن صباح نے ایک اور تحریک منظم کی جس کے اراکین فدائی کہلاتے تھے۔ یہ لوگ اپنی جان پر کھیل کر اس کا ہر حکم بجالاتے تھے۔ مشہور سیاح مارکو پولو جس نے 1272ء میں اس علاقے کا سفر کیا، لکھتا ہے کہ حسن بن صباح نے نہایت خوبصورت باغ لگوایا جس میں حسین و جمیل لڑکیاں موجود رہتی تھیں اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ نوجوان فدائیوں کی جماعت ہمیشہ حسن بن صباح کے پاس رہتی تھی، ان میں سے دو دو چار چار فدائیوں کو بھنگ پلا کر بے ہوش کر کے باغ میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ جب وہ ہوش میں آتے اور اپنے آپ کو سرسبز و شاداب باغ میں گل اندام لڑکیوں کے جھرمٹ میں پاتے۔ تو خیال کرتے کہ وہ حقیقی جنت میں پہنچ گئے ہیں۔ اس کے بعد انہیں جام کوثر کے بہانے دوبارہ

بھنگ پلادی جاتی اور بے ہوشی کی حالت میں باہر پہنچا دیا جاتا۔

اس تجربے سے گزرنے کے بعد اپنے امام پر فدائیوں کا یقین نہایت پختہ ہو جاتا تھا۔ حسن بن صباح جب کسی کو قتل کروانا چاہتا تو ان فدائیوں میں سے کسی کو بلا کر اس کا حکم دے دیتا اور کہتا کہ اس کے صلے میں اسے دوبارہ بہشت کی سیر کرائی جائے گی اور بالفرض وہ اس مہم میں مارا گیا تو بھی آخرت میں اسے ہمیشہ کیلئے جنت مل جائیگی۔ بھنگ کو عربی میں حشیش کہتے ہیں اس لئے اس جماعت کو حشیشین بھی کہا جاتا ہے۔

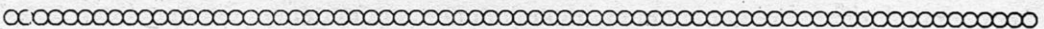
فدائیوں کے خنجر کا پہلا شکار نظام الملک طوسی تھا جسے 1092ء میں قتل کیا گیا، اس کے بعد وقتاً فوقتاً بہت سے لوگ بڑے پراسرار طریقہ سے قتل ہوتے رہے جن میں خلفاء، سلاطین، امراء اور علماء سب شامل تھے۔ ان واقعات سے ہر طرف خوف وہراس پھیل گیا۔ حسن بن صباح نے 1124ء میں وفات پائی۔ اس کے بعد یہ تحریک اس کے جانشینوں کے ہاتھ میں رہی جن میں رشید الدین سنان کا نام قابل ذکر ہے یہ شیخ الجبل کہلاتا تھا، اس نے مصیاد کے مقام کو اپنا مستقر بنایا۔

1256ء میں ہلاکو خان نے ''الموت'' کو فتح کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بڑی تعداد میں اسماعیلی تہ تیغ ہوئے، 1260ء میں تاتاریوں نے مصیاد پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد 1272 میں مملوک سلطان بیبرس نے شام کے باقی ماندہ فدائیوں کا بھی صفایا کر دیا۔

2.4 قرامطہ:

عبداللہ بن میمون کا ایک داعی حمدان نامی تھا جس کا لقب قرمط تھا۔ اس لفظ کے معانی میں اختلاف ہے، بعض عرب مؤرخین کے نزدیک حمدان چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اور چونکہ ایسے شخص کو عربی میں قرمط کہتے ہیں اس لئے وہ اسی لقب سے مشہور ہوا۔ اور اس کے پیرو قرامطہ (واحد قرمطی) کہلانے لگے۔

قرمط نے شروع میں کوفہ کو اپنا مرکز بنایا، جہاں حبشی غلاموں اور کاشتکاروں کی آبادی زیادہ تھی۔ یہ لوگ اپنے آقاؤں کے ہاتھوں سخت نالاں تھے جو ان کی کمائی کا بڑا حصہ لے جاتے تھے۔ حمدان قرمط نے ان لوگوں کو منظم کیا اور انہیں یقین دلایا کہ عنقریب امام اسمٰعیل ظاہر ہو کر انہیں تمام مظالم سے نجات دلائیں گے۔ اس پر عوام اس کے ساتھ ہو گئے اور یہ تحریک کافی زور پکڑ گئی۔



حمدان قرمط اگر چہ فرقہ اسماعیلیہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس نے نئے نئے مذہبی اور سماجی اصول وضع کیئے، اس نے اشتراکی اصولوں پر اپنی جماعت کی بنیاد رکھی۔ قرامطہ نے چندہ جمع کر کے ایک مشترکہ فنڈ قائم کیا جس سے ساری جماعت کی ضروریات پوری کی جاتی تھیں۔ ان میں باہمی مساوات قائم تھی، مختلف صنعتوں کی بنیاد پر پیشہ وروں کی تنظیم کی گئی۔ مذہب میں کئی تبدیلیاں کر کے اسے ایک نئی شکل دی، اس کا کہنا تھا کہ:

1۔ امام صرف سات ہیں:

i۔ امام حسین

ii۔ علی زین العابدین

iii۔ امام باقر

iv۔ امام جعفر صادق

v۔ امام اسماعیل

vi۔ امام محمد بن اسماعیل

vii۔ امام عبداللہ

2۔ بیت المقدس قبلہ ہے۔

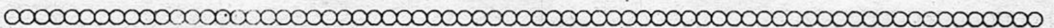
3۔ نمازیں صرف چار ہیں۔

4۔ سال میں صرف دو روزے فرض ہیں۔

5۔ شراب حلال ہے۔

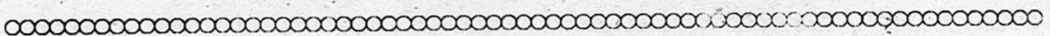
حمدان قرمط کے خطرناک عزائم کے پیش نظر حاکم کوفہ نے اسے قید کر دیا، مگر وہ ایک کنیز کی منت سماجت کر کے جیل خانہ سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا اس رہائی کو اس نے اپنی کرامت پر محمول کیا اور اس کے پیروؤں نے مشہور کرنا شروع کر دیا کہ اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اب اس نے عراق میں مزید قیام مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے شام چلا آیا۔

قرمط کے ایک پیروا ابوسعید جنابی نے بحرین میں اس قدر اثر و رسوخ حاصل کیا کہ 889ء میں اس نے وہاں ایک خود مختار حکومت قائم کر لی۔ جس کا صدر مقام احساء تھا۔ اگلے سال اس نے جنوبی عراق پر حملہ کیا اور خلیفہ معتضد کے لشکر کو شکست دے کر خوب لوٹ مار کی، اس کے دو سال بعد اس نے شام پر فوج کشی کی اور ہر طرف تباہی و بربادی پھیلا دی۔ 903ء



میں جنابی نے یمامہ کو فتح کر لیا اور عمان پر فوج کشی کی۔

301ھ(914ء) میں جنابی کے قتل کے بعد اس کا بیٹا ابو طاہر قرامطہ کا قائد بنا جو سفا کی اور ظلم و تشدد میں اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے تھا۔عراق،عرب اور شام میں قرامطہ نے اپنی تباہ کاریوں سے قیامت برپا کر دی تھی۔یہ لوگ حاجیوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے تھے،اس دوران خلیفہ بغداد کی طرف سے جس قدر فوجیں روانہ کی گئیں ان سب کو ناکامی ہوئی یہاں تک کہ 317ھ(930ء) میں ابو طاہر نے عین حج کے دن مکہ معظمہ پر حملہ کر دیا۔اس نے حاجیوں کا قتل عام کیا،خانہ کعبہ کی بے حرمتی کی،غلاف کو پھاڑ ڈالا،خانہ کعبہ کو لوٹا اور جاتے ہوئے حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔پورے بیس سال تک حجر اسود ان کے پاس رہا،اس کے بعد فاطمی خلیفہ منصور جسے وہ اپنا پیشوا تسلیم کرتے تھے،کے حکم سے انہوں نے اس پتھر کو واپس کیا۔ابو طاہر کی یہ لوٹ مار ایک عرصہ تک جاری رہی،یہاں تک کہ 323ھ میں اس کے خوف سے کوئی مسلمان حج کو نہیں گیا۔عباسی خلفاء میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ قرامطہ کو مغلوب کر سکتے۔ان حالات میں نہ جانے یہ فتنہ کیا گل کھلاتا مگر 326ھ میں خود قرامطہ کی جماعت میں پھوٹ پڑ گئی جس سے ان کا زور ٹوٹ گیا۔



خود آزمائی:

1۔ قراءسبعہ سے کیا مراد ہے؟ ان کے نام لکھیے۔

2۔ اعجاز القرآن پر عہد عباسیہ میں کیا کام ہوا؟ مختصراً بیان کیجئے۔

3۔ تفسیر بالماثوراور تفسیر بالرائے سے کیا مراد ہے۔

4۔ چوتھی صدی ہجری میں علم حدیث پر لکھی جانے والی کتب میں سے چند ایک کا تعارف کرائیے۔

5۔ اہل الحدیث اور اہل الرائے کی اصطلاح کن کیلئے استعمال کی جاتی تھی؟

6۔ امام ابوحنیفہ نے فقہ اسلامی کی تدوین کے سلسلے میں کیا خدمات سرانجام دیں؟

7۔ علم الکلام سے کیا مراد ہے اور اسلامی علم کلام کیوں وجود میں آیا؟

8۔ علم الکلام میں امام غزالی کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

9۔ تیسری صدی ہجری میں علم تاریخ میں ہونے والے کام کا جائزہ پیش کیجئے۔

10۔ تاریخ بغداد کس کی تصنیف ہے اور یہ کتنی جلدوں میں لکھی گئی؟

11۔ مسلمانوں نے عہد عباسیہ میں آنکھوں کی بیماریوں پر کیا تحقیقات کیں؟

12۔ عباسی حکومت میں ہسپتالوں میں مریضوں کو کیا سہولیات فراہم کی جاتی تھیں؟

13۔ علم کیمیا میں جابر بن حیان کے کارناموں پر روشنی ڈالیے۔

14۔ روشنی کے بارے میں ابن الہیثم کے ان قوانین کو بیان کیجئے جو آج بھی تسلیم کئے جاتے ہیں۔

15۔ جمعیت اخوان الصفاء نے علم طبعیات میں کیا خدمات سرانجام دیں؟

16۔ مامون الرشید کے دور میں کون کون سی رصدگاہیں قائم کی گئیں؟

17۔ زمین کا محیط معلوم کرنے کے لیے مسلمان سائنسدانوں کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

18۔ عمر خیام کا تیار کردہ شمسی کلینڈر موجودہ گریگورین کیلنڈر سے کیوں زیادہ بہتر ہے؟

19۔ الخوارزمی نے علم ریاضی میں کیا خدمات سرانجام دیں؟

20۔ مسلمان سائنس دانوں نے علم جغرافیہ میں بطلیموس کی کن غلطیوں کی تصحیح کی؟

21۔ سیبویہ کون تھا اور اس نے کون سی کتاب تحریر کی؟

22۔ عباسی دور کے چند فارسی شعراء کے نام لکھیے۔

23۔ متوکل باللہ نے علویوں کے ساتھ کس سلوک کا مظاہرہ کیا؟

24۔ عباسی عہد میں شعراء کے درمیان گروہ بندی کے کیا اسباب تھے؟

25۔ معتزلہ کے عقائد کیا تھے؟

26۔ فرقہ اسماعیلیہ کب وجود میں آیا؟

27۔ اسماعیلیہ کے عقائد پر روشنی ڈالیے۔

28۔ ابوطاہر قرامطی نے عرب اور شام میں کیا مظالم ڈھائے، مختصراً بیان کیجئے۔

یونٹ نمبر 5

سپین میں مسلمانوں کا عروج وزوال،
مصر اور شمالی افریقہ کی مسلم حکومتیں

تالیف

محی الدین ہاشمی

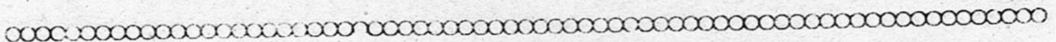
نظر ثانی

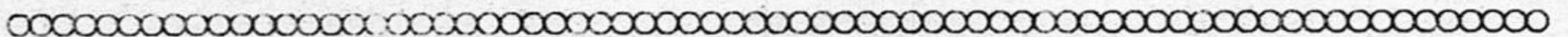
ڈاکٹر محمد سجاد



علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات





یونٹ کا تعارف:

سپین براعظم یورپ کا ایک جزیرہ نما ہے، یہ علاقہ بنوامیہ کے عہد میں شمالی افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر کی ہدایات پر اس کے ایک سالار طارق بن زیاد کے ہاتھوں فتح ہوا، بنوامیہ کے زوال کے بعد ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن فرار ہو کر یہاں پہنچا اور کسی طرح ایک آزاد حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ عبدالرحمٰن کے بعد اس کی اولاد میں سے عبدالرحمٰن ثانی، عبدالرحمٰن ثالث اور الحکم ثانی نے اپنی محنت، قابلیت، صلاحیت اور عزم وحوصلے سے اپنی حکومت کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ لیکن افسوس کہ بعد کے حکمرانوں کی نااہلی اور اپنوں ہی کی غداری کی وجہ سے سپین سے مسلمانوں کو اس طرح نکلنا پڑا کہ وہاں ایک بھی مسلمان باقی نہ رہا۔ سپین کی تاریخ، مسلمان قوم کے عروج وزوال کی مکمل داستان ہے۔

اس یونٹ میں آپ عہد بنوعباس کے دوران مصر اور شمالی افریقہ میں قائم ہونے والی خود مختار حکومتوں یعنی دولت ادریسیہ، دولت اغلبیہ، دولت طولونیہ، دولت عبیدیہ اور مصر کی عباسی حکومت اور ان کے عروج وزوال کا بھی جائزہ لیں گے۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہوجائیں گے کہ:

1۔ سپین میں اموی حکومت کے قیام پر روشنی ڈال سکیں۔
2۔ اس دور میں جس طرح ملکی فتوحات ہوئیں ان سے آگاہی حاصل کرسکیں۔
3۔ عبدالرحمٰن ثانی اور عبدالرحمٰن ثالث کے دور حکومت کی خصوصیات کا جائزہ لے سکیں۔
4۔ اس بات کا اندازہ کرسکیں کہ جس قوم نے مدتوں تک نہایت شان وشوکت سے حکومت کی اس کا انجام اس قدر المناک کیوں کر ہوا۔
5۔ طوائف الملوکی کے زمانے میں مختلف خاندانوں کے کردار اور حالات سے آگاہ ہوسکیں۔
6۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے کردار اور خدمات پر روشنی ڈال سکیں۔
7۔ مصر میں عباسی خلافت کی حیثیت کے بارے میں جان سکیں۔

1۔ سپین میں مسلمانوں کا عروج وزوال

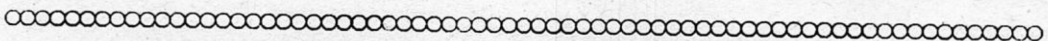
اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے سپین کو فتح کرلیا تھا۔ موسی بن نصیر کو جب خلیفہ کی طرف سے حکم ملا کہ طارق بن زیاد کو ساتھ لے کر واپس شام آجائے تو اس نے قرطبہ کو سپین کا دارالحکومت قرار دے کر اپنے بیٹے عبدالعزیز کو وہاں کا حاکم بنادیا۔

چنانچہ عبدالعزیز کو پہلا امیرِ اندلس کہا جاتا ہے۔ امیر عبدالعزیز کے بعد اندلس کے حاکم یکے بعد دیگرے کبھی دربار خلافت سے، کبھی ممالکِ مغربیہ کے والی کے دربار اور کبھی مسلمانانِ اندلس کے انتخاب سے مقرر ہوتے رہے۔ اندلس کے ان حاکموں کو امیرانِ اندلس کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

بدقسمتی سے اندلس میں ابتداًہی سے اندرونی خلفشار نے سر اٹھالیا۔ اس کی وجہ دراصل عربوں اور بربریوں کی باہمی مناقشت تھی۔ طارق بن زیاد کے ہمراہ زیادہ تر شمالی افریقہ کے بربر قبائل آئے تھے مگر ان کی فتوحات کا ثمرہ موسیٰ بن نصیر کے عرب قبائل نے اچک لیا۔ بربریوں کو اندلس کا پہاڑی اور غیر زرخیز علاقہ حفاظت کیلئے تفویض کردیا گیا، اس طرزِعمل نے اندلس میں عربی اور بربریوں کے درمیان نفاق اور جنگ کا وہ سدابہار بیج بودیا جو بالآخر مسلمانوں کے سپین سے اخراج پر منتج ہوا۔

اموی خلفائے بغداد نے بھی اندلس کے معاملات میں براہِ راست زیادہ دلچسپی نہ لی، نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس افریقہ کے صوبے کا ایک انتظامی یونٹ بنا رہا۔ افریقہ کا گورنر اپنی مرضی اور بعض اوقات خلیفۂ بغداد کو اطلاع کئے بغیر ہی اندلس میں حکمران مقرر کردیتا تھا۔ اس دوعملی سے اندلس کا نظم ونسق بالکل تباہ ہوگیا تھا۔

علاوہ ازیں عرب قبائل کی باہمی رقابتیں بھی ازسرنو ابھر آئیں، مضری اور یمنی قبائل کی باہمی دشمنی نے معاملات کو اور بگاڑ دیا اور ملک صحیح معنوں میں بدنظمی اور بدامنی کا اکھاڑہ بن گیا۔ عربوں کے قبائلی مناقشات نے ایسی بھیانک صورت اختیار کرلی کہ جب عبدالرحمٰن اموی جان بچا کر شمالی افریقہ پہنچا تو وہ مٹھی بھر بربریوں کی مدد سے اندلس کی شامی حکومت کو شکست دے کر چند سالوں میں پورے اندلس پر قابض ہوگیا۔



1.1 عبدالرحمن الداخل (138ھ تا 172ھ بمطابق 756ء تا 788ء):

132ھ میں جب بنوعباس نے دمشق کی اموی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور شاہی خاندان کے افراد کو چن چن کر قتل کیا گیا تو بنوعباس کے دست انتقام سے جو چند اموی اشراف بچ گئے۔ انہی میں عبدالرحمن نامی ایک بیس سالہ نوجوان بھی تھا، جو دسویں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا پوتا تھا۔ قدرت نے اس نوجوان کو غیر معمولی صلاحیت اور ذہانت عطا کی تھی، یہ عباسی سپاہ سے بچتا ہوا اور پانچ سال تکقبیلہ درقبیلہ پھرتا ہوا شمالی افریقہ جا پہنچا۔ اس کی ماں چونکہ قبوطہ کے بربری قبیلہ نفزہ کی ایک عورت تھی جس کی وجہ سے بربر قبائل نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا اور اسے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

اندلس کے جنوب میں دمشق کی شامی فوجیں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں۔ عبدالرحمن نے ان شامی فوجوں میں اتنا اثر ورسوخ پیدا کرلیا کہ آخرکار انہوں نے عبدالرحمن کو اپنا امیر بنالیا۔ اس کی قیادت میں یہ فوجیں جنوبی اندلس کے تمام شہروں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کرتی چلی گئیں اور کئی سالوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد تقریباً پورے ملک پر عبدالرحمن کا قبضہ ہوگیا۔ اب عبدالرحمن الدخل نے عباسی خلیفہ کا نام خطبے سے نکال دیا اور ایک آزاد اموی ریاست کی بنیاد رکھی، اس نے اپنے لئے خلیفہ کے بجائے امیر کا لقب پسند کیا۔ عبدالرحمن نے بربریوں کی مدد سے اندلس کو فتح کیا تھا چنانچہ اس نے بربریوں کی ایک منظم فوج تیار کی اور ان کے ساتھ بڑی فیاضی سے سلوک کیا، اس طرح بربر قبائل اس کے جانثار بن گئے۔

عبدالرحمن کو بار بار مختلف بغاوتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ عباسی حکمران اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ بربروں اور عربوں کو عبدالرحمن کے خلاف اکساتے تھے۔ چونکہ عبدالرحمن اندلس میں اجنبی تھا اور کوئی خاص قبیلہ یا گروہ اس کی حمایت پر نہیں تھا اس وجہ سے یہ سادہ لوح عرب اور بربر عباسیوں کے ایجنٹوں کے جھانسے میں آجاتے اور علم بغاوت بلند کردیتے تھے۔ ان باغیوں میں سرفہرست یوسف الفہری سابق امیر اندلس کا نام آتا ہے جو اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے یمنی قبائل کو ساتھ لے کر اشبیلیہ پر حملہ کردیا لیکن سن 58-756ء میں مصارہ اور لکسہ پر اسے پے در پے شکستیں ہوئیں۔ اس کے بعد اس کے ساتھی اس سے علیحدہ ہوگئے اور انہوں نے یوسف کو قتل کرکے اس کا سر عبدالرحمن کو پیش کردیا۔

عباسی خلیفہ منصور کو جب یہ معلوم ہوا کہ عبدالرحمن نے اس کا نام خطبۂ جمعہ سے خارج کرکے اپنی آزادی کا اعلان کردیا ہے، تو اس نے اپنے افریقی سپہ سالار علاء بن مغیث کو ہدایت کی کہ وہ اندلس پر چڑھائی کرے۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر یوسف بن عبدالرحمن کے ایک عزیز ہاشم بن عبداللہ خیری نے جو شہر طلیطلہ کا رئیس تھا، بربریوں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ

ملا لیا اور علاء بن مغیث کے ساتھ مل کر اندلس پر حملہ کر دیا۔ عبدالرحمن کو اب دو محاذوں پر لڑنا پڑ رہا تھا، لیکن اس نے میدانِ جنگ میں علاء بن مغیث کو شکست فاش سے دوچار کیا اور دشمن کے بڑے بڑے سرداروں اور سپہ سالار کے سر خلیفہ منصور کے پاس بھیج دیئے۔ اس مہم سے فارغ ہو کر عبدالرحمن نے باغیانِ طلیطلہ کا قلع قمع کیا اور بعد میں یمنیوں کی ایک بغاوت کو فرو کیا۔

عبدالرحمن کا ایک قابل ذکر مخالف گروہ ان عیسائیوں کا تھا جنہوں نے جبل البرکات میں ایسٹریاس کی ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی تھی۔ عبدالرحمن کی مصروفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں کے حکمران فرڈی نینڈ نے مسلمانوں پر پے درپے حملے شروع کر دیئے اور جنوبی فرانس کے وہ علاقے جن پر مسلمانوں نے قبضہ کیا ہوا تھا واپس چھین لئے۔

777ء میں فرانس کے بادشاہ شارلیمان نے ایسٹریاس کی حکومت اور اندلس کے باغی سرداروں ابوالاسود بن یوسف الفہری، عبدالرحمن بن حبیب اور برشلونہ کے گورنر سلیمان بن یقظا الاعرابی کو اپنے ساتھ ملا کر سپین پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ جب شارلیمان جبل البرانس سے گزر کر سپین میں داخل ہوا تو باغی عرب سرداروں میں دیرینہ تعصب کی بنا پر پھوٹ پڑ گئی۔ سلیمان اور عبدالرحمن بن حبیب کی مناقشت یہاں تک بڑھی کہ ابن حبیب مارا گیا۔ ادھر شارلیمان جب کچھ شمالی علاقوں کو فتح کرتا ہوا سرقسط تک پہنچا تو شہریوں نے اس کا زبردست مقابلہ کیا اور اپنے گورنر حسین بن یحییٰ انصاری کی قیادت میں اسے بری طرح شکست دی۔ اسی اثناء میں فرانس میں سیکسنوں کی بغاوت کی خبر نے شارلیمان کو اور بھی پریشان کر دیا اور اس نے ناکام واپس جانے کی ٹھانی اور جاتے وقت سلیمان الاعرابی کو غدار سمجھ کر پکڑ لیا۔ اس پر سلیمان کے بیٹوں نے اس کی فوج کے عقب پر حملہ کر کے اپنے باپ کو رہا کرا لیا۔ ساتھ ہی بسکنس کے لوگوں نے رونسیوو کی تنگ گھاٹی میں ایسا دھاوا بولا کہ فرانسیسی فوج بالکل تباہ ہوگئی۔ بعد ازاں عبدالرحمن خود فرانسیسیوں کے تعاقب میں جنوبی فرانس تک گیا اور کئی قلعوں کو مسمار کر ڈالا۔ آخر کار شارلیمان نے عبدالرحمن سے صلح کر لی۔

عبدالرحمن کو علم و ادب کی اشاعت کا خاص طور پر شوق تھا، وہ لوگوں میں علم کا شوق پیدا کرنے کیلئے مشاعرے اور مناظرے کی مجالس قائم کرتا اور خود بھی ان میں شریک ہوتا تھا۔ اس نے مختلف ممالک سے علماء وفضلاء کو سپین بلایا اور ان کی خوب قدردانی کی۔

عبدالرحمن نے ہر جگہ مساجد اور رفاہِ عامہ کی عمارات تعمیر کرائیں، دارالحکومت قرطبہ کی شان و شوکت بڑھانے کیلئے اس نے خوبصورت عمارات بنانے میں زیادہ توجہ صرف کی۔ شہر میں صاف پانی پہنچانے کیلئے ایک تالاب کھدوایا۔ شہر کے

اطراف میں ایک فصیل تیار کرائی اور شام کے اپنے ایک آبائی محل کے نمونہ پر اپنے لئے شہر قرطبہ کے باہر ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ اس نے ملک میں سڑکوں کا جال بچھایا، ڈاک کا بہترین انتظام کیا، ہر پڑاؤ پر گھوڑے رکھے تاکہ ملک کے ہر حصہ سے جلد از جلد اطلاعات دارالخلافہ پہنچ سکیں۔

عبدالرحمٰن نے اپنی وفات سے دو سال پہلے 786ء میں مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے نمونے پر قرطبہ کی جامع مسجد بنوانی شروع کی۔ اس مسجد کی تکمیل اور توسیع اس کے جانشینوں نے کی اور بہت جلد یہ مسجد مغرب میں اسلام کی مشہور عبادت گاہ بن گئی۔

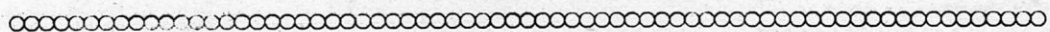
1.2 ہشام بن عبدالرحمٰن (172ھ تا 180ھ بمطابق 788ء تا 796ء):

عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ہشام 33 سال کی عمر میں سپین کا امیر مقرر ہوا۔ اس کے دو بھائیوں سلیمان اور عبداللہ نے اس کے انتخاب کو تسلیم نہ کیا اور بغاوت کردی۔ وہ ہشام کے مقابلہ میں آئے مگر یکے بعد دیگرے دونوں بھائیوں کو شکست ہوئی، مجبوراً انہوں نے معافی کی درخواست کی۔ ہشام نے ان کی خطا معاف کر کے ان کے ساتھ عزت وتکریم کا برتاؤ کیا۔

بھائیوں کی بغاوت سے فارغ ہو کر ہشام نے جنوبی فرانس پر حملہ کیا اور تمام جنوبی فرانس اور شہر ناربون' جو عرصہ تک صوبہ بونیہ کے مسلمان گورنر کا دارالحکومت رہ چکا تھا' دوبارہ فتح کرلیا۔ واپسی پر ایسٹریاس کے عیسائیوں نے مسلمانوں کی فوج کے عقبی حصے کو لوٹنے کی کوشش کی جس پر ہشام نے اپنے وزیر یوسف بن بخت کو ان کی سرکوبی کیلئے بھیجا۔ ایسٹریاس کے عیسائی مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور ان کا حاکم گرفتار کرلیا گیا اور اداءِ خراج کے وعدے پر یہ علاقہ اسی کو واپس کردیا کیونکہ اس علاقہ کو مسلمانوں نے اپنی سکونت کے لائق نہیں پایا تھا۔

سلطان ہشام نے مسجدِ قرطبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا خاص اہتمام کیا۔ جنوبی فرانس اور عیسائی صوبوں سے جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا اس میں سے تقریباً 45 ہزار اشرفیاں اس کی تعمیر پر خرچ کیں۔

ہشام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سپین میں عربی کو لازمی قرار دیا جس کی وجہ سے نہ صرف اسلام کی اشاعت میں بڑی مدد لی بلکہ چند ہی سالوں میں سپین کی مقامی عیسائی آبادی نے مسلمانوں کے افکار، طرزِ معاشرت اور



تہذیب وتمدن کو اختیار کرلیا اور مسلمانوں کے عیسائی آبادی سے قریبی تعلقات قائم ہو گئے۔

ہشام نے اپنے عہد میں مالکی فقہ کو ریاستی قانون کی بنیاد قرار دیا۔ وہ امام مالکؒ سے بہت متاثر تھا اور امام مالک بھی ہشام کی بڑی قدر ومنزلت کرتے تھے۔ سلطنتِ عباسیہ کی حدود میں رہنے کے باوجود وہ صرف ہشام کو خلیفۃ المسلمین ہونے کا مستحق گردانتے تھے کیونکہ وہ عباسی خلفاء کے برعکس نہایت ہی عابد وزاہد، عقلمند اور بہادر تھا۔ وہ سادہ لباس پہنتا تھا، غریبوں کی شکایات سنتا اور ان کے مصائب دور کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ہشام نے سرکاری خزانہ سے ایسے افراد کیلئے وظائف مقرر کئے جو امام مالکؒ کی خدمت میں فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے جاتے تھے۔

1.3 الحکم اوّل (180ھ تا 206ھ بمطابق 796ء تا 822ء)

ہشام کے بعد اس کا بیٹا الحکم اول سپین کے تخت پر بیٹھا۔ مؤرخ ابنِ اثیر کے قول کے مطابق وہ صاحبِ علم ودانش اور باہمت حکمران تھا، مگر ساتھ ہی شان وشوکت کا دلدادہ شکار کا شوقین، عیش ونشاط کی محفلوں کو پسند کرتا اور گویوں کو انعام واکرام سے نوازتا تھا۔

حکم کو تخت پر بیٹھے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ مراکش میں اس کے دونوں چچاؤں عبداللہ اور سلیمان نے اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ اولاً عبداللہ نے سمندر کو عبور کر کے بلنسیہ پر قبضہ کیا اور پھر عبداللہ اور سلیمان دونوں مل کر حکم کے خلاف میدانِ جنگ میں اترے۔ لڑائی میں سلیمان مارا گیا جبکہ عبداللہ نے حکم کے پاس معافی کی درخواست بھیج دی جسے اس نے قبول کرلیا۔ 181ھ میں طلیطہ کے باشندوں نے بغاوت کی مگر حکم کے گورنر عمرو بن یوسف نے بڑی سختی سے باغیوں کی بیخ کنی کر دی۔ قرطبہ کے لوگوں نے بھی شورش برپا کی مگر اسے دبا دیا گیا۔

حکم کی مصروفیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرانسیسیوں نے سپین کی اسلامی مقبوضات پر دست درازی شروع کر دی۔ شارلیمان نے حکم کے دشمنوں کی پشت پناہی کی مگر حکم نے عیسائیوں کو متعدد معرکوں میں شکست دے دی۔ بالآخر شاہِ فرانس شارلیمان کو اس سے صلح کا عہد نامہ کرنا پڑا۔

1.3.1 وفات اور کارنامے:

حکم نے 206ھ (822ء) میں وفات پائی۔ وہ اپنے عہد کا سخت گیر حکمران اور وہ پہلا شخص تھا جس نے سپین میں



فوج کومنظم کیا۔اس کے عہد میں اندلسی مسلمان اور عیسائی بکثرت آپس میں شادیاں کرتے تھے اور ایسے جوڑوں کی اولاد کو مولدین کہتے تھے۔ خالص عربی النسل لوگ ان مولدین کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے تھے اور انہیں حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز نہ ہونے دیتے تھے۔ حکم نے اس غیر اسلامی رجحان کو کم کرنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دونوں گروہوں کی نظروں میں گر گیا۔

1.4 عبدالرحمٰن ثانی (206ھ تا 238ھ بمطابق 822ء 852ء):

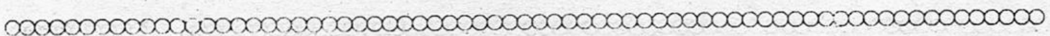
الحکم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی تخت پر بیٹھا۔اس کے عہد میں نارمن سپاہیوں نے سپین کے ساحلی مقامات پر لوٹ مار شروع کردی مگر اسلامی بحری بیڑے اور بری فوج نے ان کی سرگرمیوں کا مناسب تدارک کیا۔شاہِ فرانس کی شہ پر مریڈا اور ٹولیڈو کے عیسائیوں نے بھی شورشیں برپا کیں مگر انہیں سختی سے دبادیا گیا۔

اسلام کے خلاف مسیحی تحریک کا آغاز اسی خلیفہ کے عہد میں ہوا۔عبدالرحمن نے اسے نرمی سے دبانے کی کوشش کی مگر اسے کامیابی نہ ہوئی، نتیجتاً اسے بہت سے سرغنوں کو سخت سزائیں دینا پڑیں۔

1.4.1 سیرت اور کارنامے:

عبدالرحمٰن ثانی اپنے والد کے برعکس علوم وفنون کا دلدادہ تھا اور اکثر علماء وفضلاء کو اس کی سرپرستی حاصل تھی۔موسیقی سے اسے خاص لگاؤ تھا، رفتہ رفتہ موسیقی سے دلچسپی سپین کے عربوں کی ثقافت کا حصہ بن گئی۔

عبدالرحمٰن ثانی کے عہد میں رعایا فارغ البال تھی، ملک بھر میں متعدد عالیشان محلات تعمیر کئے گئے، سڑکیں اور شاہراہیں تیار کی گئیں، ڈاک کا بہترین نظام کیا گیا اور مساجد، مدرسے اور شفاخانے بکثرت تعمیر ہوئے۔ ملک کے دفاعی انتظامات کو تکمیل تک پہنچانے کی خاطر اس نے ایک شاندار بحری بیڑہ تیار کیا اور قرطاجنہ اور قادلیس کے مقامات پر اسلحہ سازی کے کارخانے کھولے۔عبدالرحمٰن کے عہد کی شاندار تہذیبی روایات اور عربوں کی خوش وضعی کے انداز دیکھ کر اہلِ یورپ نے بھی اپنے تہذیبی ڈھانچہ میں عربوں کا تہذیبی رنگ بھرا۔



1.5 محمد اوّل (238ھ تا 273ھ بمطابق 852ء تا 886ء):

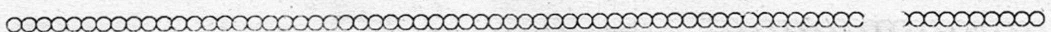
عبدالرحمن ثانی کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت پر بیٹھا۔ اس نے اندلس کی حکومت کو باقاعدہ اصولوں پر منظم کیا اور ملکی انتظامات کیلئے قواعد وضوابط مرتب کئے۔ اس نے ایسے منصب داروں کو معزول کیا جو دیندار نہ تھے اور ان کی جگہ متشرع لوگوں کو مقرر کیا۔

متعصب عیسائیوں اور باغیوں کے سلسلے میں اس نے باپ کی نرم روی کو ترک کر دیا۔ طلیطلہ کے لوگوں نے جب بغاوت کی تو اسے بڑی سختی سے دبایا گیا۔ سرحدی عیسائی شہزادوں اور شاہ فرانس کی شہ پر ملک میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوا مگر محتاط طبیعت اور دانشمندی کے باعث سپین میں عربوں کی سلطنت پارہ پارہ ہونے سے بچ گئی اور ناخوشگوار حالات کے باوجود عوام کی حالت بہتر رہی۔ (886ء) میں محمد کا انتقال ہو گیا، اس کی معیادِ حکمرانی 34 سال اور کچھ ماہ تھی۔

محمد علوم وفنون کا سرپرست تھا، وہ خود ایک اچھا شاعر وخطیب تھا اور اس کا شمار اپنے زمانے کے بہترین خطاطوں میں ہوتا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کا عہد مسلسل بدعنوانیوں اور مصائب کا دور بنا رہا۔ اندرونی بغاوتوں کے علاوہ ملک میں زلزلے، وباء اور قحط سالی کی بلائیں نازل ہوتی رہیں، مگر ان مصائب میں وہ نہ گھبرا اور سلطنت کو روبہ تنزل ہونے سے بچانے کی سعی کرتا رہا۔

1.6 منذر بن محمد (273ھ تا 275ھ بمطابق 882ء تا 888ء):

امیر منذر اپنے باپ محمد کی وفات کے بعد چوالیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ چونکہ اس کی عمر جنگی معرکوں میں گزری تھی اس لئے اسے مہمات کا تجربہ تھا مگر اس کے عہد میں ملک کی حالت بہت بگڑ گئی۔ سرحدی عیسائیوں نے سرحدی قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ ابن حفصون، جس نے محمد کے عہد میں بغاوت کی تھی، نے پھر سر اٹھایا اور جب منذر اس کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوا تو وہ قلعہ بند ہو کے بیٹھ گیا۔ ابھی حفصون سے کشمکش کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ منذر کے سوتیلے بھائی عبداللہ نے سازش کرکے اسے مروا ڈالا۔



1.7 عبداللہ بن محمد (275ھ تا300ھ بمطابق 888ء تا913ء):

منذر کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اس کے انتقال کے بعد اس کا بھائی عبداللہ بن محمد تخت پر بیٹھا۔ عبداللہ کے عہد میں ملک میں انتشار بہت پھیل گیا تھا، تخت نشین ہوئے اسے ابھی تین سال نہ ہوئے تھے کہ اندلس کے بہت بڑے حصے میں عرب امراء نے جابجا خود مختار ریاستیں قائم کر لیں' لورقا اور سرقسطہ نے حکومت قرد بہ سے علیحدگی اختیار کر لی' بربری امراء نے سپینکے مغربی اور پرتگال کے جنوبی اضلاع پر قبضہ کر لیا اور سیاسی طور پر خود مختار ہو گئے اور سرحدی ڈاکو ابن حفصون نے غرناطہ کے پہاڑی علاقہ میں اپنی ریاست قائم کر لی۔

عبداللہ نے کل 24 برس حکومت کی اور 68 سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اس کی حکومت کے ابتدائی پندرہ سالوں میں عیسائیوں نے جابجا شورشیں برپا کیں جس سے ملک میں عدمِ استحکام آیا مگر آخری سالوں میں تجارت، زراعت اور صنعت کو فروغ حاصل ہوا۔

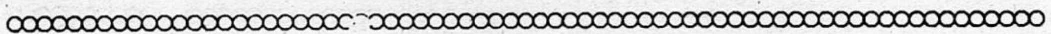
1.8 عبدالرحمٰن ثالث (300ھ تا350ھ بمطابق 913ء تا961ء):

عبداللہ نے اپنے تمام بیٹوں کی موجودگی میں اس بات کا اعلان کیا تھا کہ اس کی وفات کے بعد اس کا جانشین اس کا پوتا عبدالرحمٰن ہوگا۔ چنانچہ عبداللہ کی وفات کے بعد عبدالرحمٰن اکیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔

1.8.1 پالیسیاں اور کارنامے:

تخت نشین ہوتے ہی عبدالرحمٰن نے کئی ناجائز ٹیکس معاف کر دیئے س نے اپنی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے اعلان کیا کہ جو سرکش امراء فوراً ہتھیار ڈال کر حلفِ وفاداری اٹھا لیں گے ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی بہت سے عیسائی اور مسلمان قلعہ داروں، رئیسوں اور جاگیرداروں نے عبدالرحمٰن ثانی کی اطاعت قبول کر لی۔

اندرونی جھگڑوں کو رفع کرنے کے بعد سلطان عبدالرحمان گردونواح کی ریاستوں کی طرف متوجہ ہوا۔ سب سے



پہلے اس نے ابن حفصون کی سرکوبی کی پھر ایک سال کی جنگ کے بعد ریاست طلیطلہ کی عیسائی ریاست کو فتح کرلیا۔ جب ابنِ حفصون مرگیا تو سیرانیا کے علاقہ کو عبدالرحمٰن نے اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔ ان دنوں جب مراکش میں ادریسی خاندان کے خاتمے پر بدامنی شروع ہوئی تو اس نے اپنا بحری بیڑہ روانہ کردیا جس پر مختلف سرداروں نے فوراً عبدالرحمٰن کی سیادت کو قبول کرلیا اور یوں 919ء میں مراکش سپین کی اسلامی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔ سرقسطہ کے گورنر محمد بن ہشام نے عیسائی ریاستوں سے ساز باز کرکے بغاوت کی، مگر عبدالرحمٰن نے سب کو شکست دے کر محمد بن ہشام کو گرفتار کرلیا۔ جلیقیہ، لوار اور لیون کی عیسائی ریاستوں نے بھی سلطان کی عسکری قوت کا لوہا مان کر اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرلئے۔

فوجی کارناموں کے علاوہ عبدالرحمٰن نے علم وادب کی بڑی سرپرستی کی، اس نے قرطبہ میں بے شمار مدارس قائم کئے جہاں طلباء کی رہائش اور خوردونوش کے مصارف شاہی خزانے سے ادا کئے جاتے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، طب اور ہیئت کے بے شمار عالم اس کے دربار کی زینت تھے۔ خلیفہ عبدالرحمٰن نے اپنے عہدِ حکومت میں بہت سی عمارتیں بنوائیں، بے شمار باغات لگوائے، کئی خوبصورت مساجد اور محلات تعمیر کرائے جن میں بعض عمارات اب تک موجود ہیں۔

1.8.2 عبدالرحمٰن کا انتظامِ سلطنت:

عبدالرحمٰن کے حسنِ انتظام کے متعلق مسلم وغیر مسلم مؤرخین رطب اللسان ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق عبدالرحمٰن کی مساعی کی بدولت سپین دنیا کی طاقتور مملکتوں میں شمار ہونے لگا۔ سڑکیں محفوظ تھیں اور مسافر اور تاجر بلا روک ٹوک ملک کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک سفر کرسکتے تھے۔ ملک میں صنعت وحرفت ترقی پر تھی اور ملک کی تجارت کا یہ عالم تھا کہ حکومت کو صرف غیر ملکی محاصل سے ایک کروڑ بیس لاکھ دینار حاصل ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ حکومت کے ذرائع آمدن بے شمار تھے۔ ملک کی حفاظت کے لیے ایک طاقتور فوج اور زبردست بحری بیڑہ ہر وقت تیار رہتا تھا۔

عبدالرحمٰن نے قرطبہ شہر میں گھر گھر پائپ لائنوں کے ذریعے پانی پہنچانے کا انتظام کیا۔ اس وقت قرطبہ کی آبادی دس لاکھ سے زائد تھی، جس میں دولاکھ مکانات، اسی ہزار چار سو دکانیں، تین ہزار مساجد، سات سو حمام اور چار ہزار تین سو گودام تھے۔ ساری سڑکیں پتھر کی تھیں، شہر سے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر اس نے قصر الزہراء تعمیر کرایا جس کے اردگرد مدینۃ الزہراء کے نام سے ایک شہر آباد ہوگیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

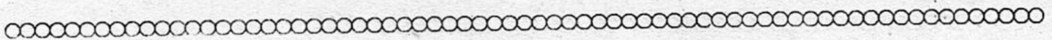
عبدالرحمن الناصر کے سنہری کارناموں کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ نہ صرف سپین کے اموی حکمرانوں میں سب سے زیادہ لائق تھا بلکہ ایک لحاظ سے وہ سپین میں مسلمانوں کی عظمت کو بچانے والا تھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت سپین میں مسلمانوں کی حالت دگرگوں تھی اور اموی حکومت قرطبہ اور اس کے گردونواح تک محدود تھی مگر چند ہی سالوں کے اندر اس نے باغیوں کا قلع قمع کیا، عیسائی طاقت کو نیچا دکھایا اور ملک میں کامل امن و امان قائم کیا۔ محاصل کی فراوانی سے سلطنت کی آمدنی میں اس قدر حیرت انگیز اضافہ ہوا کہ اس کی آمدنی یورپ کی عیسائی طاقتوں کی مجموعی آمدنی سے بھی زیادہ ہوگئی۔ 327ھ میں عبدالرحمٰن نے امیر المومنین اور ناصرلدین اللہ کا لقب اختیار کیا۔ سپین کے اموی حکمرانوں میں یہ پہلا شخص تھا جس نے اپنے آپ کو خلیفہ کہلوانے کی جرأت کی تھی۔ اس سے پہلے سپین کے اموی حکمران امیر کہلاتے تھے جبکہ خلیفہ کا لقب صرف بغداد کے عباسی حکمرانوں کیلئے مخصوص تھا۔

1.9 الحکم ثانی (350ھ تا 366ھ بمطابق 961ء تا 976ء):

عبدالرحمٰن ثالث کی وفات کے بعد اس کا بیٹا حکم ثانی المستنصر باللہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ وہ ایک عالم اور علم پرور حکمران تھا، اس کا علمی انہماک اس قدر تھا کہ اس کے بارے میں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی کہ وہ تلوار کا دھنی نہیں ہے۔ چنانچہ لیون، نویرہ اور قشتالہ کے عیسائیوں نے صلح کے معاہدے توڑ کر جارحانہ کارروائیاں شروع کر دیں مگر حکم نے انہیں عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ اس طرح اس نے اپنی سپینی قلمرو کو نہ صرف مستحکم کیا بلکہ اسے وسعت بھی دی۔

حربی صفات اور انتظامی قابلیتوں سے بہرہ ور ہونے کے علاوہ حکم ثانی علماء کے حق میں بہت سخی تھا۔ اس کے دربار میں علماء اور فلسفیوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا، بغداد، مصر اور ایشیائی شہروں سے علوم قدیم و جدید کے نادر نسخے منگوایا کرتا تھا۔ مؤرخ ابوالفراج اصفہانی جب اپنی کتاب ''الاغانی'' کو ابھی لکھ رہے تھے کہ حکم ثانی نے انہیں ایک ہزار دینار بھیج دیے کہ وہ کتاب کو ختم کرتے ہی اس کی ایک نقل جلد قرطبہ روانہ کر دیں۔ ملک میں تعلیم عام تھی، اسلامی سپین میں ابتدائی مدارس اتنی تعداد میں تھے کہ ہر شخص نوشت و خواند سے واقف تھا۔

خلیفہ حکم ثانی 16 سال حکومت کرنے کے بعد 976ء میں انتقال کر گیا۔



1.10 ہشام ثانی (366ھ تا 399ھ بمطابق 976ء تا 1008ء):

حکم ثانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ہشام ثانی گیارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ چونکہ یہ ابھی کمسن تھا اس لئے وزیر محمد بن ابی عامر اس کا سرپرست بنا مگر زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ اس کی نیت بدل گئی اور وہ مخالف امراء کو قتل کر کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ اس نے خلیفہ کو نظر بند کر دیا اور امراء و وزراء بڑی مشکل سے خلیفہ کی خدمت میں باریابی حاصل کر سکتے تھے۔

خلیفہ پر قابو پانے کے بعد محمد بن ابی عامر حاجب المنصور کے لقب سے ملک پر حکومت کرنے لگا۔ سکوں پر اس کا نام کندہ ہوا، اور خطبہ میں بھی خلیفہ کے نام کے ساتھ اس کا نام شامل کیا گیا، تمام احکامات اسی کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ منصور حاجب نے اپنے عہدِ اقتدار میں باون جنگی معرکوں میں شرکت کی اور تمام لڑائیوں میں کامیاب رہا۔

394ھ میں حاجب المنصور کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا عبدالملک المظفر کے لقب سے حاجب بنا۔

1.11 اموی خلافت کا زوال اور ملک میں طوائف الملوکی:

عبدالملک نے اپنے والد منصور کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سلطنت کے وقار کو چھ برس تک قائم رکھا، اس نے عیسائیوں کے خلاف آٹھ مرتبہ کامیابی سے جہاد کیا، علم و ادب کی سرپرستی کی اور ہر لحاظ سے اس نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ 399ھ میں اس کی وفات کے بعد ہشام نے اس کے بھائی عبدالرحمٰن بن منصور کو اپنا حاجب مقرر کیا۔ نیا حاجب نہ صرف بہت جلد سلطنت کا مختارِ کل بن گیا بلکہ اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اس نے ہشام سے قرطبہ کی جامع مسجد میں اپنی ولی عہدی کا اعلان کرا دیا۔ عبدالرحمٰن کی یہ حرکت بنوامیہ کے حامیوں کو ناگوار گزری' چنانچہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے مخالف امراء نے قرطبہ میں محمد بن ہشام بن عبدالجبار بن عبدالرحمٰن ثانی کو مہدی باللہ کے لقب سے تخت پر بٹھالیا اور خلیفہ ہشام کو معزول کر دیا۔ اس خبر کے سنتے ہی عبدالرحمٰن قرطبہ واپس آیا مگر بگڑے ہوئے حالات پر قابو نہ پا سکا۔ اسی کے رفقاء میں سے ایک نے اس کا سر قلم کر کے مہدی کے پاس بھیج دیا' اس طرح بنی عامر کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

مہدی کے زمانے میں بربریوں اور رعایا کے باہمی تعلقات بگڑ گئے۔ مہدی نے بربریوں کی طرف داری کی جس پر رعایا نے سلیمان بن حکم کو مستعین باللہ کے لقب سے خلیفہ بنالیا۔ سلیمان نے عیسان بادشاہ الفانسو کی مدد سے مہدی کو شکست

دے کر قرطبہ پر قبضہ کرلیا۔ مہدی نے الفانسو سے ساز باز کر کے مستعین کو شکست دی اور قرطبہ پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ ان واقعات سے تنگ آ کر لوگوں نے مہدی کو قتل کر کے ہشام ثانی کو دوبارہ اپنا خلیفہ بنالیا۔

مستعین اور الفانسو نے مل کر ہشام کا قرطبہ میں محاصرہ کرلیا اور جان بچانے کیلئے ہشام روپوش ہوگیا۔ ان حالات میں 403ھ میں مستعین قرطبہ پر قبضہ کر کے دوبارہ خلیفہ بن گیا، مگر اس کے زمانے میں جا بجا خودمختار ریاستیں قائم ہوگئیں۔

سن 407ھ تک مستعین قرطبہ اور اس کے مضافات پر حکومت کرتا رہا، آخر مراکش کے ادریسی خاندان کے ایک نوجوان علی بن حمود نے اشبیلیہ کے قریب مالکہ کے مقام پر مستعین کو شکست دے کر اسے قتل کر دیا۔ اسی کے ساتھ سپین میں بنوامیہ کا چراغ 407ھ میں ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔

2۔ سپین کی خودمختار حکومتیں اور خاندان

بنوامیہ کی حکومت کے ختم ہوتے ہی اسلامی اندلس متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگیا۔ چند اہم خودمختار ریاستوں اور خاندانوں کا حال حسب ذیل ہے:

2.1 بنوحمود کا خاندان:

اس خاندان کے بانی علی بن حمود کا تعلق مراکش کے ادریسی خاندان سے تھا۔ اس نے اولاً طنجہ میں اپنی خودمختاری کا اعلان کیا پھر 407ھ میں مستعین کو شکست دے کر قرطبہ میں اپنی حکومت قائم کرلی اور ناصر لدین اللہ کا لقب اختیار کیا۔ ایک سال بعد ہی صقالی غلاموں نے بغاوت کی اور اسے قتل کر کے اس کے بھائی قاسم کو اپنا حکمران تسلیم کرلیا۔ قاسم کو 415ھ میں قید کرلیا گیا اور بارہ سال بعد اسے قتل کرادیا۔

تقریباً نصف صدی کے سیاسی اتار چڑھاؤ کے باوجود خاندانِ بنوحمود کے افراد اہلِ قرطبہ پر حکومت کرتے رہے تا آنکہ 430ھ میں اشبیلیہ کے بادشاہ القاسم بن عباد نے بنوحمود کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

2.2 بنوعباد کا خاندان:

بنوعباد کی حکومت کا مرکز اشبیلیہ کا شہر تھا۔ یہاں قاضی ابوالقاسم محمد بن اسماعیل بن عباد اللخمی نے اپنی آزاد حکومت قائم کرلی اور بیس برس تک حکومت کی۔ اس کے کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ابوعمر عباد ریاست اشبیلیہ کا سربراہ بن گیا اور معتضد کا لقب اختیار کیا۔ اس نے قرمونہ، قرطبہ وغیرہ کو فتح کر کے اشبیلیہ کی ریاست کو وسعت دی، لیکن بدقسمتی سے معتضد کی غرناطہ کے بادشاہ سے لڑائی شروع ہوگئی۔ مسلمانوں کی باہمی ناچاقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے 447ھ میں قسطلہ اور لیون کے بعد فرڈیننڈ اول نے اشبیلیہ پر یلغار کر کے معتضد کو اپنا باجگزار بنالیا۔

461ھ میں معتضد انتقال کر گیا اور اس کا بیٹا معتمد تخت نشین ہوا۔ 468ھ میں معتمد نے عیسائی بادشاہ الفانسو چہارم کو خراج دینا بند کر دیا جس پر الفانسو نے اولاً طلیطلہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا پھر پورے اندلس کو فتح کرنے منصوبے بنانے لگا۔ معتمد نے شمالی افریقہ کے مرابطی بادشاہ یوسف بن تاشفین سے امداد کی درخواست کی جو ایک زبردست فوج لے کر معتمد کے پاس پہنچ گیا۔ ذلاقہ کے مقام پر عیسائیوں اور مسلمانوں کی زبردست لڑائی ہوئی جس میں عیسائیوں کو عبرتناک شکست ہوئی اور الفانسو تین سو سپاہیوں سمیت جان بچا کر فرار ہو گیا۔

ذلاقہ کی شکست کے باعث عیسائیوں کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ مگر مسلمانوں نے عیسائیوں کی اس ذلت آمیز شکست سے چنداں فائدہ نہ اٹھایا اور وہ بدستور باہمی جھگڑوں میں مصروف رہے، ان حالات کے پیش نظر یوسف بن تاشفین اندلس پہنچ گیا اور اکثر ریاستوں کو اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔ اس موقع پر معتمد نے عیسائیوں سے مل کر یوسف بن تاشفین کے خلاف سازباز کی جس کی پاداش میں اسے 484ھ میں گرفتار کر کے افریقہ بھیج دیا گیا۔ اس طرح بنوعباد کی حکمرانی کا دور ختم ہو گیا۔

2.3 سپین پر مرابطین کا دورِ حکمرانی:

یوسف بن تاشفین شمالی افریقہ کا حکمران تھا جسے خلیفۂ بغداد کی طرف سے امیر المسلمین کا خطاب دیا گیا تھا۔ معتمد کی گرفتاری کے بعد پورا سپین یوسف کے قبضے میں آ گیا اور 485ھ میں سپین، مراکش (شمالی افریقہ) کے مرابطین کا ایک صوبہ بن گیا۔

یوسف بن تاشفین نے پندرہ سال اندلس پر حکومت کرنے کے بعد 500ھ میں اس جہانِ فانی سے رحلت کی۔ اسلامی اندلس کے علاوہ شمالی افریقہ کے علاقے تیونس سے لے کر بحر اٹلانٹک تک اس کے زیرِ نگیں تھے۔

یوسف بن تاشفین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابوالحسن علی تخت نشین ہوا۔ نیا حکمران بھی مردِ مجاہد ثابت ہوا، اس نے پرتگال کے پایۂ تخت لزبن اور متعدد عیسائی شہروں کو فتح کیا اور 513ھ میں سرقسطہ شہر کو عیسائیوں سے چھین لیا۔ ان فتوحات کے بعد وہ 515ھ میں اپنے بھائی تمیم بن یوسف کو اندلس کا گورنر مقرر کر کے مراکش واپس چلا گیا۔ سن 537ھ میں علی بن محمد یوسف نے وفات پائی۔

علی بن یوسف کی وفات کے بعد ابو محمد تاشفین مراکش کے تخت پر بیٹھا مگر صرف دو سال کی حکومت کے بعد 539ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابواسحاق ابراہیم تخت نشین ہوا، لیکن دو سال کے اندر ہی مؤحدین نے عبدالمومن کی سرکردگی میں اسے شکست دے کر پورے مراکش پر قبضہ کر لیا۔ مراکش پر مرابطین کی حکومت ختم ہو جانے پر سپین میں بھی طوائف الملوکی پھیل گئی جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مؤحدین نے 542ھ میں اندلس کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

بحیثیت مجموعی مرابطین حکمران پرہیزگار اور باعمل مجاہد تھے اور انہوں نے نہایت آڑے وقت میں اندلس میں مسلمانوں کے سیاسی وقار کو قائم رکھا اور عیسائی حکمرانوں کو نیچا دکھایا۔

2.4 مؤحدین کا دورِ حکومت:

محمد بن عبداللہ بن تومرت سلسلۂ موحدین کا بانی تھا جو مراکش کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اپنی تحریک کا آغاز کیا اور بہت جلد مراکش کے باشندے کافی تعداد میں اس کے مرید ہو گئے۔ چونکہ وہ توحید پر زیادہ زور دیتا تھا اس لئے اس کے مریدوں کو لوگ مؤحدین کے نام سے پکارنے لگے۔

کچھ مدت کے بعد محمد بن عبداللہ بن تومرت نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ علی بن تاشفین نے اسے جلاوطن کر دیا۔ ابن تومرت نے مراکش کے پہاڑی علاقوں میں پناہ لے لی اور وہاں اپنا گروہ بنا لیا۔

ابن تومرت نے 534ھ میں وفات پائی مگر اپنی وفات سے قبل تقریباً آٹھ سال کے عرصے میں اس نے مراکش

ے ایک معقول حصے پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ وفات سے قبل اس نے اپنے ایک مرید عبدالمؤمن کو اپنا نائب اور سپہ سالار مقرر کر کے اسے امیر المومنین کا خطاب دیا۔ علی بن تاشفین کی وفات کے بعد عبدالمومن کی حکومت پورے مراکش میں مسلم ہوگئی۔

مرابطین اور موحدین کی باہمی کش مکش کے باعث اندلس کے عیسائی حکمرانوں نے اندلس کے اسلامی علاقوں پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ الفانسو ہفتم اسلامی علاقوں کو تباہ کرتا ہوا قرطبہ کی دیواروں تک پہنچ گیا۔ چنانچہ 539ھ میں عبد المؤمن نے اہلِ قرطبہ کی امداد کیلئے ایک زبردست فوج اور جنگی بیڑہ روانہ کیا۔ عبدالمومن کے جرنیلوں نے عیسائیوں کو شکستیں دیں اور تقریباً پانچ سال کے عرصے میں انہوں نے طریف، اشبیلیہ اور قرطبہ کے مقامات پر قبضہ کر لیا۔ 555ھ تک تمام اندلس کے امراء نے عبدالمومن کی اطاعت کا حلف اٹھالیا۔

1163ء میں عبدالمومن کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یوسف تخت نشین ہوا۔ اس کے عہدِ حکمرانی کے ابتدائی ایام میں اطلس قبائل نے معمولی شورش برپا کی مگر یوسف نے جلد ہی ان پر قابو پالیا۔ امن و امان کو قائم رکھنے کی خاطر اس نے اندلس میں بیس ہزار فوج متعین کر دی، رفاہ عامہ کے کاموں کی طرف بھی توجہ دی اور متعدد مساجد، سڑکیں، پل اور محلات تعمیر کرائے۔

سلطان یوسف کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان یعقوب المنصور 580ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد حکومت میں عیسائیوں نے طلیطلہ کے بادشاہ الفانسو دوم کی ماتحتی میں پھر ایک مرتبہ اندلس کے مسلمانوں سے 591ھ میں چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ الفانسو دو لاکھ کا لشکر لے کر یعقوب المنصور کے مقابلے میں آیا مگر اسے شکست ہوئی۔ الفانسو کے ایک لاکھ چھیالیس ہزار سپاہی مقتول ہوئے اور تقریباً نصف لاکھ کے قیدی ہوئے۔ اس کامیابی کے بعد منصور نے آگے بڑھ کر طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔

ان شاندار فتوحات کو حاصل کرنے کے بعد سلطان 595ھ میں مراکش میں اس جہان فانی سے رحلت کر گیا۔ منصور کے عہد کی فتوحات اور لوگوں کی خوش حالی اسلامی اندلس کی عظمت کی آخری تصویر تھی۔ یعقوب المنصور کے عہد حکومت میں مراکش سے لے کر طرابلس تک ممالک افریقہ، اندلس، جزیرہ صقلیہ (سسلی) اور بحیرہ روم کے دوسرے جزائر سب اس کی سلطنت میں شامل ہو گئے تھے اور سلطنتِ موحدین کا فرماں روا دنیا کے عظیم الشان سلاطین میں شمار ہوتا تھا۔

سلطان یعقوب المنصور کی وفات کے بعد اس کا لڑکا سلطان ابوعبداللہ محمد ناصر کے لقب سے 595ھ (1199ء) میں تخت نشین ہوا۔ یہ سلطان اپنے نامور باپ کے مقابلے میں تدبر اور انتظامی قابلیت میں بدرجہا کم تھا تاہم اپنے عہد کے ابتدائی سالوں میں اس نے امورِ سلطنت کو سنبھالے رکھا۔ 608ھ میں سپین کے عیسائی حکمرانوں نے متحد ہو کر اسلامی علاقے پر یلغار کر دی، سلطان نے اپنی فوج کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر قبائلی مناقشات کے باعث اس جنگ (جنگِ طولوسیہ) میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ فیصلہ کن جنگ کے بعد متعصب عیسائیوں نے نہ صرف لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا بلکہ اسلامی تہذیب کے ہر نقش کو مٹانے کی کوشش کی۔ انہوں نے آباد شہروں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا۔ سلطان اس شکست سے دل برداشتہ ہو کر 610ھ میں فوت ہو گیا اور اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹے یوسف ابو یعقوب کو اپنا جانشین نامزد کر گیا۔

سلطان یوسف ابو یعقوب سولہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا، اس کے دور میں مرسیہ میں ابومحمد نے اپنی خودمختار حکومت قائم کر لی۔ دس سال حکومت کرنے کے بعد سلطان یوسف کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی عبدالواحد تخت نشین ہوا لیکن نو ماہ کے قلیل عرصہ کے بعد اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس صورت حال میں مرسیہ کے خودمختار حاکم ابومحمد کے حوصلے بڑھ گئے، اس نے مراکش جا کر وہاں کے حاکم عبدالملک کو معزول کر دیا اور خود ملک کا حکمران بن گیا یوں عملی طور پر اندلس میں موحدین کے سیاسی اقتدار کا 625ھ میں خاتمہ ہو گیا۔

اس دور میں متعدد مسلم ریاستوں نے عیسائیوں کی جارحیت روکنے کی کوشش کی لیکن ایک ایک کر کے تمام صوبے عیسائیوں کے ہاتھوں فتح ہوئے، صرف غرناطہ کا ایک صوبہ رہ گیا جس پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔

2.5 غرناطہ کا خاندان بنی نصر:

غرناطہ کی سلطنت کا بانی یوسف ابن الاحمر تھا جس نے 633ھ میں غرناطہ کی آزاد ریاست کی بنیاد ڈالی۔ اگلے تیس سالوں میں اس نے المیریہ اور لارقہ کے علاقوں پر اپنے اقتدار کا سکہ بٹھا دیا، قشتالہ کے عیسائی حکمران کو شکست دی، متعدد فوجی مہموں کو سر کرنے کے علاوہ اس نے ایک شاندار محل بنوایا جو تاریخ میں قصر الحمراء کے نام سے مشہور اور آج تک موجود ہے۔ 671ھ میں اس نے وفات پائی۔

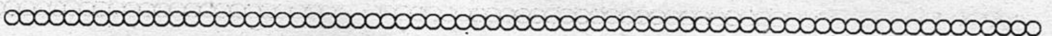
نصر بن یوسف ابن الاحمر اور اس کے انیس جانشینوں نے غرناطہ پر 633ھ سے 897ھ تک حکومت کی۔ کافی مدت تک ان مسلمان حکمرانوں کا عیسائی بادشاہوں سے جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہا جن کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

غرناطہ کا اٹھارہواں حکمران سلطان ابوالحسن ایک باہمت اور دلیر شخص تھا۔ یہ 870ھ میں تخت نشین ہوا، اس کے زمانے میں ریاست غرناطہ کا رقبہ صرف چار ہزار مربع میل پر مشتمل تھا۔ انہی ایام میں قسطیلیہ کے نئے بادشاہ فرڈی نینڈ کی شادی ارغوان کی شہزادی ازبیلا سے ہوئی تھی، اس اتحاد کی بدولت ان دونوں کی ریاستوں کا مجموعی رقبہ سوا لاکھ مربع میل ہو گیا اور ان کی فوجی طاقت میں غیر معمولی اضافہ بھی ہوا۔ 887ھ میں سلطان ابوالحسن نے لوشہ کے مقام پر فرڈی نینڈ کو شکست دی مگر اسی دوران سلطان ابوالحسن کے بیٹے ابوعبداللہ نے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔ اس پر ابوالحسن مالقہ چلا گیا اور اس مقام کو پایۂ تخت بنا لیا، باپ اور بیٹے کی خانہ جنگی سے عیسائیوں نے خوب فائدہ اٹھایا، چنانچہ انہوں نے ایک جنگ میں ابوعبداللہ کو شکست دے کر اسے قید کر لیا، ادھر سلطان ابوالحسن پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ اندھا ہو گیا۔ سلطان نے امورِ سلطنت سے کنارہ کشی کرتے ہوئے اپنے بھائی ابوعبداللہ زغل کو تخت پر بٹھا دیا۔

انیسویں حکمران ابوعبداللہ زغل کے زمانے میں فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے 890ھ میں غرناطہ پر فوج کشی کی مگر شکست کھائی۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی کرانے کی نیت سے فرڈی نینڈ نے ابوعبداللہ کو اپنی قید سے آزاد کرا دیا۔ ابوعبداللہ قید سے چھوٹتے ہی مالقہ پر قابض ہو گیا۔ اس نے اپنے چچا ابوعبداللہ زغل سے دوستانہ مراسم قائم رکھنے کے وعدے پر لوشہ کا علاقہ لے لیا جسے اس نے اگلے سال فرڈی نینڈ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد چچا اور بھتیجے کے درمیان خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا، ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرڈی نینڈ نے مالقہ پر قبضہ کر کے سلطان ابوعبدا زغل کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ابوعبداللہ سے غرناطہ اور قصر الحمراء کا مطالبہ کیا۔

مسلمانوں کے پاس اب صرف غرناطہ کا شہر باقی رہ گیا تھا، ابوعبداللہ کے انکار پر 890ھ میں فرڈی نینڈ اور ازابیلا کی متحدہ فوجوں نے غرناطہ کا محاصرہ کر لیا۔ آخر عبداللہ نے فرڈی نینڈ سے مذہبی آزادی، جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا وعدہ لے کر 2 ربیع الاول 897ھ (2 جنوری 1492ء) کو ہتھیار ڈال دیئے۔

غرناطہ پر قبضہ کرنے کے بعد فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑنے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنانے کی مہم شروع کر دی گئی، معمولی بہانوں سے انہیں اسلام ترک کرنے پر مجبور کیا جاتا یا انہیں قتل



کر دیا جاتا، ان کی جائیدادیں ضبط کی جاتیں اور سپین کی مقدس مذہبی عدالت ان کو زندہ جلانے کا حکم دیتی رہی۔ تقریباً ایک صدی تک سپین کے عیسائی حکمران مسلمانوں کو اپنے انسانیت سوز مظالم کا نشانہ بناتے رہے، آخر 1018ھ (1610ء) میں تمام مسلمانوں کو سپین سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان افریقہ کی طرف خستہ وخراب حالت میں ہجرت کر گئے۔ ایک عیسائی مؤرخ کے اندازے کے مطابق 897ء میں سقوطِ غرناطہ سے 1018ھ (1610ء) تک تقریباً تیس لاکھ مسلمانوں کو سپین سے جلاوطن کیا گیا، نتیجتاً سپین سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹ گیا۔

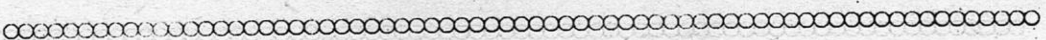
3۔ مصر اور شمالی افریقہ کی مسلم حکومتیں

3.1 دولتِ ادریسیہ (172ھ تا 309ھ):

تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کے ایامِ حکمرانی تک شمالی افریقہ کے تمام اسلامی مقبوضات خلیفۂ بغداد کے جاری کردہ فرامین کے تابع تھے مگر خلیفہ ہادی کے عہد حکومت میں حضرت امام حسینؓ کے خاندان کے ایک نامور شخص حسین بن علی نے علم بغاوت بلند کیا اور شکست کھا کر مارے گئے۔ ان کے ماموں ادریس بن عبداللہ جان بچا کر مغربی افریقہ یعنی مراکش بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ادریس محمد نفس الزکیہ کے بھائیوں میں سے تھے، مراکش کے بربر قبائل نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں امیر تسلیم کر لیا، اس طرح انہوں نے 172ھ (788ء) میں ادریسی حکومت قائم کر لی۔

ادریس اول ایک قابل حکمران ثابت ہوا، اس نے فاس کا شہر بسایا اور ملک کا نظم ونسق بہترین اصولوں پر قائم کیا۔ امن وامان قائم ہو جانے کی وجہ سے یہ ریاست بہت جلد علم وتہذیب کا مرکز بن گئی۔ یہ بات عباسی حکمرانوں کو ناگوار گزری چنانچہ انہی کی ایما پر کسی شخص نے اسے زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

ادریس کی وفات کے بعد جو بچہ ان کے ہاں پیدا ہوا، بربریوں نے اس کا نام بھی ادریس رکھ کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ گیارہ سال کی عمر میں اس نے سلطنت کا انتظام مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ادریس ثانی اپنے والد سے زیادہ کامیاب حکمران ثابت ہوا اور اس نے متعدد فتوحات حاصل کر کے اپنی قلمرو کو وسیع کیا۔ ابنِ خلدون کے مطابق



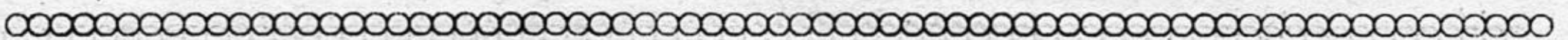
اس حکمران نے اپنی وسیع فتوحات کے ذریعے اپنا سکہ شمالی افریقہ کے لوگوں کے دلوں پر بٹھایا اور وہاں عباسیوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

825ء میں ادریس ثانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے بھائیوں کا اعتماد حاصل کرنے کی خاطر انہیں مختلف صوبوں کا والی بنا دیا، اس کی پالیسی کامیاب رہی۔ ایک کے سوا تمام صوبوں کے والی آخری دم تک اس کی وفاداری کا دم بھرتے رہے۔ محمد نے 833ء میں وفات پائی۔ محمد بن ادریس کی وفات کے بعد ادریسی سلطنت کے پانچ حکمران گزرے جن کے عہد میں ملکی انتظام کی کیفیت اچھی رہی اور رعایا کی حالت بھی بحیثیت مجموعی بہتر رہی۔ اس خاندان کا آخری حکمران یحیٰی سوم بڑا فاضل اور قابل فقیہہ تھا مگر اس میں انتظامی قابلیت کی کمی تھی۔ اس نے کچھ مدت تک تمام ادریسی مقبوضات کو اپنے قابو میں رکھا مگر جلد ہی مصر کے فاطمی حکمران نے مراکش پر حملہ کر کے اسے اپنے قبضے میں لے لیا جس کے ساتھ ہی ادریسی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

3.2 اغلبی حکومت (184ھ تا 296ھ بمطابق 801ء تا 909ء):

ہارون الرشید کے زمانہ میں افریقہ شورشوں کی زد میں رہا۔ شمالی افریقہ کا گورنر یزید بن حاتم وفات پا گیا تو بربریوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ کئی ایک مہمات دربارِ خلافت سے یکے بعد دیگرے روانہ کی گئیں لیکن فتح سے ہمکنار نہ ہو سکیں۔ ایک دوسرے گورنر مغیرہ بن بشر کی درشتگیِ مزاج کی بنا پر خود عباسی فوج ہی نے بغاوت کر دی، افریقی باغیوں کے سردار عبداللہ بن جارود نے فوجیوں کو مزید بھڑکایا تو انہوں نے نئے گورنر عبداللہ بن یزید کو بھی قتل کر دیا۔ عبداللہ بن جارود نے اب تمام افریقی قبائلی سرداروں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر لیا اور عباسی اقتدار کیلئے مستقل خطرہ بن گیا۔ ہارون الرشید نے ہرثمہ بن اعین، یحیٰی بن موسیٰ اور محمد بن مقاتل جیسے تجربہ کار افراد کو یہ مہم سر کرنے کیلئے روانہ کیا لیکن سب مہمات ناکام رہیں۔

ان حالات میں ابراہیم بن اغلب نے اپنی خدمات اس شرط پر ہارون کے سپرد کیں کہ افریقہ کی امارت اس کے خاندان کو دی جائے گی اور وہ وہاں امن و امان قائم کر کے چالیس ہزار دینار خراج دیگا۔ ہارون نے ان شرائط پر افریقہ کی حکومت ابراہیم بن اغلب کے سپرد کر دی اس نے باغیوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ ان کامیابیوں سے خوش ہو کر ہارون الرشید نے افریقہ کی ولایت مستقل طور پر ابراہیم کے خاندان کے سپرد کر دی اور یوں ابراہیم افریقہ میں اغلبیہ کی نیم خودمختار



حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ابراہیم نے تقریباً بارہ سال حکومت کی اس کی ذات میں سلطنت کے نظم ونسق کو درست کرنے کی صلاحیتیں موجود تھیں ۔ وہ فہم و ذکاء اور کردار و گفتار کے لحاظ سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھا۔ اس نے قیروان کے قریب ایک نیا شہر عباسیہ آباد کر کے اسے اپنا پایہ تخت بنایا۔ اس نے 166ھ میں وفات پائی۔

ابراہیم بن اغلب کے بعد اس خاندان کے دس فرمانروا گزرے۔ ان میں سے تیسرا فرمانروا زیادۃ اللہ، بڑا ذکی اور زود فہم تھا، اس نے علوم وفنون کی سرپرستی کی۔ اس کے عہد میں سسلی کے جزیرہ پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا اور اطالیہ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا جو کئی برس تک جاری رہا۔ پلرموں کا علاقہ فتح ہونے کے بعد جزیرہ سسلی سلطنت اغالبہ کا ایک صوبہ بن گیا۔ 223ھ میں زیادۃ اللہ نے وفات پائی۔

اسی طرح ابو ابراہیم جو چھٹا حکمران تھا' بڑا کامیاب سیاستدان ثابت ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ملک کو اندرونی شورشوں اور بیرونی حملوں سے بچانے کیلئے دس ہزار قلعے تعمیر کرائے، اس کے عہدِ حکومت میں ملک میں امن وامان تھا اور رعایا خوش حال تھی۔

آٹھواں فرماں روا ابراہیم بن احمد بھی ایک اچھا منتظم اور سیاست دان تھا۔ اس نے تمام بغاوتوں سے حکومت کو بچا کر فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے عہد کے آخری ایام میں مصر کی فاطمی حکومت کے ایک داعی ابوعبداللہ حسین بن محمد شیعی نے مراکش وافریقہ کے درمیان حد پر جنوبی شہر کتامہ میں محبتِ اہل بیت کی ترغیب ذ ہین کر کے کافی طاقت حاصل کرلی اور اس شہر پر قابض ہوگیا۔ اسی دوران ابراہیم بن احمد کی وفات ہوگئی۔

آخری حکمران ابومضر زیادۃ اللہ کے دور میں ابوعبداللہ شیعی نے بڑی طاقت حاصل کرلیا اور ابومضر کی نااہلی کی وجہ سے وہ کئی شہروں پر قابض ہوگیا۔ ابومضر حالات کو اپنے خلاف دیکھ کر شام بھاگ گیا، اس کے افریقہ سے نکلنے کے ساتھ ہی سلطنت اغلبیہ کا خاتمہ ہوگیا اور ابوعبداللہ شیعی نے مصر کے فاطمی حکمران کیلئے لوگوں سے بیعت لے کر قیروان کو فاطمی خلافت میں شامل کردیا۔

3.3 دولتِ طولونیہ: (254ھ تا 292ھ)

دولتِ طولونیہ کا بانی احمد بن طولون تھا جس نے مصر میں طولونیہ حکومت کی بنیاد رکھی ۔ احمد کا باپ طولون ایک ترکی غلام تھا جسے بخارا کے عامل نے مامون الرشید کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ احمد نے خلیفہ مستعین کے دور میں کئی اہم

کارنامے سرانجام دیئے۔

معتز باللہ جب عباسی خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے احمد بن طولون کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔ معتز کی وفات کے بعد احمد نے عباسی خلافت کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر مصر کو خلافت عباسیہ سے آزاد کرا لیا، یوں طولونیہ حکومت باقاعدہ طور سے قائم ہوگئی۔

معتمد کے عہد میں ابنِ طولون کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ عیسیٰ بن شیخ نے جو والی شام تھا بغاوت کر دی جسے فرو کرنے کا کام احمد بن طولون کے سپرد ہوا۔ اس نے انتہائی جانفشانی سے یہ بغاوت ختم کر دی جس پر شام کی ولایت اسی کے سپرد کر دی گئی۔ اس واقعہ نے ابنِ طولون کی اہمیت کو بڑھا دیا اور مصر کا شعبہ خراج اور شامی سرحدوں کی حفاظت بھی اس کے نام پر ہوگئی۔ یوں وہ مصر، شام اور اسکندریہ کے وسیع علاقے کا حاکم بن گیا۔

ان علاقوں کی حاکمیت کے بعد اس نے حکومت کے ہر شعبہ میں ترقی دی۔ اس نے ایک نیا شہر بسایا جس میں خوبصورت عمارات، سڑکیں، مسجدیں اور حمام بنوا کر لوگوں کو سہولتیں فراہم کیں ان ترقیوں نے احمد طولون کی حکومت کو مہذب حکومتوں کے ہم پلہ کر دیا تھا۔ انہی ترقیوں کے نتیجے میں احمد طولون کے اردگرد کئی حاسد امراء پیدا ہو گئے اور سازشوں کے جال بچھا کر خلیفہ کو اس کا مخالف بنا دیا۔ چنانچہ خلافتِ عباسیہ کے سربراہِ حکومت موفق نے اسے مصر سے ہٹانے کا حکم دے کر اس کی جگہ والیٔ دمشق ماجور کو' جو ابن طولون کا مخالف بھی تھا' بھیجا۔ ماجور کو البتہ یہ ہمت نہ ہوسکی کہ ابن طولون کا مقابلہ کرے۔ اسی دوران ابن طولون کو دمشق حاصل کرنے کا موقع بھی مل گیا جسے اس نے مصر کی حکومت سے ملحق کر دیا۔

معتمد چونکہ برائے نام خلیفہ تھا، اس کے اپنے بھائی موفق سے اختلافات پیدا ہو گئے۔ یہ اختلاف اسقدر بڑھ گئے کہ معتمد ابن طولون کے دامن میں پناہ لینے پر آمادہ ہوگیا۔ احمد نے معتمد کی بیعت توڑنے پر موفق کے خلاف اعلانِ جہاد کیا اور مصر کے لوگوں کو موفق کے خلاف کر کے ان سے اعلانِ جہاد پر دستخط لیلیے۔ اسی دوران 270ھ میں احمد بن طولون کا انتقال ہوگیا۔

احمد بن طولون کے بعد اس کا بیٹا خمارویہ 270ھ میں طولونیہ مصر کے تخت پر بیٹھا۔ موفق اپنا لشکر لے کر خمارویہ کے مقابلے میں آیا، دمشق میں مقابلہ ہوا اور موفق نے اس پر قبضہ کر لیا جسے تھوڑے ہی دن بعد خمارویہ نے دوبارہ واپس لے لیا۔ بعد میں خمارویہ کی موفق کے ساتھ صلح ہوگئی جس پر خمارویہ نے اس کے نام کا خطبہ جاری کیا۔ موفق نے مصر و شام کی حکومت

خمارویہ کی اولاد کو مورثیت میں دیدی۔ خمارویہ 282ھ میں غلاموں کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔

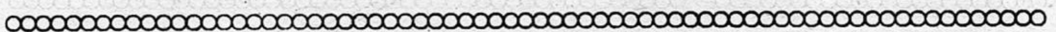
خمارویہ کے بعد اس کا بیٹا جیش حکمران بنا لیکن چھ ماہ بعد اس کا فوج کے سالاروں کے ساتھ اختلاف ہوگیا جنہوں نے اسے معزول کر کے اس کے بھائی ہارون کو تخت پر بٹھا دیا۔ ہارون اپنے باپ اور دادا کے اوصاف سے محروم تھا، اس نے اپنی نا اہلی سے عباسی خلافت اور امراء کو اپنا مخالف بنا دیا، یہاں تک کہ خود اس کی حدود میں رہنے والے امراء بھی اس کے مخالف ہوگئے۔ ایک طولونی حاکم نے عباسی امیر محمد بن سلیمان کو مصر پر حملہ کی دعوت دے کر اپنی مدد کا یقین دلایا۔

یہ عباسی خلیفہ مکتفی کا دور تھا جو خود بھی ہارون سے ناخوش تھا اس لئے محمد بن سلیمان اور امیر دمیانہ نے مصر پر فوج کشی کر دی۔ بہت سے امراء ہارون کا ساتھ چھوڑ کر ابنِ سلیمان کے ساتھ ہو گئے، ان مراء نے عباسی خلیفہ کی اطاعت کی دعوت دی۔ لوگ اب ہارون کا ساتھ چھوڑتے جارہے تھے اسی حالت میں اس کے خاندان کے مخالف لوگوں نے اسے 292ھ میں قتل کر دیا۔

ہارون کے قتل میں اس کا چچا شیبان شریک تھا جو اس کے بعد تخت کا مالک بن بیٹھا لیکن ہارون کے قتل پر اس کے بہی خواہ شیبان کے مخالف ہوگئے۔ انہوں نے کئی امراء کو ساتھ لے کر اس کے خلاف کارروائی کی' شیبان بھی مقابلہ کے لیے آیا لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی اور مجبوراً اسے محمد بن سلیمان کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔ 192ھ میں عباسی امیر کا قبضہ فسطاط پر ہوا اور خلیفہ کے نام خطبہ پڑھا گیا۔ محمد بن سلیمان نے طولونی خاندان کے تمام افراد کو گرفتار کر کے بغداد بھجوا دیا، اس طرح 292ھ میں طولونی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

3.4 دولتِ ایوبیہ (1171ء تا 1250ء):

صلاح الدین ایوبی کے والد نجم الدین ایوب کی مناسبت سے اس خاندان کی حکومت کو ایوبیہ کا نام دیا گیا۔ صلاح الدین ایوبی کا تعلق کرد خاندان سے تھا۔ نجم الدین ایوب اتابک زنگی کی طرف سے بعلبک کا قلعہ دار تھا۔ جب نور الدین زنگی نے صلاح الدین کے چچا اسد الدین شیرکوہ کو مصر میں صلیبیوں کے خلاف فوج کشی کے لیے روانہ کیا تو صلاح الدین ایوبی بھی اس کے ہمراہ تھا۔ شیرکوہ نے فاطمی وزیر شاور سعدی کو شکست دے کر مصر پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ اس پر فاطمی خلیفہ عاضد نے اسے



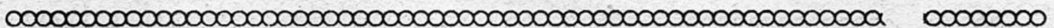
اپناوزیر مقرر کردیا، اس کے دو ماہ بعد 1169ء میں شیرکوہ نے وفات پائی تو منصب وزارت صلاح الدین ایوبی کے سپرد کردیا گیا۔ 1171ء میں اس نے فاطمی خلیفہ کومعزول کر کے مصر میں نورالدین زنگی کے نام کا خطبہ جاری کردیا۔

1174ء میں نورالدین زنگی کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی مصر کا خود مختار حکمران بن گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے شام، یمن اور حجاز کے علاقے بھی فتح کر لئے۔ 1175ء میں خلیفہ بغداد نے سلطان کی حکومت کو تسلیم کرلیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی زندگی کا بقیہ حصہ عیسائیوں کے ساتھ مسلسل جہاد میں گزرا۔

بیت المقدس 1099ء سے عیسائیوں کے قبضے میں تھا، سلطان نے صلیبیوں کو حطین کے مقام پر بری طرح شکست دی۔ بیس ہزار صلیبیوں میں سے اکثر قتل ہوئے اور باقی ماندہ گرفتار کر لئے گئے، ان میں بیت المقدس کا بادشاہ بھی تھا۔ اب سلطان بیت المقدس کی طرف بڑھا اور ایک ہفتہ کے محاصرے کے بعد اسے فتح کرلیا۔ بیت المقدس 490ھ سے سنہ 588ھ تک یعنی 98 سال کے قریب عیسائیوں کے قبضے میں رہا تھا۔ عیسائیوں نے جب بیت المقدس کو فتح کیا تھا تو مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادی تھیں لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب اس مقدس شہر کو عیسائیوں کے قبضے سے چھڑایا تو کسی عیسائی باشندے کو نقصان نہیں پہنچایا۔

بیت المقدس کی فتح کا حال سن کر پورے براعظم یورپ میں ایک حشر برپا ہوگیا اور گھر گھر کہرام مچ گیا۔ فلپ شہنشاہ فرانس، رچرڈ شیر دل بادشاہ انگلستان، فریڈرک شہنشاہ جرمنی اور بہت سے چھوٹے حکمران، نواب اور امراء متفقہ طور پر ایک بہت بڑا لشکر لے کر پورے براعظم ایشیا کو فتح کرنے اور اسلام کا نام ونشان مٹانے کے ارادے سے حملہ آور ہوئے۔ عیسائی افواج کا یہ لشکر اس شان وشوکت کے ساتھ ملک شام کی طرف بڑھا کہ بظاہر براعظم ایشیا کی خیر نظر نہ آتی تھی مگر مقامِ حیرت ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے چار سال تک کئی سو لڑائیاں لڑ کر عیسائیوں کے اس بے پایاں لشکر کو خاک وخون میں ملا دیا اور انہیں بیت المقدس کی دیواروں تک نہیں پہنچنے دیا۔ تیسری صلیبی جنگ کے بعد ناکام ونامراد عیسائی سلاطین نہایت ذلت کے ساتھ واپس ہوئے تو سلطان صلاح الدین ایوبی نے عیسائیوں کو یہ رعایت عطا کی کہ وہ اگر بیت المقدس میں محض زیارت کیلئے آئیں تو کسی قسم کی روک ٹوک نہیں کی جائے گی۔

تیسری صلیبی جنگ کے خاتمہ کے بعد دوسرے ہی برس 589ھ میں اسلامی دنیا کا یہ نامور جرنیل اس دنیا سے رخصت ہوگیا اور جامع مسجد دمشق کے قریب دفن ہوا۔



ان مذکورہ لڑائیوں میں صلاح الدین نے جس شرافت وانسانیت کا برتاؤ کیا اور جس شجاعت و جفاکشی کا اظہار کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک تمام یورپ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو عزت وعظمت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے اور اس کے نام کو شجاعت وشرافت کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے پورے براعظم یورپ کو آن مقصد میں ناکام ونامراد کر کے واپس بھگا دیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عثمان ملک العزیز کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ اس نے چھ سال حکومت کی۔ 595ھ میں جب وہ فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا منصور تخت نشین ہوا مگر کمسنی کی وجہ سے اسے ایک سال کے بعد معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی ملک عادل تخت نشین ہوا۔ یہ صلاح الدین ایوبی کے بعد اس خاندان کا دوسرا نامور فرمانروا ثابت ہوا جسے ایوبی خاندان کا دوسرا بانی کہا جاتا ہے۔ اس نے ایوبی حکومت کو صلیبیوں سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کی وفات 615ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ملک کامل تخت نشین ہوا جو ایک نیک نام بادشاہ تھا۔ سنہ 635ھ میں اس کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا ملک عادل ابوبکر تخت نشین ہوا۔ دو برس کے بعد امراءِ مصر نے اس کو معزول کر کے اس کے بھائی ملک صالح نجم الدین کو مصر کے تخت پر بٹھا دیا۔ ملک صالح نے دس سال حکومت کی اور عیسائیوں کے ساتھ ایک لڑائی میں شہید ہو گیا۔ اس کے بعد ملک معظم توران شاہ بن ملک صالح 647ھ میں تخت نشین ہوا مگر چند ہی مہینے کی حکومت کے بعد اسے قتل کر دیا گیا جس کے بعد مصر میں مملوک ایبک نے ملوک حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح مصر سے ایوبی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

4- خلافتِ عباسیہ مصریہ

خاندانِ عباسیہ کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل ہو جانے کے بعد اس کا چچا ابوالقاسم احمد تاتاریوں کی قید سے نکل کر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا اور شام کے کسی علاقے میں روپوش ہو گیا۔ اس وقت مصر میں ممالیک کی حکومت تھی اور مملوکوں کے خاندان کا چوتھا بادشاہ ملک الظاہر بیبرس حکمران تھا جس نے چند معزز عربوں کا ایک وفد ابوالقاسم احمد بن ظاہر باللہ عباسی کی تلاش میں روانہ کیا۔ یہ لوگ ابوالقاسم احمد کو ہمراہ لے کر مصر پہنچے۔ ملک الظاہر، ابوالقاسم کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر مصر کے تمام علماء و امراء و اعیان کو ساتھ لے کر استقبال کے لیے اپنے دارالسلطنت قاہرہ سے نکلا اور نہایت عزت واحترام سے شہر میں لا کر اسے تختِ خلافت پر بٹھا دیا۔ اس نے ابوالقاسم کے ہاتھ پر 659ھ بیعتِ خلافت کی اس کے لیے مستنصر باللہ کا لقب تجویز کیا، اس کے نام

کا خطبہ پڑھوایا اور سکوں پر خلیفہ کا نام نقش کرایا۔خلیفہ نے اپنی طرف سے ملک الظاہر کو نائب السلطنت قرار دے کر اسے سلطنتِ مصر کے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا۔تخت نشین ہونے کے بعد ابوالقاسم احمد بغداد کو تاتاریوں کے قبضے سے چھڑانے کے لیے ایک لشکر لے کر عراق روانہ ہوا۔لڑائی میں اس کے لشکر کو شکست ہوئی اور وہ خود لڑائی میں کہیں گم ہو گیا یا مارا گیا،اس طرح صرف چھ ماہ کے عرصے کے بعد اس کا دورِ خلافت ختم ہو گیا۔

خلیفہ کے مفقود الخبر ہونے کے بعد ملک الظاہر نے ایک اور عباسی شہزادے کا پتہ لگا کر بلوایا اور اس کو خلیفہ بنایا۔اس شہزادے کا نام ابوالعباس احمد بن حسن بن علی بن ابی بکر بن خلیفہ مسترشد باللہ بن مستظہر باللہ تھا۔اس کے پردادا تک کوئی خلیفہ نہ ہوا تھا۔اس طرح خلیفہ مسترشد کی اولاد میں پھر خلافتِ عباسیہ شروع ہوئی۔ابوالعباس احمد حاکم بامر اللہ کے لقب کے ساتھ 8 محرم سنہ 661ھ کو تخت نشین ہوا۔

تھوڑی مدت کے بعد خلیفہ ملک الظاہر سے کسی بات پر الجھ پڑا جس پر ملک الظاہر نے خلیفہ کو نظر بند کر دیا۔تقریباً 27 سال نظر بندی میں گزارنے کے بعد حاکم نے 701ھ میں وفات پائی۔اس کی مدتِ خلافت چالیس سال سے زائد تھی مگر اس کا زیادہ تر حصہ زنداں میں گزرا۔حاکم بامر اللہ کی وفات کے بعد حسب ذیل افراد بالترتیب خلیفہ کے منصب پر فائز ہوئے:

خلیفہ مستکفی باللہ اول (701ھ تا 740ھ) تقریباً چالیس سال دور خلافت کے بعد وفات پا گیا۔

خلیفہ واثق باللہ (740ھ تا 741ھ) صرف چھ ماہ بعد منصف خلافت سے معزول کر دیا گیا۔

خلیفہ حاکم بامر اللہ دوم (741ھ تا 748ھ)

خلیفہ معتضد باللہ اول (748ھ تا 763ھ)

خلیفہ متوکل علی اللہ اول (763ھ تا 785ھ) 785ھ میں معزول کر کے نظر بند کر دیا گیا۔

خلیفہ واثق باللہ (785ھ تا 788ھ)

خلیفہ مستعصم باللہ (788ھ تا 791ھ)

خلیفہ متوکل علی اللہ اول (791ھ تا 808ھ) زندان سے نکال کر دوبارہ مسندِ خلافت پر بٹھایا گیا، 808ھ میں وفات ہوئی۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

خلیفہ مستعین باللہ(808ھ تا816ھ) 816ھ میں معزول کر دیا گیا۔

خلیفہ معتضد باللہ(816ھ تا845ھ) انتیس برس منصب خلافت پر فائز رہنے کے بعد فوت ہو گیا۔

خلیفہ مستعین باللہ ثانی(845ھ تا854ھ)

خلیفہ قائم بامراللہ(854ھ تا859ھ) معزول کر کے اسکندریہ بھیج دیا گیا جہاں 883ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

خلیفہ مستنجد باللہ ثانی(859ھ تا884ھ)

خلیفہ متوکل علی اللہ ثانی(884ھ تا903ھ)

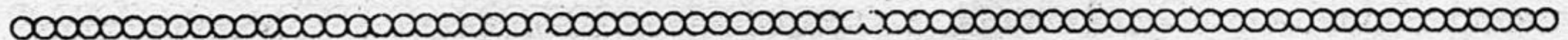
خلیفہ مستمسک باللہ(903ھ تا920ھ)

خلیفہ متوکل علی اللہ سوم(920ھ تا923ھ)

مصر کے عباسی خلفاء محض نام کے خلیفہ تھے، ہندوستان اور دیگر ممالک کے مسلمان بادشاہ ان سے سندِ حکومت اور خطاب حاصل کرتے تھے۔ مصر کے مملوک سلاطین بھی اپنے آپ کو ان خلفاء کا نائب السلطنت ہی کہتے، بظاہر تعظیم و تکریم کا برتاؤ کرتے اور خطبوں میں ان کا نام لیتے تھے لیکن حقیقت میں ان کو کوئی قوت وشوکت حاصل نہ تھی بلکہ ان کی تنخواہ مقرر تھی۔ مملوک سلاطینِ مصر انہیں نہ تو آزادنہ کہیں آنے جانے کی اجازت دیتے تھے، نہ کسی شخص کو ان سے ملنے کی اجازت تھی۔ یہ خلفاء اپنے اراکینِ خاندان کے ساتھ گویا اپنے محل میں نظر بند رہتے تھے۔

خلیفہ متوکل علی اللہ سوم کی تخت نشینی کے چوتھے سال سلطنتِ عثمانیہ کے فرمانروا سلطان سلیم اول نے مصر فتح کر کے مملوکوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس نئی صورتِ حال میں متوکل سلطان سلیم اول کے حق میں منصب خلافت سے دستبردار ہو گیا اور رسول اکرم ﷺ کے تبرکات تلوار، جھنڈا، چادر مبارک اور حرمین شریفین کی کنجیاں اس کے حوالے کر دیں۔ اسی طرح مصر میں 18 عباسی خلفاء کا 265 سالہ دورِ خلافت اختتام کو پہنچا۔

مصر میں مملوکوں کی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہی عباسی خلافت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہمیشہ کے گل ہو گیا اور منصبِ خلافت قبیلۂ قریش سے ترکوں کی دولتِ عثمانیہ کو منتقل ہو گیا۔



خودآزمائی:

1۔ عبدالرحمٰن الداخل کون تھا؟

2۔ ہشام بن عبدالرحمٰن کا سب سے بڑا کارنامہ کیا تصور کیا جاتا ہے؟

3۔ الحکم اول کو اپنے عہد میں کن بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا؟

4۔ عبدالرحمٰن ثالث نے ملک کے نظم و نسق میں کیا انقلابی تبدیلیاں لائیں؟

5۔ الحکم ثانی ایک علم دوست حکمران تھا، تبصرہ کیجئے۔

6۔ ہشام ثانی کے دور میں اصل اقتدار کا مالک کون تھا؟

7۔ بنوحمود کی حکومت کہاں پر تھی اور اس کا خاتمہ کیسے ہوا؟

8۔ یوسف بن تاشفین نے سپین کے مسلمانوں کی مدد کس طرح کی؟

9۔ موحدین کون تھے اور انہوں نے سپین میں عیسائیوں کی یلغار کو کیسے روکا؟

10۔ غرناطہ پر عیسائیوں کے قبضے کے بعد مسلمانوں سے کیسا سلوک روا رکھا گیا؟

11۔ دولت ادریسیہ کے بانی کون تھے اور یہ حکومت کہاں قائم ہوئی؟

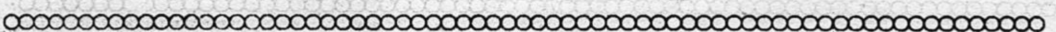
12۔ شمالی افریقہ کا علاقہ کن شرائط پر ابراہیم بن اغلب کے حوالے کیا گیا تھا؟

13۔ دولت طولونیہ کی بنیاد کہاں رکھی گئی اور اس حکومت کا خاتمہ کیسے ہوا؟

14۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد صلاح الدین ایوبی نے وہاں کی غیر مسلم آبادی کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟

15۔ مصر میں خلافت عباسیہ کی بنیاد کیسے پڑی؟

16۔ مصر کے عباسی خلفاء کس قدر با اختیار تھے، مختصراً وضاحت کیجئے۔



یونٹ نمبر 6

برصغیر میں مسلم حکومت کا ارتقاء، آغاز تا قیام پاکستان

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

نظرثانی

ڈاکٹر محمد سجاد



علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

عہد رسالت مآب ﷺ اور خلفائے راشدین میں دعوت اسلام کا آغاز ہو چکا تھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں سوحل وسندھ تک اسلام کا پیغام پہنچ چکا تھا۔ عہد اموی میں مشہور فاتح محمد بن قاسم کی سندھ میں فتوحات نے اس دعوت کے ابلاغ واستحکام میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہاں کی رعایا مسلمان فاتحین کے اخلاق وکردار اور اعلیٰ انسانی رویوں سے بہت متاثر ہوئی اور بکثرت دولت ایمان سے مستفیض ہوئے۔ محمد بن قاسم کے بعد سندھ کے علاقے میں بعض عرب حکومتیں وجود میں آئیں۔

بعض ازاں غزنوی خاندان نے مختلف اوقات میں سرزمین ہند میں اسلام کا پرچم بلند کیا، تاہم ہندوستان میں باقاعدہ مسلم حکومت کا بانی شہاب الدین غوری تھا، جس نے اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد سلاطین دہلی کے حکمرانوں میں قطب الدین ایبک، شمس الدین ایلتمش، ناصر الدین نے اس ریاست کو استحکام بخشا، اس کے بعد تغلق سلاطین کا عہد آتا ہے، جس میں اسلامی شعائر کی ترویج واشاعت ہوئی اور علوم وفنون میں ترقی ہوئی، برصغیر میں مسلم حکومت کے آخری خاندان کا نام خاندان مغلیہ ہے جس کے بانی ظہیر الدین بابر نے اس کی بنیاد رکھی، برصغیر میں عہد مغلیہ میں مسلمانوں کی ایک وسیع حکومت تھی، اس کے ابتدائی سالوں میں ریاست کی حدود میں وسعت کر کے علوم وفنون میں ترقی ہوئی، فنون تعمیر میں مغلوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ تاہم وہ اس سلسلہ حکمرانی کو عہد جدید کے تقاضوں کے مطابق استوار نہ کر سکے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سات سمندر دور کے لوگوں نے جو جدید علوم وفنون اور ٹیکنالوجی سے آراستہ تھے ان کے علاقے میں کمال ہوشیاری سے قبضہ کر لیا، ایسٹ انڈیا کمپنی جو تجارتی غرض سے ہندوستان آئی تھی، اس نے آہستہ آہستہ ہندوستان میں اپنی حکومت کی راہ ہموار کی اور آخر کار 1857ء میں اس نے ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ 1857ء تا 1947ء تک برطانوی عہد حکومت میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے کوشش کی کہ آزادی حاصل کریں۔

آخر کار مسلمانوں نے الگ تشخص اختیار کرتے ہوئے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ایک الگ اسلامی مملکت پاکستان کیلئے جدوجہد کی جو آخر کار کامیاب ہوئی۔

اس یونٹ میں آپ برصغیر میں مسلم حکومت کی مختصر تاریخ کا مطالعہ کریں۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

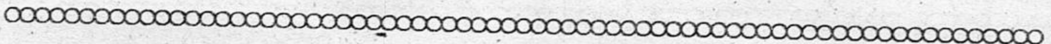
1۔ برصغیر میں مسلم حکومت کے آغاز وارتقاء کے بارے میں جان سکیں۔

2۔ برصغیر میں مسلمان حکمرانوں اور خاندانوں کے بارے میں جان سکیں۔

3۔ برصغیر میں مختلف مسلم عہد حکومت میں جو تعلیمی و تہذیبی ترقی ہوئی اس سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

4۔ برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی حکومت کے اقتدار کے بارے میں جان سکیں۔

5۔ تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے بارے میں جان سکیں۔



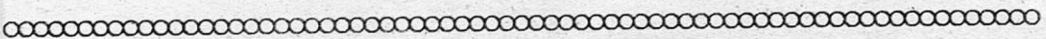
1۔ جنوبی ہند کے اسلام اور مسلمان سے تعلقات

عام طور سے ہندوستان میں اسلام کی ابتدائی تاریخ کا تصور محمد بن قاسم سے وابستہ ہے، حالانکہ ان سے بہت پہلے جنوبی ہندوستان کے تعلقات اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ استوار ہو چکے تھے، بزرگ بن شہریار رامہرمزی کی تصریح کے مطابق عہد رسالت ہی میں ایک وفد سرندیپ سے مدینہ منورہ روانہ ہوا تھا، جو بعض رکاوٹوں کی وجہ سے عہد فاروقی کی ابتداء میں وہاں پہنچا، اور براہ راست اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، نیز ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں عرب تاجروں کیلئے بڑی کشش تھی، سندھ کے مقابلہ میں یہاں ان کو تجارتی سامان اور قسم قسم کی چیزیں زیادہ ملتی تھیں، اور سرندیپ اور چین کے تجارتی اسفار میں آتے جاتے تھے ان کو مہاراجگان ولبھی رائے کے دیس سے گزرنا پڑتا تھا، ان وجوہ سے سرندیپ، چیمور، سوپارہ، سندان، تھانہ بھروچ، اور کھمبائت وغیرہ کے قدیم تجارتی تعلقات نے جدید اسلامی تعلقات میں بڑی مدد دی، اور طرفین کے قدیم تعارف نے جدید علاقہ کو بہت جلد استوار کر دیا۔

2۔ محمد بن قاسم ثقفی کی آمد

یوں تو ہندوستان پر مسلمانوں کے بحری و بری حملے حضرت عمرؓ کے زمانے سے ہی شروع ہو گئے تھے پھر حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ کی خلافت کے کارناموں میں مکران، قیقان، بلیکہ، بنوں اور لاہور تک اسلامی دستوں کے آنے اور جنگ کرنے کے واقعات کا ذکر ملتا ہے، لیکن باقاعدہ حملہ اور فتح خلیفہ ولید بن عبدالمالک کے زمانے میں مشہور اسلامی جرنیل محمد بن قاسمؒ کے زیر قیادت ہوئی۔۔

محمد بن قاسمؒ کے دور میں اسلام کے تیزی سے پھیلنے اور اس صنم خانے سے کعبہ کو پاسباں فراہم ہونے کی بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے دور میں غیر مسلم رعایا کو وہی حیثیت دی جو صحابہ کرام نے اہل فارس کو دی تھی۔ یعنی نکاح اور ذبیحہ کے علاوہ دیگر تمام امور میں ان کے ساتھ اہل کتاب کا برتاؤ کیا جائے اور ان کے مندروں کی حیثیت ایران کے آتش کدوں کی



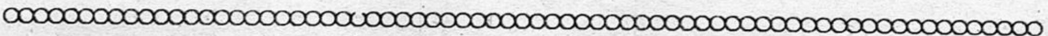
طرح رکھی گئی اور جس طرح صحابہ نے آتش کدے نہیں توڑے اسی طرح مصالحت کے بعد مندر بھی محفوظ رہنے دیئے گئے۔ چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ محمد بن قاسمؒ کے چلے جانے کے بعد وہاں لوگوں نے اس کا مجسمہ بنالیا تھا۔

3۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں

برعظیم پاک و ہند میں عربوں نے سب سے پہلے سندھ اور ملتان کے علاقے فتح کیئے۔ سندھ پر عربوں کے عہد حکومت کی تاریخ سے متعلق معلومات کے ذرائع جو ہم تک پہنچی ہیں بہت ہی کم ہیں اور ان سے سندھ میں مسلمانوں کی علمی سرگرمیوں کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ مسعودی نے منصورہ اور ملتان کے بیان میں لکھا ہے کہ 4-303ھ (16-915ء) میں جب اس نے ان شہروں کو دیکھا تھا تو یہ خوشحال اور ترقی یافتہ شہر تھے مگر اس نے یہاں کے اصحاب علم کا کوئی ذکر تک نہیں کیا۔ حالانکہ مقدسی نے منصورہ کے بعض علماء کا تذکرہ کیا ہے جن میں قاضی ابو محمد منصوری بھی شامل ہیں۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں کا قاضی امام داؤد ظاہر یہ عقائد رکھتا تھا اور وہ کئی کتابوں کا مصنف بھی تھا۔

یہ بات قرین قیاس نہیں کہ ان شہروں میں جو عربوں کے عہد حکومت میں بہت ہی خوشحال تھے، کوئی عالم نہ ہوا ہو۔ ہمیں یہ علم ہے کہ ابو حفص محدث بصری جو ایک روایت کے مطابق کتاب تصنیف کرنے والے پہلے مسلمان تھے، عربوں کی فتوحات کے ابتدائی زمانہ میں سندھ آئے تھے۔ وہ تبع تابعین میں سے تھے اور اس لحاظ سے وہ احادیث روایت کرنے کی بنا پر اس شہر میں مرکزی اہمیت کے حامل ہوں گے۔ اور امکانات کے پیش نظر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس عہد میں منصورہ (بھکر) دیبل (ٹھٹھہ) اور ملتان اسلامی علوم کے مرکز بن گئے تھے۔

عربوں کی حکومتیں تقریباً چار سو سال تک رہیں، لیکن وہ وسطی ہندوستان میں نہ پہنچ سکے بلکہ صرف سندھ اور ملتان محدود رہے عربوں کے بعد پھر ترکیوں کا دور آتا ہے جنہوں نے تقریباً تمام برصغیر پر اسلام کے پرچم کو لہرا دیا، ان کا آغاز آل یمین سے ہوتا ہے۔



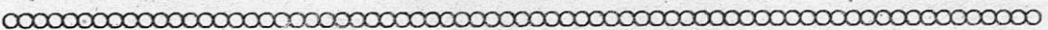
4۔ آل یمین کا عروج وزوال

برصغیر اور ایران میں غزنوی خاندان کی حکومت کو آل یمین کی حکومت کہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ خلافت عباسیہ کی طرف سے محمود غزنوی کو یمین الدولہ کا خطاب دیا تھا۔

یہ درست ہے کہ ہندوستان کے اولین مسلمان فاتحین عرب تھے، لیکن ان کا ہندوستان پر حملہ تاریخی اعتبار سے ایک ضمنی واقعہ بتایا جاتا ہے کیوں کہ ان کی فتوحات کا حلقہ صرف سندھ اور ملتان تک محدود رہا۔ تاہم جس مہم کی ابتداء عربوں نے کی تھی اس کی تکمیل ترکوں کے ہاتھوں ہوئی۔ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں ترکوں کو بغداد کے عرب خلفاء پر غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ عربوں کے مقابلے میں ترک زیادہ جنگجو ثابت ہوئے، انہوں نے اسلامی سلطنت کو بڑی وسعت عطا کی۔ ترک بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ مضبوط اور طاقتور بھی تھے۔ ان کا انداز نظر بھی عربوں سے مختلف تھا۔ ان کے ارادے بلند تھے اور وہ مشرق میں ایک مضبوط اور طاقتور سلطنت قائم کرنے کے اہل تھے۔ بقول ڈاکٹر لین پول ترکوں کی فتوحات دسویں اور گیارہویں صدی کی اسلامی سلطنت کی بنیادی اور اہم ترین کڑیاں ہیں۔

4.1 الپتگین:

سب سے پہلا ترک جس کا اسلامی فتوحات ہند کے سلسلہ میں تذکرہ آتا ہے۔ وہ الپتگین تھا۔ وہ ایک بڑا حوصلہ مند اور صاحب صلاحیت انسان تھا۔ ابتداء میں وہ بخارا کے سامانی سلطان عبدالمالک کا غلام تھا۔ محض اپنی قابلیت کی وجہ سے ترقی کرتے ہوئے اس نے حاجب الحجاب جیسا اعلیٰ منصب حاصل کرلیا اور 956ء میں خراسان کا گورنر مقرر رہوا۔ جب 963ء میں سلطان عبدالمالک کا انتقال ہو گیا تو اس کی جانشینی کے لئے مختلف لوگوں نے جدوجہد کی جن میں سلطان کا چچا اور ایک بھائی المنصور پیش پیش تھے۔ الپتگین سلطان کے چچا کا حامی تھا۔ لیکن منصور کو کامیابی حاصل ہوئی اور اس نے بخارا کے تخت پر قبضہ کرلیا۔ اس وجہ سے الپتگین اپنے آٹھ سو جاں نثاروں کے ساتھ غزنی میں آکر پناہ گزین ہوا۔ منصور نے اس کو غزنی سے نکالنے اور گرفتار کرنے کے لئے کئی بار چڑھائی کی، لیکن ہر مرتبہ شکست کھائی اور غزنی اور اس کے اردگرد کا علاقہ الپتگین ہی کے زیرنگین رہا۔ جہاں آٹھ برس تک کامیابی کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد الپتگین اس دنیا سے رخصت ہوا۔



4.2 سبکتگین:

سبکتگین کا زمانہ سلطنت 977ء سے 997ء تک ہے۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد سبکتگین نے اپنی سلطنت کو وسعت دینی شروع کی۔ اس نے لغمان اور سیستان کو فتح کیا اور کئی سال کی مسلسل جدوجہد اور جنگی کارروائی کے بعد 994ء میں خراسان پر قبضہ کرلیا۔ اس کا حوصلہ اور ارادے بلند تھے۔ اس کے روز افزوں اقتدار کو شمالی مغربی ہند کے ہندوشاہی حکمران جے پال نے موجب خطر سمجھتے ہوئے سبکتگین کے استیصال پہ کمر باندھی اور ریاست غزنی سے چھیڑ چھاڑ کرکے سبکتگین کے ہندوستان پر حملہ کا جواز پیدا کردیا۔

چنانچہ سبکتگین کی سب سے پہلی لڑائی راجہ جے پال سے ہوئی جس کی سلطنت سرہند سے لمغان (جلال آباد) تک اور کشمیر سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس خاندان کے حکمرانوں کے صدر مقام اوہند۔ لاہور اور بھٹنڈہ میں تھے۔

4.3 سلطان محمود غزنوی:

سبکتگین نے مرتے وقت اپنے دوسرے بیٹے اسماعیل کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ محمود باپ کی وفات کے وقت نیشاپور میں تھا۔ اس نے خط وکتابت کے ذریعے اسماعیل کو بلخ اور بخارا کی حکومت پیش کی۔ بشرطیکہ وہ غزنی کا ملک محمود کے حوالے کردے۔ مگر اسماعیل نے محمود کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس طرح دونوں بھائیوں میں لڑائی ٹھن گئی۔ اس لڑائی میں اسماعیل مغلوب ہوا اور محمود مارچ 998ء میں غزنی کے تخت پر بیٹھا۔

تخت نشینی کے وقت سلطان محمود غزنوی کی سلطنت میں صرف موجودہ افغانستان، خراسان اور مشرقی ایران کے ممالک شامل تھے۔ اس نے تخت نشینی کے ایک ہی سال بعد سیستان کا ملک بھی لے لیا۔ اور خلیفہ اسلام سے سلطان ہونے کا فرمان اور یمین الدولہ کا خطاب حاصل کیا۔ بعد ازاں محمود کو بخارا اور کاشغر کے حکمرانوں سے دو دو ہاتھ کرنے پڑے۔ ان جھگڑوں سے فارغ ہوتے ہی اس نے برصغیر ہندوپاکستان کا رخ کیا۔

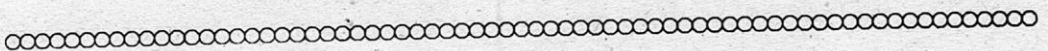
اگلے ستائس سال یعنی 1000ء سے 1026ء تک اس نے ہندوپاکستان پر تقریباً سترہ (17) حملے کئے اور ہر مرتبہ اس نے اپنے مخالفوں پر نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ستائس برس کی مدت میں اس نے پشاور، ملتان، کانگڑہ، متھرا، تھانیسر، قنوج، گوالیار اور سومنات کے حکمرانوں کو متواتر شکستیں دے کر ان کے علاقوں سے کئی من ہیرے اور جواہرات اور کروڑوں روپے کا مال غنیمت

حاصل کیا۔ راجہ جے پال ثانی کی متواتر بدعہدیوں کے باعث 1026ء میں سلطان محمود نے لاہور کو مستقل طور پر اپنی سلطنت میں شامل کرلیا اور اپنے غلام ایاز کو وہاں کا گورنر مقرر کردیا۔ اس طرح ہندوستان میں پہلی اسلامی حکومت کی مستقل طور پر بنیاد پڑی۔ سومنات پر حملہ کرنے کے چار سال بعد محمود غزنوی نے 59 سال کی عمر میں 1030ء میں وفات پائی۔

عربوں کے بعد غزنویوں کے دور کا آغاز ہوا۔ اس خاندان کا عظیم حکمران محمود غزنوی علم اور ثقافت کا زبردست حامی تھا۔ اس نے دوردراز ایشیائی ممالک کے بعض ممتاز ترین علماء کی سرپرستی کی اور ان کو اپنے دربار میں جمع کرلیا۔ سلطان محمود کو فارسی سے خاصی دلچسپی تھی لیکن اس کی عربی قابلیت بھی معمولی نہ تھی۔ حنفی اور شافعی مسلک کے پیرو علماء کے عالمانہ مباحثوں میں وہ گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے فقہ پر ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام "الفرید فی الفروع" ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کا ذکر تعریف کے ساتھ کیا ہے۔ اسی بادشاہ کے عہد حکومت میں البیرونی ہندوستان آیا تھا تا کہ ہندو ثقافت اور علوم کا براہ راست مطالعہ کرے۔ اور یہاں اس نے اپنی مشہور تصنیف "کتاب الھند" کے لئے مواد جمع کیا۔ البیرونی نے اپنی تصنیف "قانون مسعودی" سلطان محمود غزنوی کے فرزند مسعود غزنوی کے نام معنون کی۔ اور "الجماھر فی الجواھر" اور "الدستور" سلطان مودود کے لئے لکھیں۔ سلطان محمود غزنوی نے لاہور کو اپنی سلطنت کے ان علاقوں کا دارالحکومت بنایا جو دریائے سندھ کے مشرق میں واقع ہیں اور اس کے بعد یہ شہر غزنہ میں اسلامی علوم کا ایک اہم مرکز بنا رہا۔ اور یہاں بہت سے نامور علماء اور اہل قلم پیدا ہوئے۔ شیخ محمد اسماعیل (متوفی 448ھ۔ 1056ء) ہند میں آنے والے پہلے محدث و مفسر تھے اور انہوں نے مسعود غزنوی کے عہد میں لاہور میں سکونت اختیار کی تھی۔ یہاں مسعود بن سعد بن سلمان کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جو سلطان مسعود ثالث کے دربار سے منسلک تھے۔ مسعود بن سعد ایک مشہور و ممتاز شاعر تھے اور اس نے عربی، فارسی اور ہندی تین زبانوں میں شاعری کی۔

4.4 محمد غوری:

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا حقیقی بانی معزالدین محمد بن سام تھا۔ جسے شہاب الدین غوری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ محمد بن قاسم ہندوستان پر پہلا حملہ آور مسلمان تھا، لیکن وہ اپنی بے وقت موت کے باعث ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ محمود غزنوی بھی ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم کرنے سے قاصر رہا اور اس کے حملوں کا مستقل اثر صرف پنجاب تک محدود رہا۔ چنانچہ محمد غوری ہی وہ پہلا مسلمان حکمران ہے جس نے اسلامی حکومت کے قدم ہندوستان میں جمائے۔



ہندوستان کے عظیم حکمران پرتھوی راج سے ترائین کے مقام پر دوسری لڑائی تاریخ ہند کا ایک قابل ذکر واقعہ ہے جس میں محمد غوری نے ہندوستانی ریاستوں کے خلاف بے مثال فتح حاصل کی۔ وی اے سمتھ کے کہنے کے مطابق 1192ء میں ترائین کی دوسری جنگ مسلمانوں کے ہندوستان پر حملہ کی واضح نشاندہی کرتی تھی بعد کے تمام زبردست حملے اور ہندوؤں کی یقینی شکستوں کا اندازہ دلی پر شمال کی جانب سے اس زبردست تاریخی حملے سے عیاں تھا۔

اس فتح کے بعد ساری ہندوستانی فوجوں میں ابتری پھیل گئی اور راجپوتوں میں سے کوئی بھی ایسا راجکمار نہ تھا جو ہندوستان میں مسلمانوں کی پیش قدمی کو روک سکے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے آسانی سے سرسوتی، سمانہ، کرام اور ہانسی کو فتح کرلیا۔ اجمیر پہلے ہی مفتوح ہو چکا تھا سلطان نے تباہ شدہ مندروں کے ستونوں اور بنیادوں پر مساجد اور اسلامی تبلیغی درسگاہیں تعمیر کیں، اس کے علاوہ رسم ورواج اور قوانین کی بھی ازسرنو تشکیل کی گئی۔

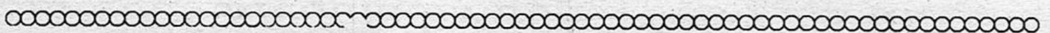
پرتھوی راج کے ایک بیٹے کو اجمیر کا ناظم بنایا گیا۔ جس نے خراج دینے کا وعدہ کیا اور قطب الدین ایبک کو مقبوضات ہند کا ناظم اعلیٰ بنا کر محمد غوری واپس غزنی چلا گیا۔ قطب الدین نے جلد ہی میوات، کول اور دہلی کو فتح کر کے دلی کو پایہ تخت بنالیا۔

5۔ سلاطین دہلی

برصغیر میں سلاطین دہلی کی سلطنت کا آغاز شہاب الدین غوری کے غلام قطب الدین ایبک کی حکومت سے ہوتا ہے اور مغلیہ دور سے قبل تک رہتا ہے، ان کو سلاطین دہلی اس لئے کہتے تھے کہ ان کی ح ست اکثر اوقات دہلی کے گردونواح تک محدود ہی اور بقیہ ہندوستان پر ان کا قبضہ مکمل نہ ہوسکا۔

5.1 قطب الدین ایبک:

قطب الدین ایبک (1202ء تا 1210ء) کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسے ہندوستان میں خاندان غلاماں کی حکومت کا بانی کہا جاتا ہے۔ ایبک ایک ترک غلام تھا۔ نیشا پور میں اس نے تعلیم وتربیت حاصل کی تھی۔ اس



کی صورت وشکل نہیں تھی اس لئے جب شہاب الدین غوری نے بہت سے غلام خریدے تو ایبک کو بدصورتی کی وجہ سے نہیں خریدا۔ایبک نے اس سلطان سے کہا کہ آپ نے جہاں بہت سے غلام لئے ہیں، مجھ کو خدا کے لئے خرید لیجیے۔ سلطان اس جواب سے بہت خوش ہوااورقطب الدین ایبک کوبھی خریدلیا۔

قطب الدین ایبک نے بادشاہ کی حیثیت سے صرف چارسال حکومت کی لیکن اگرصوبہ داری کا زمانہ بھی شامل کرلیا جائے تو برکوچک میں تقریباً اٹھارہ سال حکومت کی۔صوبہ دار کی حیثیت سے اس کا دارالحکومت دہلی تھا،لیکن بادشاہ ہونے کے بعدوہ زیادہ تر لاہور میں رہااوریہیں اس کا انتقال ہوا۔اس کی قبرلاہور میں اب تک موجود ہے۔

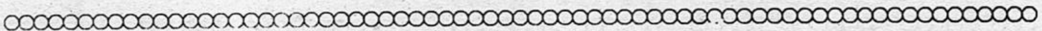
قطب الدین ایبک ایک عادل بادشاہ تھااس کی سخاوت کی وجہ سے لوگ اسے لکھ بخش کہتے تھے۔اس نے دہلی میں ''قوت اسلام'' کے نام سے ایک عظیم الشان مسجد بنائی جس کے کھنڈراب بھی موجود ہیں۔دہلی کا مشہور ''قطب مینار'' اسی مسجد کا مینارتھا۔اس کی تعمیر قطب الدین کے زمانہ میں شروع ہوئی تھی لیکن تکمیل اس کے جانشین ایلتمش کے زمانہ میں ہوئی۔

5.2 شمس الدین ایلتمش:

قطب الدین ایبک کے بعداس کا ایک غلام ایلتمش (1211ء تک 1236ء) جانشین ہوا۔ایلتمش نے تقریباً 26 سال حکومت کی۔اس کے زمانہ میں جنوب کی طرف بھپلسہ اوراجین فتح ہوئے۔ایلتمش ہی کا زمانہ تھا جب چنگیز خان نے وسط ایشیا اورایران پرحملہ کیا،لیکن وحشی منگول دریائے سندھ کو پارکر کے پاکستان اور بھارت پرحملہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے، ایلتمش نے یہاں ایک مضبوط حکومت قائم کرلی تھی۔

قطب الدین ایبک جس طرح ہندوستان کی اسلامی حکومت کا بانی ہے اسی طرح ایلتمش کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اس نئی اسلامی سلطنت کی بنیادیں مضبوط کیں۔ایلتمش بڑانیک دل بادشاہ تھا۔وہ علم وادب کا بھی سرپرست تھا۔انصاف کا اس کو بڑاخیال رہتا تھا۔اس نے حکم دے رکھا تھا کہ مظلوم پیلے رنگ کے کپڑے پہنا کریں تاکہ وہ ان کو دیکھ کر پہچان لے اوران کے ساتھ انصاف کرے۔اس کے علاوہ التمش نے اپنے محل کے باہر دروازہ پرگھنٹیاں لٹکارکھی تھیں تاکہ یہ مظلوم ان کو بجا کر بادشاہ کو بلاسکیں۔

ایلتمش کے بعداس کی لڑکی رضیہ سلطانہ(1236ءتا1240ء) نے تین سال تک حکومت کی،اسلامی تاریخ میں یہ پہلاموقع تھا کہ ایک عورت خودمختار ہوئی۔



5.3 ناصرالدین محمود:

رضیہ سلطانہ کے بعد کئی سال ہنگامے رہے جن کے دوران اس کے بھائی بہرام اور مسعود تخت نشین ہوئے۔ آخر کار امراء نے اس کے بھائی ناصر الدین محمود (1246ء تا 1266ء) کو اپنا بادشاہ منتخب کرلیا۔ ناصر الدین بڑا سیدھا اور نیک دل بادشاہ تھا۔ سلطنت کے خزانے کو رعایا کی امانت سمجھتا تھا اور خود قرآن مجید لکھ کر روزی کماتا تھا۔ وہ ایک عابد اور درویش قسم کا بادشاہ تھا اور حکومت کیلئے زیادہ موزوں نہیں تھا۔ ناصر الدین کو خود اس بات کا احساس تھا۔ وہ چونکہ نیک دل تھا اور چاہتا تھا کہ حکومت میں کوئی خرابی نہ ہو اس لئے اس نے ایلتمش کے ایک غلام غیاث الدین بلبن کو جو پنجاب کا صوبہ دار رہ چکا تھا اپنا وزیر اعظم بنا کر سلطنت کا سارا انظام اس کے سپرد کر دیا اور خود اللہ اللہ کرنے لگا۔ ناصر الدین نے بلبن کو تاکید کر دی کہ "تم کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے میری خدا کے سامنے رسوائی ہو"۔

غیاث الدین بلبن نے بیس سال تک ناصر الدین کے زمانہ میں وزیر اعظم کی حیثیت سے حکومت کی اور جب سلطان کا انتقال ہو گیا تو امراء نے اس کو بادشاہ بنا لیا۔ بادشاہ کی حیثیت سے بلبن نے بیس سال اور حکومت کی۔

5.4 غیاث الدین بلبن:

بلبن (1266ء تا 1286ء) غلام خاندان کا سب سے مشہور اور باعظمت حکمران ہوا ہے۔ بادشاہ بننے سے پہلے وہ شراب پیا کرتا تھا۔ لیکن جب بادشاہ بن گیا تو اس نے شراب سے توبہ کر لی۔ نماز کا ایسا پابند ہوا کہ تہجد تک کی نماز قضا نہیں کرتا تھا۔ وہ علماء اور نیک لوگوں کی صحبت میں رہنے لگا۔

بلبن کے زمانے میں ایران اور اس سے ملے ہوئے ملکوں میں منگولوں کا زور بڑھ گیا تھا بغداد کو تباہ کرنے کے بعد وہ مغرب میں شام اور مصر پر اور مشرق میں مغربی پاکستان پر مسلسل حملے کرنے لگے۔ بلبن نے ان حملوں کو روکنے کیلئے ایک طاقتور فوج تیار کی اور اس فوج کی مدد سے اس نے منگولوں کو بار بار شکست دی۔ ملتان کے گورنر شیر خاں (1246ء تا 1268ء) اور محمد سلطان (1268ء تا 1284ء) نے منگولوں کے حملے پسپا کرنے میں بڑا نام پیدا کیا۔ محمد سلطان بلبن کا بیٹا تھا جس طرح مصر کے مملوک حکمرانوں نے منگولوں سے مصر کو تباہ ہونے سے بچایا اسی طرح دہلی کے غلام بادشاہوں نے اور خاص کر بلبن نے پاکستان اور بھارت کو تباہ ہونے بچایا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

بلبن کے زمانہ میں اسلامی دنیا کے اس حصہ کے لوگوں نے جن پر منگولوں کا قبضہ ہو گیا تھا ہزاروں کی تعداد میں دہلی میں آکر پناہ لی۔ صرف اس کے دربار میں پندرہ بادشاہ اور شہزادے پناہ گزیں تھے۔

بلبن ایک عادل اور رعایا پرور بادشاہ تھا، اس کی حکومت میں بڑا امن و امان تھا اور کوئی سرکاری عہدے دار ڈر کے مارے رعایا پر ظلم نہیں کر سکتا تھا۔

5.5 جلال الدین خلجی:

خلجی خاندان بھی غلام خاندان کی طرح نسلاً ترک تھا، لیکن افغانستان میں عرصہ دراز تک رہائش اختیار کرنے کی وجہ سے ترکوں کی خصوصیات کھو چکا تھا اور پٹھانوں کے طور طریقے اختیار کر لئے تھے۔

جلال الدین خلجی نے کل سات سال حکومت کی، وہ بڑا نیک حکمران تھا۔ بادشاہ بننے سے پہلے وہ پنجاب کا صوبہ دار تھا اور اگرچہ اس نے سرحدوں کے محافظ کی حیثیت سے منگولوں کے حملوں کو روکنے میں بڑی شجاعت اور بہادری کا اظہار کیا تھا لیکن خونریزی سے اس کو فطرتاً نفرت تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ:

''اگر بادشاہی قتل و غارت گری اور مخالفین کو قتل اور قید کرنے کا نام ہے تو میں ایسا بادشاہ نہیں۔ میں پیغمبر اسلام ﷺ کی شریعت کے خلاف ایک کام بھی نہیں کر سکتا''

مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے دور میں خوشحالی کا دور دورہ تھا اور کوئی مظلوم ایسا نہ تھا جس کے ساتھ انصاف نہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس نیک دل حکمران کو اس کے حریص اور جاہ پسند بھتیجے، علاؤالدین نے دھوکے سے قتل کر کے دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔

5.6 علاء الدین خلجی:

علاء الدین خلجی (1299ء تا 1319ء) حکمران بن گیا، علاء الدین کے عہد میں دہلی کی اسلامی سلطنت انتہائی عروج پر پہنچ گئی۔ ناصر الدین محمود اور بلبن کے عہد میں فتوحات رک گئی تھیں اور حکومت کی پوری توجہ منگولوں کے حملوں کو روکنے پر تھی۔ علاء الدین کے زمانہ میں منگولوں کا حملہ بڑی حد تک دور ہو گیا تھا، اس لئے اب علاء الدین خلجی نے فتوحات کی طرف توجہ کی، اس کی فوجوں نے سب سے پہلے مالوہ، گجرات اور راجپوتانہ کو فتح کیا اس کے بعد ایک نو مسلم سردار ملک کافور کی قیادت میں

دریائے نربدا کو پار کر کے اس کی فوجیں دکن میں داخل ہوگئیں اور 1311ء تک راس کماری تک سارا علاقہ فتح کرلیا۔ اس طرح سوائے کشمیر کے پورے پاکستان اور بھارت پر اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔

6۔ تغلق سلاطین کا عہد

خاندان تغلق کا بانی سلطان غیاث الدین تغلق مذہب اور علماء کا بہت احترام کرتا تھا اور تاریخ میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان کی موجودگی میں سماع کی حلت وحرمت پر مناظرہ ہوا تھا۔ اس مناظرہ کے سرکردہ حضرت نظام الدین اولیا نے موسیقی کے جواز پر اس خوبی سے بحث کی کہ سلطان اس سے بہت متاثر ہوا۔ پہلے وہ موسیقی کو ناجائز تصور کرتا تھا مگر اس مناظرہ کے بعد وہ اس کے جواز کا قائل ہوگیا۔

6.1 سلطان محمد تغلق:

اس خاندان کا دوسرا فرماں روا سلطان محمد تغلق بہت سے علوم وفنون کا ماہر اور علم کا قدردان وسرپرست تھا۔ اس نے معین الدین عمرانی دہلوی کو جو ایک ممتاز عالم اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، اس کام پر مامور کیا کہ وہ شیراز جائیں اور اس دور کے نامور مصنف قاضی عضدالدین کو دہلی آنے پر آمادہ کریں۔ لیکن جب اس کی اطلاع شیراز کے حاکم ابواسحاق کو ہوئی تو اس نے قاضی کو اپنا وطن چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔ محمد تغلق نے ایک اور مشہور عالم دین شمس الدین یں کو حکم دیا تھا کہ وہ کشمیر جا کر وہاں اسلام کی اشاعت کریں مگر فوری علالت کی وجہ سے وہ یہ فرض انجام نہ دے سکے۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ محمد تغلق خود عالم تھا اور علماء کی سرپرستی بھی کرتا تھا۔ لیکن اس کے عہد میں دہلی میں علماء کا ویسا جمگھٹا نہیں تھا جو ان پڑھ علاؤالدین خلجی کے زمانہ میں تھا۔ عبدالحق حقی کی رائے یہ ہے کہ علاؤالدین خلجی کے بعد ہند میں علم ودانش کا معیار گرتا چلا گیا اور اگرچہ محمد تغلق ہر قسم کے علوم کا قدردان تھا مگر اس کے عہد میں باکمال لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی جتنی کہ علاؤالدین خلجی کے عہد میں تھی۔

6.2 فیروز شاہ تغلق:

سلطان محمد تغلق کے جانشین فیروز تغلق کا شمار ہند کے سب سے زیادہ دین دار مسلمان بادشاہوں میں ہوتا ہے اور وہ بھی بڑا عالم اور علم کا قدردان وسرپرست تھا۔ اس کے عہد میں کئی مشہور مصنف ہوئے جنہوں نے زیادہ تر فقہ پر کتابیں لکھیں۔ ان میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد مولانا خواجگی، "شرح هدایه" کے مصنف قاضی حمید الدین دہلوی، عربی

کے شاعر احمد تھانیسری جن کا "قصیدہ الدالیہ" بہت مشہور ہوا اور عبد القتد رجنہوں نے "لامیتہ العجم" کے جواب میں ایک شاہکار "القصیدۃ الامیۃ" لکھا تھا قابل ذکر ہیں۔

فیروز شاہ تغلق کے دربار سے متعلق ایک امیر تا تارخاں بھی علم کا بڑا قدردان تھا اور اس کی سرپرستی میں ایک ممتاز محقق عالم بن عطا انداپتی نے "الفتاوی التاتار خانیہ" کے نام سے فقہ پر ایک کتاب لکھی تھی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مشہور ومعروف لغت "القاموس" کا مصنف مجدالدین فیروز آبادی اسی بادشاہ کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا۔

سلاطین دہلی کے زمانہ میں ملک کو بڑی ترقی دی گئی۔ فیروز پور، جونپور اور کئی نئے شہر بسائے گئے۔ پاکستان میں ملتان، اوچہ، دیپال پور اور لاہور کے شہروں کو عروج ہوا۔ دہلی میں جو پہلے معمولی سی بستی تھی ملک کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔ یہاں قوت الاسلام اور پناہ دو بڑی جامع مسجد تھیں۔ حوض شمسی اور حوض خاص نام کے دو بڑے تالاب تھے۔ ان میں سے ایک تالاب دو میل لمبا اور ایک میل چوڑا تھا۔ شہر کے لوگ ان تالابوں کا پانی پیتے تھے اور ان کے کنارے سیر وتفریح کیا کرتے تھے غیاث الدین تغلق نے یہاں ایک قلعہ بنایا تھا جو اس زمانے میں سب سے زیادہ بڑا قلعہ تھا۔ بعد میں اس قلعہ کو تیمور نے تباہ کر دیا، اب اس کے کھنڈرات باقی ہیں۔ دہلی کا وہ حصہ جو فیروز شاہ نے آباد کیا تھا۔ فیروز آباد کہلاتا تھا یہ اپنی عمارتوں اور خوبصورتی کی وجہ سے تمام شہر سے بڑھا ہوا تھا۔ شہر کی آبادی دس میل تک مسلسل چلی ئی تھی۔

شہر میں ایک ہزار مدرسے تھے جن میں مدرسہ فیروز شاہی اتنا بڑا اور خوبصورت تھا کہ اس زمانہ کا مورخ لکھتا ہے کہ "جو کوئی باہر سے اس مدرسہ میں آتا تھا یہی سمجھتا تھا کہ جنت میں آ گیا ہوں" دہلی کی ایک اور قابل دید چیز وہاں کا گھڑیال تھا۔ اس گھڑیال سے نمازوں کا وقت، روزہ کھولنے کا وقت، سایہ کا حال، رات اور دن کے گھنٹے معلوم ہوتے تھے۔ لوگ سینکڑوں کی تعداد میں آ کر اس کو دیکھا کرتے تھے۔

6.3 مزید خاندانوں کی حکومتیں:

تغلق خاندان کے بعد پھر امیر تیمور، سادات اور لودھی خاندان کی حکومت رہی ان تمام کی حکومتیں قابل ذکر نہیں۔ اور لودھی خاندان کے آخری فرمانروا ابراہیم لودھی سے ظہیر الدین بابر نے جو خاندان مغلیہ کا بانی ہے، حکومت حاصل کر کے برصغیر میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔

7- مغلیہ سلطنت کا آغاز

7.1 ظہیر الدین بابر:

بابر نے برصغیر کا رخ کیا جہاں لودھی خاندان کی حکومت تھی۔ بابر برصغیر کے ان علاقوں پر جو تیمور فتح کر چکا تھا اپنا خاندانی حق سمجھتا تھا۔ ان کو حاصل کرنے کیلیئے اس نے کئی حملے کیے اور اپریل 1566ء کو پانی پت کی پہلی جنگ میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس کے لڑکے ہمایوں نے آگے بڑھ کر آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ بابر اپنے آبائی وطن خراسان میں تو حکومت قائم کرنے میں ناکام ہوگیا لیکن ہندوستان میں ایک ایسی عظیم سلطنت کی بنیاد ڈالی جو اپنی وسعت، آبادی، وسائل، شان وشوکت اور کارناموں میں وسط ایشیا کی تیموری سلطنت سے بازی لے گئی۔

7.2 ہمایوں:

بابر کا بیٹا ہمایوں (1530ء تا 1556ء) باپ کی طرح شریف، نیک اور رحم دل تھا۔ میدان جنگ میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں ہوتا تھا۔ باپ کے ساتھ بیشتر لڑائیوں میں حصہ لیا۔ پانی پت اور کنواہہ کی جنگ میں شریک تھا۔ آگرہ اسی نے فتح کیا تھا، لیکن عیش پسند اور آرام طلب تھا اور اپنی فوج اور سرداروں کو وہ بابر کی طرح پوری طرح قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے ابتدائی چند سال کامیابی کے ہیں۔ اس نے افغانوں کو لکھنؤ کے پاس شکست دے کر مشرق کی طرف پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کے ایک باغی سردار نے جب گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ کے پاس پناہ لی اور بہادر شاہ نے اس کو ہمایوں کے حوالے نہیں کیا، تو ہمایوں نے بہادر شاہ کو شکست دے کر 1535ء میں مالوا اور گجرات پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ہمایوں نے بنگال کا رخ کیا جہاں ایک افغان سردار شیر خان قابض ہوگیا تھا۔ ہمایوں نے بنگال کا دارالحکومت گوآسانی سے فتح کر لیا لیکن وہاں عیش میں پڑ گیا۔ اس کو نہیں معلوم تھا کہ اس کا حریف شیر خان صلاحیت، بہادری اور جفاکشی میں دوسرا بابر ہے، شیر خان نے اس کی واپسی کے راستے بند کر دیئے اور جب ہمایوں گھبرا کر واپس ہوا تو شیر خان نے چوسا کے مقام پر اس کو شکست دی۔ ہمایوں وہاں سے شکست کھا کر دوبارہ ایران چلا گیا اور ایران کے صفوی خاندان کے بادشاہ کی مدد سے دوبارہ اس نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس وقت شیر شاہ سوری فوت ہو چکا تھا اس نے ان سے جنگ کر کے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل

کرلی، لیکن اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ جلد ہی فوت ہو گیا اور اس کے بعد اس کا 10 سالہ بیٹا اکبر تخت نشین ہوا اور ہمایوں کا کمانڈر بیرم خان اس کا اتالیق مقرر ہوا۔

7.3 اکبر اعظم:

اکبر نے کل پچاس سال حکومت کی اور اس عرصہ میں اتنی بڑی سلطنت قائم کر دی جو وسعت میں تقریباً دہلی کی سلطنت کے برابر تھی۔ یہ صحیح ہے کہ دکن کا بڑا حصہ اور جنوبی ہند اکبر کی سلطنت میں شامل نہ تھا لیکن کشمیر، بلوچستان، کابل اور قندھار اس کی سلطنت میں شامل تھے یہ وہ علاقے ہیں جو دہلی کی سلطنت میں شامل نہ تھے۔

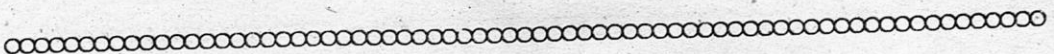
اکبر اگرچہ پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن اس نے سلطنت کا ایسا انتظام کیا اور ملک کو ایسی ترقی دی کہ تعجب ہوتا ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کو پندرہ صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبہ میں ایک صوبہ دار مقرر کیا۔ اس نے کاشتکاروں کے متعلق شیر شاہ کی اصلاحات کو ترقی دی۔ اس کام میں فتح اللہ شیرازی اور ایک ہندو راجہ ٹوڈرمل نے جو شیر شاہ کے زمانہ میں کام کر چکا تھا، اکبر کی بڑی مدد کی۔ اکبر نے انتظام ملک کے متعلق نئے نئے قوانین بھی بنائے جن پر اتنا زمانہ گزرنے کے بعد آج بھی عمل ہوتا ہے۔

7.4 نورالدین جہانگیر:

اکبر کے بعد اس کا لڑکا سلیم، نورالدین جہانگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ جہانگیر (1605ء تا 1627ء) اپنے باپ کے برعکس آرام طلب اور عیش پسند تھا۔ اکبر کے تمام لڑکے دربار کے غیر مذہبی ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے شراب کے عادی تھے۔ شراب اکبر بھی پیتا تھا، لیکن اعتدال کے ساتھ، اس کے لڑکوں نے اس معاملے میں حد کی قید اڑا دی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شہزادہ مراد اور شہزادہ دانیال شراب نوشی کی کثرت کی وجہ سے جوانی میں ہی مر گئے۔ جہانگیر بھی اس مرض میں مبتلا تھا اور اگر اس کی عقلمند بیوی نور جہاں اس کی شراب کم نہ کر دیتی تو شاید جہانگیر کا حشر بھی اپنے بھائیوں کی طرح ہوتا۔

7.5 شہاب الدین شاہجہان:

جہانگیر کے بعد اس کا بیٹا خرم شہاب الدین محمد شاہجہان کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس دور کے اہم سیاسی واقعات میں سے ایک ہگلی (بنگال) میں پرتگیزوں کا ہنگامہ ہے، جس کے بعد پرتگیزوں کو 1632ء میں مستقل طور پر نکال دیا



گیا۔قندھار جس پر مغلوں نے جہانگیر کے زمانے میں قبضہ کرلیا تھا۔1638ء میں ایران نے پھر واپس لے لیا۔اس کے بعد شاہجہان نے تین مرتبہ قندھار لینے کی کوشش کی،لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔وسط ایشیا میں بخارا کے حکمران امام قلی کے بعد اس کے بھائی نذر محمد کو جب ازبکوں نے نکال باہر کیا،تو ازبکوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شاہجہاں نے اپنے آبائی وطن پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور 1686ء میں بدخشاں اور بلخ پر قبضہ کرلیا،لیکن دہلی کے سپاہی موسم کی شدت سے گھبرا گئے اور شاہجہاں کو اپنی فوجیں واپس بلانا پڑیں۔

7.6 محی الدین اورنگزیب عالمگیر:

شاہجہاں کے بعد اس کا لڑکا اورنگزیب،محی الدین عالمگیر کے لقب سے تخت سلطنت پر بیٹھا۔اورنگزیب ہندوستان کا سب سے بڑا تیموری حکمران ہے۔جس طرح عربوں کی سلطنت ولید کے زمانے میں سلجوقیوں کی سلطنت ملک شاہ کے زمانے میں اور عثانی سلطنت وزیر اعظم محمد پاشا صوقوللی کے زمانے میں اپنے نقطہ عروج پر پہنچی تھی،اسی طرح دہلی کی تیموری سلطنت اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں اپنے نقطہ عروج پر پہنچی۔اورنگزیب حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک تھا۔وہ لڑکپن ہی سے بہادر،ذہین اور نیک طبیعت تھا۔

اورنگزیب اس برصغیر کا سب سے بڑا بادشاہ ہے وہ صرف اس لحاظ سے ہی بڑا نہیں کہ اس کے قبضہ میں سارا ملک تھا بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اخلاق،عادت،محبت،دیانت،انصاف اور حکومت کی ذمہ داری اور رعایا پروری کے لحاظ سے بھی وہ بے مثل تھا۔ وہ سرکاری آمدنی کو اپنے ذاتی خرچ میں نہیں لاتا تھا،کیونکہ وہ رعایا کا مال تھی۔رعایا سے جو رقم ٹیکس کے ذریعے وصول کی جائے اسے رعایا پر ہی خرچ کرنا چاہیے۔اسے اپنے ذاتی عیش و آرام کی تعمیر پر خرچ کرنا بری عادت ہے۔خلفائے راشدین نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی خود ہندوستان میں ناصرالدین محمود کا یہی طریقہ تھا۔اورنگزیب نے بھی اس اعلیٰ مثال پر عمل کیا۔

7.7 مغلیہ سلطنت کا زوال:

1707ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی مغلیہ سلطنت جس کا آغاز 1526ء میں ہوا تھا زوال پذیر ہوگئی مگر اس کے باوجود بھی یہ سلطنت ڈیڑھ سو سال بعد 1857 میں مکمل طور پر ختم ہوئی،اس ڈیڑھ سو سال میں نو اہم حکمرانوں نے حکومت کی۔جن کے نام یہ ہیں۔بہادر شاہ،جہاندار شاہ،فرخ سیر،محمد شاہ،احمد شاہ،عالمگیر ثانی،شاہ عالم ثانی،اکبر ثانی،

بہادر شاہ ثانی جسے بہادر شاہ ظفر کہتے ہیں۔ مغلیہ دور کے آخری تاجدار تھے، جن سے انگریز فوجوں نے اقتدار لے کر 1857ء میں ہندوستان میں مغلیہ عہد کا خاتمہ کر دیا اور برطانوی عہد کا آغاز ہو گیا۔

مغلیہ دور کے زوال میں ہندوستان پر 1739ء میں نادر قلی ایران کے حاکم نے حملہ کر کے دہلی تک قبضہ کر لیا مگر مال سمیٹ کر حکومت دوبارہ مغلیہ تاجدار محمد شاہ کے حوالہ کر دی اور 1751ء میں احمد شاہ ابدالی والی افغانستان نے ہندوستان کو فتح کیا لیکن اقتدار احمد شاہ کے پاس ہی رہنے دیا۔

7.8 مغلیہ دور کے تعلیمی و تہذیبی آثار:

عہد مغلیہ میں برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کی حکومت کا آخری اور زریں دور تھا، عربی کے مصنف جتنی بڑی تعداد میں ہوئے اتنے کسی اور خاندان کے عہد حکومت میں نہیں ہوئے۔ عہد مغلیہ کے بعض مصنف بیرون ہند بھی مشہور ہوئے اور ان کی تصانیف عرب، مصر اور ترکی میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ ان مصنفوں میں فیضی، عبدالحق دہلوی، عبدالحکیم سیالکوٹی، شاہ ولی اللہ دہلوی، غلام علی آزاد بلگرامی اور محب اللہ بہاری بہت ممتاز ہیں۔ عہد مغلیہ پر اس عام تبصرہ کے بعد اس خاندان کے اہم بادشاہوں کے عہد کی قلمی سرگرمیوں کا مختصر حال بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اکبر کے بارے میں یہ اختلافی مسئلہ ہے کہ وہ ان پڑھ تھا یا نہیں، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ عربی سے بالکل ناواقف تھا۔ تاہم وہ علوم کا ایک عظیم ترین سرپرست تھا اور مختلف علوم و فنون کے ماہر اور صاحبات کمال اس کے عظیم الشان دربار سے منسلک تھے۔ "آئین اکبری"، "منتخب التاریخ" اور "طبقات شاہ جہانی" سب میں اس عہد کے اولیا اور علماء کے ناموں کی فہرستیں موجود ہیں۔ ملک الشعراء فیضی کو عربی زبان پر حیرت انگیز قدرت حاصل تھی۔ جس کا ثبوت اس کی "سواطع الالہام" اور "صواد الکلم" جیسی تصانیف سے ملتا ہے۔ جن میں شروع سے آخر تک کوئی نقطہ دار حرف استعمال نہیں کیا۔ نوراللہ شوستری ایک ممتاز شیعہ عالم اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ میر کلاں اسی بادشاہ کے عہد میں ہرات سے ہند آئے تھے اور اکبر نے ان کو اپنے بیٹے سلیم کا استاد مقرر کیا تھا۔

شاہ جہان اپنے والد جہانگیر سے بھی زیادہ عالم و فاضل تھا اور اس کو مذہب سے گہرا شغف بھی تھا، چنانچہ اس نے مسلمہ علوم کو بہت فروغ دیا اور اس کے شاندار عہد حکومت میں علماء اور صاحبان کمال بڑی تعداد میں موجود تھے جن میں محمود

جونپوری، نورالحق، عبدالحکیم سیالکوٹی، عبدالرشید، عبدالباقی اور محب اللہ آبادی سب سے زیادہ مشہور ہیں، یہ سب کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔

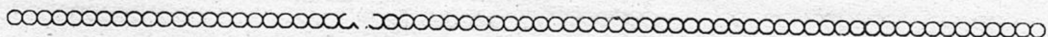
شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر ان سب سے بڑھ کر عالم و فاضل اور بہت زیادہ مذہبی و متقی تھے۔ انہوں نے اپنی سلطنت میں اسلامی علوم کی اشاعت اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کیلئے نہایت خلوص اور مستعد ی سے کام کیا۔

عالمگیر نے شیخ نظام کی سرکردگی میں ممتاز علمائے دین کی ایک مجلس مقرر کی تھی تا کہ حنفی فقہ نہایت جامع شکل میں مرتب کی جائے اور اس اہم اور زبردست کام پر کثیر دولت صرف کی۔ حنفی فقہ کا یہ مجموعہ "فتاویٰ عالمگیری" ہے جو بیرون ہند "فتاویٰ الھندیہ" کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ عہد عالمگیری کے علماء میں مُلّا جیون، محب اللہ آلہ آبادی، میر زاہد اور ملا قطب الدین سہالوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور یہ سب متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

شہنشاہ عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ کی عظمت وقوت زوال پذیر ہونے لگی۔ بہادر شاہ علماء کی صحبت میں رہنا بہت پسند کرتا تھا۔ مگر محمد شاہ عیش وعشرت اور عیاشی میں شرمناک حد تک مبتلا ہو گیا اور اس کے بعد مغل بادشاہ بااقتدار نہیں رہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ کے بسرعت زوال اور ملک میں بدامنی ہو جانے کے باوجود اس زمانہ میں بہت سے علماء پیدا ہوئے جن میں عبدالجلیل بلگرامی، غلام علی آزاد، فضل امام، فضل حق خیر آبادی، تراب علی، محمد حسن، محمد مبین، ثناء اللہ پانی پتی، حمداللہ اور احمد علی سندیلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

8۔ برصغیر میں برطانوی عہد کا آغاز

اٹھارویں صدی عیسوی کے آغاز کے ساتھ ہی ہندوستان کی تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ گزشتہ دو صدیاں برصغیر میں مغلوں کے قیام واستحکام پر مبنی تھیں۔ اب حالات بدل چکے تھے اس صدی کی ابتداء کا سب سے اہم سانحہ شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کی وفات ہے جو 1707ء میں ہوئی۔ جبکہ رموز سلطنت سے نا آشنا عمر رسیدہ شہزادے اپنے اسلاف کی طرح سلطنت کو مزید وسعت اور تحفظ فراہم کرنے کے بجائے جنگ جانشینی میں ملوث ہو گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جس کی حیثیت اورنگزیب کے دور تک محض ایک تجارتی ادارے کی تھی اس کے اقتدار اور اختیار میں اضافہ ہو گیا۔ سب سے پہلے اس ادارے



نے اپنی اصلاح کی۔قدیم ایسٹ انڈیا کمپنی لندن اور جدید انگلش کمپنی اورنگزیب کے آخری دور میں ہندوستان میں قائم ہوئی تھی دونوں کوایک پلیٹ فارم پرلایا گیااور بالخصوص بنگال میں برطانوی طاقت کومضبوط کیا گیااور برطانوی نیوی کی مدد سے اپنی فوجی طاقت کوتقویت پہنچانے کا اہتمام کیا گیااور یوں ہندوستان کی مقامی سیاسی قوتوں کے بالمقابل ایک خارجی طاقت اپنے پیر جمانے لگی جومستقبل میں ہندوستان کی تقدیر کا فیصلہ کرنے والی تھی۔

ہندوستان میں مغلیہ حکومت کے عروج کے زمانہ میں یورپی قوموں کی آمد شروع ہوچکی تھی، جب اورنگزیب عالمگیر کے بعد یہ سلطنت کمزور ہوئی تو ان قوموں نے بھی اس خطہ پر اپنی حکمرانی کے خواب دیکھنے شروع کردیئے۔مجموعی طور پر برطانیہ، فرانس، اٹلی پرتگال اور ہالینڈ کے وفود مختلف اوقات میں 1498 سے لیکر 1761ء تک اس خطہ میں قدم جمانے کیلئے مختلف تدابیر کوروبہ عمل لانے میں مصروف رہے، لیکن تمام ناکام رہے اور آخر کار فرانس اور برطانیہ میں 1741ء سے 1761ء تک تین اہم جنگیں ہوئیں جن میں برطانیہ نے فرانس کو شکست دے کر بلاشرکت غیرے اس خطہ میں اپنی عملداری قائم کرنے کی کوششیں شروع کردیں۔

8.1 برطانوی حکومت کا آغاز (1857ء تا 1947ء)

برطانوی برصغیر میں تاجروں کے روپ میں آئے اور مختلف علاقوں میں تجارتی کوٹھیاں اور قلعے قائم کرکے اپنی طاقت کو وہاں تک محدود رکھتے تھے۔ان کا قیام زیادہ تر کلکتہ، ممبئی، مدراس اور ہگلی غیرہ میں ہوتا تھا۔لیکن مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد طوائف الملوکی کی وجہ سے ان میں بھی حکمرانی کا شوق پیدا ہوااورانہوں نے اس وقت کے مختلف حکمرانوں کے ساتھ جوڑتوڑ کرکے اپنی طاقت کومضبوط کیا اور 1757ء میں نواب سراج الدولہ کو بنگال میں پلاسی کے میدان میں شکست دے کراپنی حکومت کا آغاز کیا اور گورنمنٹ آف برطانیہ کی طرف سے ان علاقوں کا باقاعدہ گورنر مقرر ہونا شروع ہوگیا۔1765ء میں لارڈ کلائیوان مقبوضات کا گورنر مقرر ہوا، لیکن ابھی تک یہ علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت تصور ہوتے اور گورنر کمپنی کے آگے جواب دہ ہوتا تھا۔1765ء سے 1857ء کی جنگ آزادی تک انگریزوں نے اپنی عملداری اور اثرات سارے برصغیر میں پھیلادیئے لیکن ان کی باقاعدہ حکومت 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد قائم ہوئی۔اس جنگ میں جن کوانہوں نے غدر کا نام دیا تھا۔مغلیہ حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور انگریز بلاشرکت غیرے سارے برصغیر کے حکمران بن گئے اور اس کے ساتھ ہی کمپنی کی حکومت ختم ہوگی اور برٹش پارلیمنٹ نے 1858ء میں ایک قانون پاس کرکے ہندوستان کا انتظام براہ راست شاہ انگلستان کے ماتحت ہوکردیا اور پہلا وائسرائے لارڈ کیننگ مقرر ہوا۔

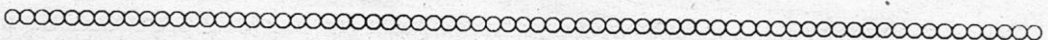
oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

1857ء میں برطانوی حکومت کے مکمل کنٹرول کر لینے کے بعد لارڈ کیننگ سے لے کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن تک کل بیس وائسرائے مختلف اوقات میں ہندوستان میں تعینات کئے گئے اور انہوں نے اپنے ادوار میں متعدد اقدامات کئے، اسی دور میں ہندوستان میں تحریک آزادی ہند کا آغاز ہوا جو متعدد ادوار سے گزر کر پھر تحریک پاکستان کی صورت بھی اختیار کر گئی اور یہ عوامی تحریک 1947ء میں کامیاب ہوئی اور اس طرح برصغیر میں برطانوی عہد کا خاتمہ 14 اگست 1947ء کو ہوا اور دو عظیم سلطنتیں ہندوستان اور پاکستان معرض وجود میں آئیں۔

9۔ تحریک آزادی ہند

برطانوی حکومت کے غلبہ سے نجات حاصل کرنے کیلئے انیسویں صدی کے وسط سے علانیہ وخفیہ تعلیمی وتبلیغی اور سیاسی وادابی متعدد طریقوں کی آزادی کی تحریکوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس آغاز سے لے کر 1916ء تک مسلمانوں کا یہ خیال ایک عرصہ تک رہا کہ ہندوستان کی آزادی ہندو مسلم اتحاد کے بغیر ممکن نہیں، اس سلسلہ میں انہوں نے ہندوؤں سے مل کر 1905ء میں تحریک ریشمی رومال شروع کی جس میں پیغام رسانی کیلئے ریشمی رومال کے کنارے استعمال کئے جاتے تھے۔ اس تحریک میں مولانا محمود الحسن دیوبندی کا عالمگیر کردار قابل ذکر ہے۔ بعد ازاں دوسری تحریک خلافت 1912ء میں شروع کی پھر تیسری تحریک ہجرت 1914ء میں شروع ہوئی، اس طرح تحریک ردعیسائیت، تحریک ترک موالات تمام تحریکیں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر چلائیں لیکن ہر تحریک کے اختتام پر انہیں یہ بات واضح طور پر محسوس ہوئی کہ ہندوان کو ساتھ ملا کر ہندوؤں کے غلبہ کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ہندوؤں کے غلبہ کیلئے کانگریس کے اہم لیڈروں نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کیں۔ شدھی سے مراد اپنا مذہب تبدیل کر کے ہندومت اختیار کرنا تھا اور سنگھٹن کا مقصد ہندوؤں کو اسلحہ کے استعمال کی تربیت دینا تھی تا کہ وہ مسلمانوں کو کچل سکیں۔ شردھانند اور ڈاکٹر مونجے ان تحریکوں کے روح رواں تھے جو کانگریس کے مرکزی لیڈر تھے۔

مسلمانوں نے ہندوؤں کے اس رویہ کو دیکھ کر 1916ء میں میثاق لکھنؤ کے بعد تحریک آزادی ہند کو تحریک پاکستان کا نام دے کر ہندوؤں سے علیحدہ اپنی کوششوں کا آغاز کر دیا۔



10۔ تحریک پاکستان

بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں مسلم لیگ کی یہی کوشش رہی کہ ہندوؤں اور انگریزوں سے مسلمانوں کی جداگانہ قومی ہستی کو منوالے۔ اس لئے 1931ء تک اس کا نصب العین مسلمانان ہند کی علیحدہ سیاسی تنظیم اور جداگانہ انتخاب کے حق کو حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ 1909ء میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق حاصل ہوگیا۔ 11-1910ء میں طرابلس اور بلقان کی جنگوں نے مسلمانوں میں سیاسی بیداری کے جذبہ کو مزید تقویت دی۔ بعدازاں 1913ء میں کانپور میں ایک مقام پر سڑک کو سیدھا کرنے کیلئے مسجد کا ایک حصہ ڈھایا گیا۔ اس پر مسلمان مشتعل ہوگئے اور حکومت نے ان پر گولی چلادی۔ لیگ کو اسی زمانے میں کافی رسوخ حاصل ہوا۔ 1916ء میں کانگریس اور مسلم لیگ نے مل کر لکھنؤ میں سیاسی حقوق کے متعلق ایک باہمی سمجھوتہ کیا جو میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور ہے۔ اس سمجھوتے کی رو سے مسلمانوں کو ان صوبوں میں زیادہ نمائندگی مل گئی جہاں ان کی تعداد تھوڑی تھی اور اس کے عوض پنجاب اور بنگال کے مسلمان اپنی اکثریت کھو بیٹھے۔

1930ء میں آلہ آباد کے مقام آل انڈیا مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا، اس جلسہ کے صدر سر محمد اقبال تھے، انہوں نے اپنے صدارتی خطبے میں اس بات کی توضیح کی کہ مسلمانان ہند اپنی مذہبی وقومی روایات کے اعتبار سے ایک فرقہ نہیں بلکہ ایک علیحدہ قوم ہے اور ان کے سیاسی مسائل کا بہترین حل یہ ہے کہ ہندوپاکستان کے شمال مغربی حصے میں ایک علیحدہ اسلامی ریاست قائم کردی جائے جو مسلمانوں کی اکثریت والے صوبوں یعنی پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ، بلوچستان اور کشمیر پر مشتمل ہو۔

ڈاکٹر محمد اقبال کے اس بلند نصب العین کے باوجود مسلم لیگ نے 1921ء سے 1932ء تک کانگریس سے باعزت سمجھوتہ کرنے کی کوششیں کیں تاکہ وہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کو اسلامی طرز پر زندگی بسر کرنے کے مواقع میسر ہوں مگر 1931ء میں دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر محمد علی جناح کو یقین ہوگیا کہ ہندو مسلمانوں سے کسی صورت میں بھی باعزت سمجھوتہ کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اس لئے دوسری گول میز کانفرنس کی ناکامی کے بعد مسلم لیگ کی پالیسی بدل گئی۔ اس وقت سے قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کو جداگانہ قومیت کا تخیل دے کر انہیں کانگریس میں جذب ہونے سے روکا اور ان کیلئے ایک علیحدہ ہوم لینڈ کا مطالبہ کیا۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

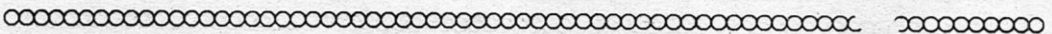
ان باتوں کے باوجود قائداعظم محمد علی جناحؒ نے 15 اگست 1939ء کو اپنی تقریری میں اس امر کی توضیح کردی کہ پارلیمنٹری طرز کی جمہوری حکومت برصغیر ہندوپاکستان کیلئے غیر موزوں ہے جہاں بے شمار قومیں آباد ہیں اور ملک مذکورہ میں ہندو مسلمان دو جدا قومیں ہیں۔ مارچ 1940ء میں بمقام لاہور آل انڈیا مسلم لیگ کا وہ تاریخی اجلاس منعقد ہوا جس میں باقاعدہ طور پر پاکستان کی قرارداد پاس ہوگئی۔ جس کی رو سے مسلمانوں نے تقسیم ہند کا مطالبہ کرتے ہوئے ایک ایسی خودمختار مملکت کے حصول کا نصب العین پیش کیا جو ہندوپاک کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں مسلمانوں کی اکثریت والے جغرافیائی لحاظ سے علاقہ جات پر مشتمل ہو۔

10.1 قرارداد پاکستان:

1940ء کا سال برعظیم کے مسلمانوں کی سیاسی وقومی زندگی میں نہایت اہم اور انقلاب آفریں ثابت ہوا۔ اس سال مسلم لیگ نے ہندوستان میں ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ 23 مارچ کو لاہور میں مسلم لیگ کے ایک عظیم الشان سالانہ اجلاس میں پیش کیا گیا۔ اس وقت تک برعظیم کے مسلمانوں میں ایک آزاد اسلامی مملکت کا تصور عام ہو چکا تھا اور اب وہ اسے اپنے قومی اور سیاسی مسائل کا واحد حل سمجھنے لگے تھے۔ اس مرحلے تک پہنچتے پہنچتے محمد علی جناح کو مسلمانوں میں قائداعظم کی حیثیت اور مقبول حاصل ہو چکی تھی۔ قرارداد پاکستان کے پیش کئے جانے سے کچھ ہی دن قبل لندن کے ایک جریدے میں قائداعظم کا ایک بہت اہم مضمون شائع ہوا۔ جس کے آخری حصے میں انہوں نے لکھا کہ ہندوستان کیلئے ایک ایسا آئین وضع کرنا چاہیے جو اس حقیقت پر مبنی ہو کہ ہندوستان میں دو قومیں بستی ہیں اور جس کی رو سے دونوں قومیں حکومت میں برابر کی حصہ دار ہوں۔

مسلم لیگ کے اس تاریخی اجلاس میں ہندوستان کے بیشتر سرکردہ رہنما شریک تھے اور حاضرین کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق پچاس ہزار سے زائد تھی۔ اے کے فضل الحق نے اس موقعہ پر وہ تاریخی قرارداد پیش کی جسے مسلم لیگ کی ایک ذیلی مجلس نے مرتبہ کیا تھا۔ اس قرارداد کے اہم حصے میں کہا گیا تھا کہ!

''ہندوستان کے آئینی مستقبل کے متعلق مسلمانوں کو وہی تجویز قابل قبول ہوگی جس کے تحت صوبائی سرحدوں میں ضروری ردوبدل کر کے ملک کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ ان علاقوں میں آزاد ریاستیں قائم ہوسکیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے یعنی ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی خطے۔ ان ریاستوں میں جو صوبے شامل ہونگے ان کو مکمل خودمختاری



اور اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگا''

اس قرارداد نے برعظیم کے مسلمانوں میں ایک تازہ روح پھونک دی۔ مسلمانوں نے جب ایک متعین مقصد کی حیثیت میں اس نظریئے کو اختیار کرلیا تو ان کی جدوجہد آزادی ایک نہایت اہم مرحلہ میں داخل ہوگئی۔

10.2 کرپس مشن کی تجاویز:

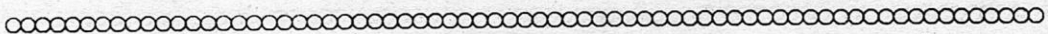
تحریک آزادی کے دوران جنگ عظیم ثانی (1939ء تا1944) شروع ہوگئی۔ جس میں برطانیہ کا بنیادی کردار تھا، اس جنگ عظیم کی وجہ سے برطانیہ کی مرکزی حکومت کمزور ہوگئی جس کے اثرات برصغیر پر بھی پڑے۔

1941ء میں جاپان بھی جنگ میں کود پڑا، اس کی وجہ سے مشرق کے اندر برطانیہ کی جنگی پوزیشن کمزور ہوئی اور دشمن کے ہندوستان میں داخل ہو جانے کا خطرہ پیدا ہوا۔ ایسی حالت میں برطانوی حکومت نے سر اسٹافورڈ کرپس کو چند تجاویز کے ساتھ ہندوستان بھیجا تاکہ وہ کانگریس کو برطانیہ کی حمایت پر راضی کرے، ان تجاویز میں یہ یقین دلایا گیا تھا کہ جنگ کے ختم ہونے ہی برطانیہ ہندوستان کو نوآبادیوں کا درجہ عطا کرے گا، اس کا آئین وفاقی ہوگا اور صوبوں وعلاقوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ مرکز سے علیحدہ ہوسکیں۔ کانگریس نے ان تجاویز کو حقارت سے ٹھکرادیا، مسلم لیگ نے بھی یہی صورت اختیار کی اس لئے ان میں تقسیم ملک کی کوئی اسکیم شامل نہیں تھی۔ صوبوں اور علاقوں کو وفاق سے علیحدہ ہونے اور رہنے کا حق ضمناً اور الجھے ہوئے انداز میں دیا گیا تھا۔

کرپس کی ناکامی کے بعد 1942ء میں کانگریس کے برطانیہ کے خلاف 'ہندوستان چھوڑ دو' کی تحریک چلائی اور تشدد کی راہ اختیار کی، لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا، برطانوی حکومت نے سختی سے اسے کچل ڈالا اور تمام ممتاز کانگریسی رہنماؤں کو گرفتار کرلیا۔ مسلم لیگ قدرتی طور پر اس تحریک سے علیحدہ رہی۔

10.3 شملہ کانفرنس:

1945ء میں جنگ ختم ہوئی اور برطانیہ نے اقتدار منتقل کر دینے پر آمادگی ظاہر کی لیکن سوال یہ تھا کہ اقتدار کو منتقل کیا جائے، اس سلسلہ میں وائسرائے نے شملہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کی ایک کانفرنس بلائی اور اس بات پر زور



ڈالا کہ دونوں جماعتیں مل کر حکومت بنائیں، لیکن کانگریس مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ تھی۔ لہٰذا اس نے انکار کر دیا۔ ایسی صورت میں مسلم لیگ نے انتخاب کی تجویز پیش کی جسے کانگریس نے منظور کر لیا۔ چنانچہ 1946ء میں انتخاب عمل میں آیا۔

صوبائی قانون کی مجالس میں مسلمانوں کی نشستیں پانچ سو ساٹھ تھیں جب انتخاب ہوا تو ان میں سے چار سو ستائیس مسلم لیگ نے حاصل کر لیں اور یوں یہ واضح کر دیا کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتی، صرف مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔

10.4 وزارتی مشن:

انتخاب کے بعد مارچ 1946ء میں حکومت برطانیہ نے ایک مشن بھیجا جو تین وزراء پر مشتمل تھا اس لئے وزارتی مشن کے نام سے موسوم ہوا، اس کا مقصد کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ثالثی کا فرض انجام دے کر انہیں حق خود اختیاری عطا کرنا تھا، ان کے منصوبہ میں سر گونہ وفاق تجویز کیا گیا تھا، اس کے ساتھ ایک کمزور مرکز تھا جو گویا سیاسی وحدت کا نشان تھا اس منصوبہ کو بھی کانگریس نے نامنظور کر دیا۔

10.5 عبوری حکومت:

مشن کی ناکامی کے بعد وائسرائے نے مرکز میں نمائندہ حکومت بنانے کی پھر کوششیں شروع کیں چنانچہ دونوں جماعتوں سے گفت و شنید کے بعد اس نے جواہر لال نہرو کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دی کانگریس اس پر تیار ہوگئی، لہٰذا مسٹر نہرو نے حکومت بنائی جس میں مسلم لیگ بھی شامل ہوگئی۔

اس عبوری حکومت کے قیام کے فوراً بعد ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ شروع ہوا اور اکتوبر 1946ء میں صوبہ بہار کے اندر ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا، یہ واقعہ اتنا سنگین تھا کہ پورے ہندوستان میں ہلچل مچ گئی اور اس بات کا خطرہ پیدا ہوا کہ ملک خوفناک خانہ جنگیوں کا شکار ہو جائے گی، ساتھ ہی ان فسادات نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ کا دعویٰ صحیح ہے اور فی الحقیقت ہندو اور مسلمان دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں۔

میدان سیاست میں شکست کھانے کے بعد ہندوؤں نے زور آزمائی شروع کردی تھی اور تشدد پر اتر آئے تھے مگر اس ذریعہ سے بھی کامیابی حاصل کرلینا کوئی یقینی بات نہ تھی مسلم رہنماؤں نے انہیں خبردار کردیا تھا کہ وہ مسلمانوں کا قتل عام بند کریں ورنہ وہ بھی طاقت کے خلاف طاقت استعمال کرینگے، دوسری طرف فروری 1947ء میں برطانوی وزیراعظم لارڈ ایٹلی نے ہندوستان کو چھوڑ دینے کی ایک تاریخ مقرر کردی کہ انگریز ہر حالت میں جون 1948ء تک حکومت سے دست بردار ہوجائیں گے، لہذا کانگریس اور مسلم لیگ کو سمجھوتہ کرکے اسے سنبھالنے کیلئے تیار ہوجانا چاہتے ورنہ اس برصغیر کی تباہی کی پوری ذمہ داری ان پر ہوگی، اس وائسرائے کو بھی حکومت برطانیہ نے واپس بلالیا اور اس کی جگہ پر لارڈ مونٹ بیٹن کو مقرر کیا۔

11۔ مسلم لیگ کی جدوجہد کا نیا دور

''قرارداد پاکستان'' مسلمانوں کے عقیدے کا ایک جزو بن چکی تھی۔ مگر انہوں نے اپنی جو منزل متعین کی تھی اس تک پہنچنے کیلئے انہیں ابھی بہت دور چلنا تھا۔ ہندوؤں کا ردعمل بہت ہیجانی تھا، انہوں نے جتنی زیادہ قوت اور شدت سے مخالفت کی مسلمانوں کو اس کی ضرورت کا اتنا ہی احساس ہوتا گیا۔ کانگریس اور مسلم لیگ میں حائل خلیج مزید وسعت اختیار کرگئی۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہوتے ہی ہندوستان کی سیاسی فضا میں بھی ہلچل پیدا ہوگئی۔ مسلم لیگ نے ستمبر 1939ء میں حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ کوئی بھی آئینی منصوبہ مسلم لیگ کے صلاح مشورے اور منظوری کے بغیر ہندوستان میں نافذ نہ کیا جائے۔ 2 جون 1940ء میں قائداعظم نے وائسرائے سے ملاقات کی اور اسے آگاہ کیا کہ مسلم لیگ حکومت سے جنگ میں صرف اسی صورت میں تعاون کرے گی جب کہ ہندوستان میں کوئی بھی مستقل یا عبوری آئینی ڈھانچہ لیگ کی منظوری کے بغیر نافذ نہ کیا جائے۔ کچھ دن کے بعد قائداعظم نے حکومت کو یہ بھی تجویز کیا کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے ایسا کوئی اعلان نہیں ہونا چاہیے جو کسی طرح اس بنیاد یا بنیادی اصولوں کے خلاف ہو جو ہندوستان کی تقسیم اور شمال و مغرب اور مشرق میں مسلم ریاستیں قائم کرنے کیلئے ''قرارداد پاکستان'' میں طے کردیئے گئے ہیں۔ وہ نصب العین اب مسلم ہندوستان کا عام عقیدہ بن گیا ہے۔ وائسرائے نے ان تجاویز کے اس حصے کو تسلیم کرلیا چنانچہ مسلم لیگ نے اس کو اپنے اس موقف اور نقطہ نظر کی کامیابی قرار دیا جو اس نے ''قرارداد پاکستان'' میں اختیار کیا تھا۔

مسلمانوں کیلئے اب ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کا قیام صاف اور معین مقصد تھا اور اس کیلئے ان میں بڑا جوش پایا جاتا

تھا۔ ایک سمجھدار طبقہ اس کیلئے منصوبے، نقشے اور خاکے بنانے میں منہمک ہو گیا۔ مسلم لیگ بہت زیادہ منظم اور فعال ہوئی۔ اس کی شاخیں اپنی اپنی تنظیم کو درست اور مستعد کرنے میں لگ گئیں۔ رضا کاروں کی جمعیتیں پھیل پانے لگیں اور انہوں نے اپنے آپ کو مسلم لیگ کے ضوابط کے مطابق منظم کرنا شروع کیا۔ مسلم لیگ کی مرکزی مجلس عاملہ نے ایک قرارداد میں طے کیا کہ ہر سال 23 مارچ کا دن مسلم لیگ یوم پاکستان کے طور پر منائے۔ اس دن ''قرارداد پاکستان'' کے اصولوں کی تشریح کی جائے اور تمام مسلمانوں پر واضح کیا جائے کہ تمام قومی اور سیاسی مسائل کا یہی واحد حل ہے۔ ایک اور قرارداد میں یہ طے کیا گیا کہ ہر تیسرے مہینے صوبائی اور ضلعی لیگیں ہفتہ مسلم لیگ منائیں جس میں مسلم لیگ کے مقاصد اور لائحہ عمل کی وضاحت کی جائے، مسلم لیگ کے لئے رکنیت سازی کی جائے اور مسلمانوں کی اقتصادی معاشرتی اور تعلیمی ترقی کیلئے تعمیر کام کئے جائیں۔

11.1 تقسیم ہند کا منصوبہ:

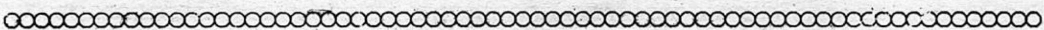
لارڈ مؤنٹ بیٹن ہندوستان کا آخری وائسرائے تھا اس کا تعلق برطانیہ کے شاہی خاندان سے تھا۔ مونٹ بیٹن کے پیش نظر اس وقت ہندوستان کی آزادی کے سوا کوئی اور متبادل صورت باقی نہیں تھی۔ ہندوستان میں سب فریق حصول آزادی پر متفق تھے۔ صرف اختلاف اس امر پر تھا کہ آزادی کے بعد ایک آزاد و خود مختار مملکت ہونی چاہیے یا دو۔ برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کی آزادی کے فیصلے کا مسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے خیر مقدم کیا۔ لیکن اس اعلان نے بیک وقت دونوں کیلئے جہاں بہتر امیدیں پیدا کی تھیں وہیں خدشات کو بھی ابھارا تھا۔ کانگریس ابھی تک پورے برعظیم پر اقتدار کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی لیکن اسے یہ اندیشہ بھی تھا کہ شاید پورا برعظیم اس کی گرفت میں نہ آسکے۔ ایسی صورت میں وہ برعظیم کا زیادہ سے زیادہ حصہ اپنے قبضے میں رکھنا چاہتی تھی، چنانچہ اس نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا بھی مطالبہ کر دیا۔ اس صورت حال میں مسلم لیگ کو انگریزوں کے رویئے سے بڑی حد تک تشویش سی تھی۔ اس کیلئے مسلم اکثریتی صوبوں بالخصوص پنجاب اور سرحد کی سیاسی حالت بھی تشویشناک تھی۔ پنجاب میں مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں کی باہمی کشمکش نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اور صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کا اثر اور زور اس قدر بڑھ چکا تھا کہ عوام کانگریسی حکومت کیخلاف بغاوت پر آمادہ تھے۔ اب وہاں مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی قوت نے کانگریس کی اس دولت کا اثر خاک میں ملا دیا تھا کہ جس سے وہ کسی زمانے میں اپنے ہم خیال رہنماؤں کے ذریعے سرحدی مسلمانوں کے ووٹ خرید ا کرتی تھی۔ پنجاب میں سکھوں کے رہنما خاصا اشتعال پیدا کر رہے تھے۔ حکومت برطانیہ کیلئے اب یہی راستہ تھا کہ جلد از جلد ہندوستان کو تقسیم کر کے خود کنارہ کش ہو جائے۔ چنانچہ کئی ابتدائی

مرحلوں کے بعد اس نے ایک منصوبہ ہندوستان کو تقسیم کر کے خود کنارہ کش ہو جائے۔ چنانچہ کئی ابتدائی مرحلوں کے بعد اس نے ایک منصوبہ ہندوستانیوں کو بہت حد تک اتفاق رائے سے تیار کیا جو حرف آخر تھا اور اس میں کسی ردوبدل کی گنجائش نہ تھی۔ 3 جون 1946ء کو اس فیصلے کا اعلان کیا گیا، جو یہ تھا کہ برطانیہ کے واپس چلے جانے سے پہلے ہندوستان کو دو آزاد اور خود مختار مملکتوں بھارت اور پاکستان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ دونوں مملکتوں کو اس کا اختیار ہوگا کہ چاہیں تو دولت مشترکہ سے الگ ہو جائیں۔ پہلے یہ کہا گیا تھا کہ جون 1948ء تک ہندوستان کو مکمل آزادی دے دی جائے گی۔ لیکن اس منصوبے کے تحت یہ کہا گیا کہ 15 اگست تک تقسیم کے سلسلے میں تمام ضروری کارروائی مکمل ہو جائے اور اس تاریخ کو ہندوستان برطانیہ کا اقتدار ختم ہو جائے۔ اسی تاریخ کو دیسی ریاستوں پر بھی برطانوی حکومت کا اقتدار اعلیٰ ختم ہو جائے۔ اس کے بعد ہر ریاست کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہو کہ بھارت میں شامل ہو یا پاکستان میں بالکل آزاد ہو جائے۔

یہ فیصلہ بہت کچھ مسلمانوں کی خواہش اور منشاء کے مطابق تھا پاکستان کے قیام کا مطالبہ منظور کر لیا گیا تھا اور یہ قائد اعظم اور مسلم لیگ کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ لیکن ابھی اور بھی دشواریاں موجود تھیں۔ حکومت برطانیہ نے تقسیم کا فیصلہ تو کر لیا تھا۔ لیکن یہ تقسیم اس صورت میں عمل میں آسکتی تھی کہ بنگال اور پنجاب کے صوبے بھی تقسیم ہوں۔ مسلم اکثریت کے صوبوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں تو پاکستان میں شامل ہوں یا اس سے الگ رہیں۔ مغربی پنجاب، مشرقی بنگال اور سندھ میں یہ فیصلہ کرنے کا اختیار اسمبلی کو دیا گیا اور بلوچستان میں شاہی جرگے کو، صوبہ سرحد اور آسام کے مسلم اکثریتی ضلع سلہٹ میں عام استصواب کا اہتمام کیا گیا اور ہر بالغ کو رائے دہی دینے کا اختیار دیا گیا۔ 10 جون کو مسلم لیگ نے اور 13 جون کو کانگریس نے اس منصوبے کو منظور کر لیا۔ 30 جولائی تک مسلم اکثریت کے علاقوں میں رائے شماری مکمل ہوگئی۔ ان تمام علاقوں کے مسلمانوں کی غالب اکثریت نے پاکستان کے حق میں رائے دی۔ چنانچہ اب ہندوستان کے سیاسی نقشے میں بہت بڑا تغیر یقینی تھا۔

11.2 تقسیم کے مسائل اور قیام پاکستان:

صوبوں کی تقسیم کے ساتھ 3 جون کا منصوبہ مسلم لیگ نے صرف اس لئے قبول کیا تھا کہ حصول پاکستان کی اس کے سواء اور کوئی صورت بھی نہیں تھی۔ وائسرائے مونٹ بیٹن نے یہ دھمکی دی تھی کہ وہ ملک کو کانگریس کے حوالے کر دیں گے۔ حکومت برطانیہ نے ہندوستان چھوڑ کر چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کیلئے تاریخ مقرر کر دی تھی اور برطانوی افواج تو رفتہ رفتہ واپس بھی جانے لگی تھیں۔



اصولی طور پرتو اقتدار کی منتقلی کا عمل جون 1948ء تک مکمل ہونا تھا لیکن اس دوران کانگریس نے ایک بہت دوررس منصوبہ بنایا اور وائسرائے سے یہ طے کیا کہ اگر آزادی مقررہ مدت سے پہلے دے دی جائے تو بھارت برطانوی دولت مشترکہ میں شمولیت اختیار کرلے گا۔ جو کام پندرہ ماہ کی مدت میں ہونا تھا اب 15 اگست تک دو ماہ کے قلیل عرصے میں انجام پانے والا تھا۔ اس عجلت کے تمام تر فوائد بھارت کے حصے میں اور نقصانات پاکستان کے حصے میں آتے تھے۔ مسلم لیگ کے لئے یہ تاریخ بڑی پریشان کن تھی اور کانگریس کیلئے اس میں کوئی دشواری نہ تھی۔ اسے حکومت ہند کی انتظامیہ جوں کی توں ورثہ میں مل رہی تھی۔ حکومت کے تمام محکموں کے علاوہ افواج کے صدر دفاتر بھی دہلی میں تھے۔ مسلمان سول اور فوجی افسروں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کے نہ رہنے سے وہاں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ دو ماہ کا عرصہ اتنا کم تھا کہ اس کے اندر انتظامیہ اور افواج کی تقسیم خوش اسلوبی سے ناممکن تھی۔ چونکہ تقسیم مالی سال کے وسط میں ہورہی تھی اور مالی سال اپریل سے مارچ تک ہوتا تھا۔ اس لئے بجٹ اور حساب کتاب کی الجھنیں بھی اپنی جگہ تھیں جنہیں دور کرنا ضروری تھا۔ پھر کرنسی اور زرمبادلہ کے مسائل تھے۔ پاکستان کیلئے اپنی کرنسی ضروری تھی لیکن دو ماہ میں کرنسی نوٹوں اور نئے سکوں کی ڈھلائی ناممکن تھی۔ دیگر اثاثے ریلوے مواصلات اور قرضے بھی ایک شدید مسئلے کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود مسلم لیگ نے قائداعظم کی قیادت میں اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے یہ تاریخ منظور کی اور 14 اگست 1947ء کو تحریک آزادی اپنے اختتام کو پہنچی اور برصغیر سے برطانوی عہد کا خاتمہ ہوا اور دو سلطنتیں پاکستان اور ہندوستان معرض وجود میں آگئیں، پاکستان کا معرض وجود میں آنا ایک نظریہ یعنی اسلام کا ذہن سنت تھا۔

11.3 قیام پاکستان کے محرکات اور کامیابی کے اسباب

اوپر کے صفحات میں تحریک پاکستان کا پس منظر پیش کیا گیا ہے جس سے ان محرکات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے جو اس تحریک کے پیچھے کارفرما تھے اور جن کی نشاندہی شاندار اس طور پر کی جاسکتی ہے۔

1۔ مسلمانوں کا شاندار سیاسی پس منظر

2۔ اسلامی نظریہ حیات کی ہمہ گیری اور جاذبیت

3۔ اپنی روایات اور تہذیب وتمدن کی قیمت کا احساس اور ان کے تحفظ کا جذبہ

4۔ آزاد رہنے کی تڑپ

5۔ ہندوؤں کی جارحیت

6۔ متحدہ ہندوستان میں من حیث القوم ختم ہو جانے کا خطرہ

7۔ اپنے ذریں دور کو واپس لانے کا جوش اور ولولہ

قیام پاکستان کے یہ وہ اہم محرکات تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ایک آہنی دیوار کی طرح مخالف طاقتوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا اور وہ بالآخر اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس وضاحت کے بعد اب اس تحریک کی کامیابی کے اسباب کا جائزہ لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

تحریک پاکستان کی کامیابی کے گوناگوں اسباب میں سے چند اہم یہ ہیں:۔

1۔ اپنے نظریہ حیات، روایات اور تمدنی ورثہ کی قدر و قیمت کا شدید احساس

یہ ایک ظاہر بات ہے کہ ایک انسان کے نزدیک جس چیز کی جتنی قدر و قیمت ہوتی ہے اسی لحاظ سے اس کے حصول اور تحفظ کا جذبہ اس کے اندر ابھرتا ہے، اس کی صلاحیتیں بروئے کار آتی ہیں اور وہ قربانیاں دیتا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک ان کا دین ان کی روایات اور ان کا تمدنی ورثہ سب سے قیمتی چیزیں تھیں جب انہیں خ ‌ رہ لاحق ہوا تو ان کے تحفظ کے لئے ان کی تمام صلاحیتیں بھی ابھر کر آئیں اور وہ ہر طرح کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو گئے، اگر مسلمانوں میں ان کے تحفظ کا اتنا شدید احساس نہ ہوتا تو ہرگز وہ ایسی خوفناک تحریک چلانے پر آمادہ نہ ہوتے اور آگ کے جنگل اور خون کے دریا سے گزرنے کے بجائے مصالحت کی راہ اختیار کر لیتے۔

مسلمان اس شدید احساس کے ساتھ قوت ایمانی بھی رکھتے تھے انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی آبادی ہندوؤں کے مقابلہ میں ایک تہائی سے بھی کم ہے، دولت اسلحہ اور ساز و سامان کے اعتبار سے انہیں کوئی مقام حاصل نہیں، جس طرح آج کل ہندوستان میں مسلمان پچیس کروڑ کی تعداد میں موجود ہیں لیکن ان کی ذرہ برا‌ ی حیثیت نہیں۔ پھر بھی پوری طاقت کے ساتھ حصول مقصد کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، یہ قوت ایمانی تھی اسلئے کہ ان حالات میں تقسیم ملک کی تحریک چلانا اور پھر اسے کامیابی سے ہمکنار کرنا صرف مسلمانوں کا کام تھا، اگر ان کی جگہ پر کوئی دوسری قوم ہوتی یا صورت حال اس کے برعکس ہوتی یعنی ہندوؤں کی آبادی مسلمانوں کے مقابلہ میں تہائی ہوتی تو عالمی تاریخ کے پس منظر میں یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ وہ کبھی اتنی

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

خطرناک تحریک چلانے کی جرأت نہ کرتی اور یہ تو بالکل ہی ناقابل تصور ہے کہ وہ تقسیم کرانے میں کامیاب ہو جاتی۔

تحریک کی کامیابی کا تیسرا سبب مسلم تاریخ کا وہ حصہ تھا جو اسلاف کی سرفروشی کی داستانوں سے بھرا پڑا تھا اور جو ہر قدم پر مسلمانوں کیلئے فیضان کا ذریعہ بن رہا تھا، اس نے مسلمانوں کے دلوں میں ایک نیا ولولہ پیدا کیا اور ذہنوں پر یہ نقش بٹھایا کہ دنیا کی تمام قومیں میدان تدبر، میدان سیاست اور میدان جنگ میں اس قوم سے شکست کھا چکی ہیں۔ جن کے یہ وارث ہیں لہذا انہیں بھی سرفروشی کی ویسی ہی مثالیں قائم کرنی چاہئیں۔

مسلمانوں کو قائداعظم کے تدبر اور ان کی سیاسی بصیرت پر پورا اعتماد تھا، اس لئے پوری قوم کے ساتھ ان کی حمایت کی اور ہر ہر قدم پر ان کا ساتھ دیا۔

خود آزمائی:

1۔ برصغیر پاک و ہند میں مسلم حکومت کے ارتقاء پر مختصر نوٹ لکھیں۔

2۔ برصغیر میں سلطان محمود غزنوی اور اس کے خاندان نے جو فتوحات حاصل کیں ان کا جائزہ لیجئے۔

3۔ سلاطین دہلی کے عہد میں برصغیر میں جو تعلیمی و تہذیبی کام ہوا اس پر تبصرہ کریں۔

4۔ مغلیہ سلطنت کے حکمرانوں میں سے اکبر کے عقائد و نظریات بیان کریں۔

5۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب بیان کریں۔

6۔ برصغیر میں تحریک پاکستان کے اسباب و محرکات کا جائزہ لیجئے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

یونٹ نمبر 7

خلافت عثمانیہ آغاز وارتقاء، اہم کارنامے

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

نظر ثانی

ڈاکٹر محمد سجاد



علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات



یونٹ کا تعارف:

خلافت عباسیہ کے اضمحلال و زوال کے بعد کئی خاندانی حکومتوں کا آغاز ہوا جو سلطنت عباسیہ کے علاقوں میں خود مختاری کی بنیاد پر قائم ہوئیں۔ ماوراالنہر کے علاقے میں سلجوقیوں کی حکمرانی تھی۔ جبکہ برصغیر پاک و ہند میں سلاطین، بلبن حکمران تھے۔ اس زمانے میں ترک نسل کے ایک قبائلی سردار اور جنگ جوارطغرل نے آہستہ آہستہ اپنی حکومت اور عمل داری کا آغاز کیا، بعدازاں ارطغرل کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے عثمان خان نے اس کو باقاعدہ ایک سلطنت کی شکل دی اور اسی کے نام کی نسبت سے عثمانی حکومت اور بعدازاں سلطنت عثمانیہ کے نام سے یہ عہد موسوم کیا جا ہے۔

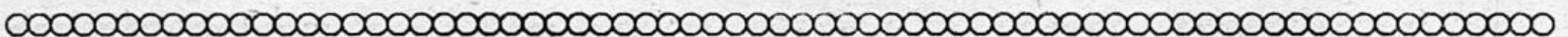
عثمانی خلفاء نے آخر کار خلافت عباسی کی جگہ لے لی اور اس کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ براعظم ایشیاء، یورپ اور افریقہ ان کے زیراثر تھا۔ اور عثمانی خلفاء میں سے سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے روم کی عظیم سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اپنے وسیع و عریض رقبہ اور فتوحات کی بدولت یہ عہد خلافت بہت ممتاز ہے، عثمانی خلفاء نے اپنے عہد اقتدار میں اسلامی تہذیب و تمدن کو فروغ دیا۔ اسلامی قانون کی تنفیذ کی۔ مجلّہ الاحکام العدلیہ کی تدوین کی، تاہم عثمانی خلفاء وقت کے تقاضوں کو ازبر نہ کر سکے اور یورپ کے صنعتی انقلاب و سائنسی ٹیکنالوجی کی ترقی کو اپنے یہاں رواج نہ دے سکے یہی وجہ ہے کہ جب یورپ کی اقوام نے جدید فنون و علم سائنس میں ترقی کر لی اور آہستہ آہستہ اپنے علاقوں کو حاصل کرنا شروع کر دیا تو ترکی کیلئے اس قبضہ کو برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔ آخری دو صدیوں میں عثمانی خلافت بہت کمزور ہو گئی اور آخر کار اتاترک نے اس خلافت کا خاتمہ کر کے جدید سیکولر جمہوریت کی بنیاد رکھی۔

اس یونٹ میں آپ خلافت عثمانیہ کے آغاز و ارتقاء اور عروج و زوال کے بارے میں مطالعہ کرینگے۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

1۔ عثمانی خلافت کے آغاز و ارتقاء کے بارے میں جان کر سکیں۔
2۔ عثمانی خلفاء کی فتوحات کے بارے میں جان سکیں۔
3۔ خلافت عثمانیہ کے عہد میں تہذیبی کاموں کا جائزہ لے سکیں۔
4۔ خلافت عثمانیہ کے عروج و زوال کے اسباب و محرکات بیان کر سکیں۔



1۔ سلطنت عثمانیہ

سلطنت عثمانیہ عالم اسلام کی سب سے عظیم اور طویل ترین سلطنت تھی۔ اس نے ساڑھے چھ سو سال تک دنیا میں اپنی حکومت کا ڈنکا بجایا۔ اس سلطنت کی حکومت تین براعظموں یورپ، ایشیا اور افریقہ پر محیط تھی، یہ عالم اسلام کی واحد سلطنت تھی جس نے براعظم یورپ میں عظیم ترین فتوحات کیں اور آج بھی یورپ میں مسلمانوں کی آبادیاں اسی سلطنت کی نیک یادوں میں سے ایک ہیں جن میں البانیہ، مقدونیہ، کوسوو اور بوسنیا بہت اہم ہے۔

اس سلطنت کا دور (621ھ بمطابق 1223ء تا (1342ھ بمطابق 4۔1916ء ہے، اس خاندان کی حکومت کو ہم چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔

1) ابتدائی دور

2) سلطانی دور

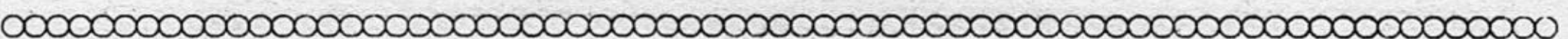
3) خلافت عثمانیہ کا آغاز

4) زوال کا دور

ابتدائی دور ارطغرل سے شروع ہو کر مراد اول تک چلتا ہے، جس میں یہ حکمران کہلاتے تھے لیکن کوئی خاص لقب اختیار نہیں کیا تھا۔

دوسرے دور میں بایزید اول نے سلطان کا لقب اختیار کیا اور پانچ اہم حکمران اس دور میں گزرے جو محمد اول، مراد دوم، محمد فاتح اور بایزید دوم ہیں۔

تیسرے دور میں خلافت اسلامیہ جو اس وقت عباسی خاندان کے پاس تھی، سلطنت عثمانیہ کے فرمانروا سلیم اول کو منتقل ہوگئی اور اس طرح یہ حکومت سلطنت عثمانیہ سے خلافت عثمانیہ میں تبدیل ہوگئی، اس دور کے دو اہم حکمران سلیم اول اور سلیمان اعظم ہیں۔



چوتھے دور میں یہ حکومت زوال کا شکار رہی اور یہ دور سلیم ثانی سے شروع ہو کر آخری خلیفہ عبدالمجید ثانی تک رہا اور یہ دور (974ھ بمطابق 1566ء تا (1342ھ بمطابق 1924ء تک محیط ہے، اس دور میں کل سینتیس (37) حکمران ہوئے۔

1.1 سلطنت عثمانیہ کا ابتدائی دور:

جس زمانے میں برصغیر کے علاقے میں غیاث الدین بلبن اور علاؤ الدین خلجی حکومت کر رہے تھے اس زمانے میں ایشیائے کوچک میں، جسے اناطولیہ اور ترکی بھی کہا جاتا ہے، ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہو رہی تھیں۔ یہ آل عثمان کی سلطنت تھی جسے سلطنت عثمانیہ اور دولت عثمانیہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس کے بانی کا نام عثمان خان تھا۔ یہ سلطنت اپنے عروج کے زمانے میں وسعت میں عربوں کی سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی اور پائیدار اور استحکام کے لحاظ سے اسلامی تاریخ کی سب سے مستحکم اور پائیدار حکومت ثابت ہوئی۔

عثمانی نسلاً ترک تھے ان کی حکومت قائم ہونے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے جب ہلاکو خان کے زمانے میں بغداد پر منگولوں نے قبضہ کر لیا تو چند سال بعد ان کی ایک فوج ایشیائے کوچک پر قبضہ کرتی ہوئی شہر انقرہ کے قریب پہنچ گئی۔ یہاں قونیہ کے سلجوقی سلطان نے ان کا مقابلہ کیا۔ اس وقت جب کہ دونوں میں لڑائی ہو رہی تھی خانہ بدوش ترکوں کی ایک جماعت جس کا سردار ارطغرل تھا یہاں سے گزرا۔ ارطغرل نے دیکھا کہ ایک فوج تعداد میں زیادہ ہے اور دوسری کم۔ ارطغرل کے پاس صرف 444 سوار تھے، لیکن وہ کمزور فوج کی مدد کیلئے بڑھا اور اس زور سے حملہ کیا کہ طاقتور فوج کو شکست ہوگئی اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ یہ طاقتور فوج منگولوں کی تھی اور تعداد کمزور فوج سلجوقیوں کی تھی۔

1.2 عثمان خان:

ارطغرل کی اس بہادری اور مدد کے بدلہ میں سلطان علاؤ الدین سلجوقی نے اسے ایک جاگیر دی۔ چند سال بعد 1288ء میں ارطغرل کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا عثمان خان (1288ء تا 1326ء) اس کا جانشین ہوا۔ 1300ء میں قونیہ کی سلجوقی حکومت کو منگولوں نے ختم کر دیا اور سلطان علاؤ الدین سلجوقی جنگ میں مارا گیا۔ اب عثمان خان نے ایک خود مختار حکومت قائم کر لی جو اس کے نام پر عثمانی سلطنت کہلاتی ہے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

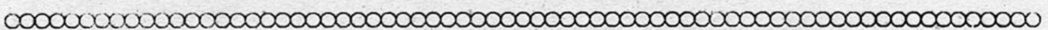
عثمان خان کی جاگیر کی سرحد قسطنطنیہ کی بازنطینی سلطنت سے ملی ہوئی تھی یہ وہی بازنطینی حکومت تھی جو عربوں کے زمانہ میں رومی سلطنت کے نام سے مشہور تھی اور جسے الپ ارسلان اور ملک شاہ کے زمانہ میں سلجوقیوں نے اپنا باجگزار بنالیا تھا۔اب یہ بازنطینی سلطنت بہت کمزور اور چھوٹی ہوگئی تھی لیکن پھر بھی عثمان خان کی جاگیر کے مقابلہ میں بہت بڑی طاقتور تھی۔ بازنطینی قلعہ دار عثمان کی جاگیر پر حملے کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے عثمان خان میں اور بازنطینی حکومت کے درمیان لڑائی شروع ہوگئی۔عثمان خان نے ان لڑائیوں میں بڑی بہادری اور قابلیت کا ثبوت دیا اور بہت سے علاقے فتح کر لئے جن میں بروصہ کا مشہور شہر بھی شامل تھا، بروصہ کی فتح کے بعد عثمان کا انتقال ہوگیا۔

عثمان بڑا عقلمند حکمران تھا، رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کرتا تھا، اس کی زندگی سادہ تھی۔دولت اس نے کبھی جمع نہیں کی، مال غنیمت کو یتیموں اور غریبوں کا حصہ نکالے کے بعد سپاہیوں میں تقسیم کردیا کرتا تھا۔وہ فیاض، رحم دل اور مہمان نواز تھا اس کی ان خوبیوں کی وجہ سے ترک آج بھی اس کا نام عزت سے لیتے ہیں اس کے بعد یہ رواج ہوگیا کہ جب کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا تو عثمان کی تلوار اس کی کمر سے باندھی جاتی تھی اور یہ دعا کی جاتی تھی کہ خدا اس میں بھی عثمان ہی جیسی خوبیاں پیدا کرے۔عثمان کا صدر مقام ''اس کی شہر'' تھا۔اس کے بعد بروصہ عثمانیوں کا دارالحکومت ہوگیا۔

1.3 آرخان (اورخان):

عثمان خان کے بعد اس کا لڑکا آرخان (1326ء تا 1359ء) بادشاہ ہوا۔اس کا عہد دو باتوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ایک تو اس وجہ سے کہ اس کے زمانہ میں مسلمانوں نے پہلی مرتبہ مشرقی یورپ میں قدم رکھا۔بعد میں ترکوں نے یورپ میں جو فتوحات کیں گویا ان کا آغاز آرخان کے زمانہ میں ہوا۔دوسری بات ینی چری یعنی نئی فوج کی تنظیم ہے۔یہ فوج دنیا کی پہلی باقاعدہ فوج کہی جاتی تھی۔یہ پیدل فوج تھی اور اس کی فوجی تربیت اتنی اچھی تھی کہ دنیا کی کوئی فوج اس کے مقابلہ میں جم کر لڑ نہیں سکتی تھی، ترکوں نے جس قدر فتوحات کیں ان میں سب سے زیادہ اس فوج کا ہاتھ تھا۔آرخان ہی کے زمانہ میں عثمانیوں نے اپنا پہلا سکہ جاری کیا۔

ایشیا اور یورپ کے درمیان ایک پتلا سمندر ہے جو درہ دانیال کہلاتا ہے۔اس سمندر کے دوسری طرف یورپ کا جو حصہ ہے وہ گیلی پولی کہلاتا ہے، یہاں سے سمندر کو پار کرنا چونکہ آسان ہے اس لئے ہر حملہ آور یورپ سے ایشیا یا ایشیا سے یورپ جاتے وقت یہیں سے داخل ہوتا ہے۔گیلی پولی آرخان ہی کے زمانہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔اس کے بعد گیلی



پولی سے ملے ہوئے علاقہ پر بھی آرخان کا قبضہ ہوگیا۔ آرخان کا جب انتقال ہوا سلطنت عثمانیہ کا رقبہ عثمان خان کے زمانہ سے تین گناہ زیادہ ہوگیا تھا۔

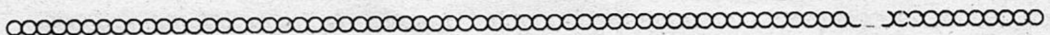
1.4 مراداوّل:

آرخان کے بعداس کالڑکا مراد اول (1359ء تا 1389ء) تخت نشین ہوا۔ مراد بھی قابلیت میں اپنے باپ دادا کی طرح تھا۔ ملک گیری اور فتوحات میں تو وہ ان سے بھی آگے بڑھ گیا، یورپ میں بازنطینی علاقہ سے ملے ہوئے بلغاریہ، سرویا اور بوسینا کے علاقے تھے جہاں الگ الگ حکومتیں قائم تھیں۔ (1389ء تا 1391ء) کوکوبا کے مقام پر مراد نے بلقان کی مسیحی ریاستوں کی متحدہ فوج کو شکست دی۔ اس سے مراد خان نے ان تمام حکومتوں کو یا تو فتح کرلیا یا مطیع بنا لیا۔ مراد نے ایشیا میں بھی کئی علاقے فتح کیئے، اس کے بعد زمانہ میں عثمانی سلطنت کا رقبہ ایک لاکھ مربع میل ہوگیا، یعنی آرخان کے زمانہ سے پانچ گنا زیادہ۔

1.5 بایزید:

مراد کے بعداس کالڑکا بایزید (1389ء تا 1402ء) حکمران ہوا۔ اس نے پہلی مرتبہ سلطان کا لقب اختیار کیا۔ بایزید اپنے باپ کی طرح فوجی صلاحیت رکھتا تھا لیکن اس میں ایک بری عادت آگئی تھی اور وہ تھی شراب پینے کی۔ اس کو شراب کی عادت اس کی ایک عیسائی بیوی نے ڈال دی، بایزید پہلا عثمانی حکمران ہے جس نے شراب پی۔ ورنہ اس سے پہلے جو بادشاہ ہوئے یعنی عثمان خان، آرخان اور مراد خان ان میں سے کوئی شراب نہیں پیتا تھا۔

بایزید کو گرچہ شراب کی لت لگ گئی تھی لیکن میدان جنگ میں وہ شیر کی طرح جاتا تھا اور اپنے تیز حملوں کی وجہ سے یلدرم یعنی بجلی کہلاتا تھا۔ 1396ء میں اس نے نکولس کے میدان جنگ میں یورپ کی متحدہ فوجوں کو شکست دی اور سلطنت کو دور دور تک پھیلا دیا۔ اسی طرح اس نے مشرق میں ایشیائے کوچک کا بڑا حصہ فتح کرلیا۔ اور وہ اب یورپ میں آگے بڑھنے کے ارادے کررہا تھا کہ بدقسمتی سے اس کے ملک پر سمرقند کے مشہور بادشاہ امیر تیمور نے حملہ کردیا۔ انگورہ کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا بایزید کی شکست ہوئی اور وہ قید ہوگیا، انگورہ کو آج کل انقرہ کہا جاتا ہے۔



بایزید کی شکست کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب عثمانی سلطنت ختم ہو جائے گی، لیکن اس کے لڑکے محمد اول نے (1413ء تا 1421ء) نے چند سال میں کھوئی ہوئی سلطنت پھر سے حاصل کر لی اس لحاظ سے ہم اسے سلطنت عثمانیہ کا دوسرا بانی کہہ سکتے ہیں، سلطان محمد اول بے حد کشادہ دل، منصف مزاج اور وعدہ کا پابند حکمران تھا۔

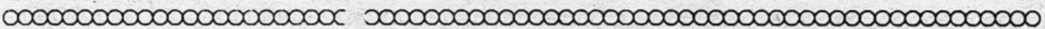
1.6 مراد دوم:

سلطان محمد اول کے بعد اس کا بڑا لڑکا مراد دوم (1421ء تا 1451) اٹھارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ نوعمری کے باوجود مراد دوم ایک سمجھ دار اور مضبوط حکمران ثابت ہوا۔ تیموری حملے کے بعد ایشیائے کوچک کی جو ریاستیں (گرمیان، قسطمونی، منتشا، صادروخان اور حمید) آزاد ہوگئی تھیں ان کو اس نے پھر مطیع بنالیا۔ یورپ میں اس نے (1430ء) میں سالونیکا فتح کیا (1444ء) میں مراد نے وارنا کے مقام پر اور (1448) میں کسووا کے مقام پر یورپ کی متحدہ صلیبی فوجوں کو شکست فاش دی۔ ان جنگوں کے نتیجے میں سرویا اور بوسینیا کی ریاستیں پوری طرح مطیع کر لی گئیں اور یونان کا جنوبی حصہ جزیرہ نمائے موریا بھی باجگزار بنالیا گیا۔ مراد دوم عدل وانصاف اور شریفانہ اوصاف میں اپنے آباؤ اجداد سے بھی آگے بڑھ گیا۔

1.7 محمد فاتح:

مراد کے بعد اس کا لڑکا محمد فاتح (1451ء تا 1481ء) تخت نشین ہوا۔ محمد فاتح نے اپنے کارناموں میں سب سے بازی لے گیا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ قسطنطنیہ کی فتح ہے۔ ترک فوجوں نے یونان، بلغاریہ، سرویا وغیرہ کے جن ملکوں کو فتح کیا تھا وہ سب قسطنطنیہ سے آگے ہیں۔ قسطنطنیہ کا بازنطینی بادشاہ ترکوں کو خراج دیتا تھا لیکن شہر پر ابھی تک مسلمانوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ قیصر روم کے اس دارالسلطنت پر قبضہ کرنے کی مسلمانوں نے سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں کوشش کی تھی۔ اس کے بعد عربوں اور ترکوں نے اور بھی کئی حملے کئے تھے لیکن رومیوں کی بہادری یا آپس کے اختلاف کی وجہ سے ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ یہ فخر عثمانی سلطان محمد فاتح کی قسمت میں لکھا تھا۔ محمد فاتح نے یہ شہر 54 دن کے محاصرہ کے بعد 20 جمادی الاول (29 مئی 1453ء) کو فتح کرلیا اور اس طرح رومیوں کی گیارہ سو سال پرانی سلطنت ایران کی ساسانی سلطنت کی طرح ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئی۔ اس فتح کے بعد آنحضرتؐ کی وہ پیشن گوئی پوری ہوگئی جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ!

''خدا نے مجھے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی کنجیاں دے دی ہیں''۔



ایران کے اکاسرہ کی حکومت کا خلفائے راشدین ہی کے زمانہ میں خاتمہ ہو گیا تھا اور قیصر کی حکومت کا محمد فاتح نے خاتمہ کر دیا تھا۔ اس فتح کی وجہ سے تاریخ میں اسے فاتح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

محمد فاتح نے قسطنطنیہ کی فتح کے علاوہ اور بھی فتوحات کیں۔ سرویا، بوسینیا اور یونان جواب تک براہ راست ترکی کی حکومت کے تحت نہیں تھے، بلکہ خراج دیتے تھے محمد فاتح نے ان کو براہ راست ترکی کی حکومت کا صوبہ بنالیا۔ اس کے علاوہ شمال میں کریمیا کا علاقہ اور مشرق میں طرابزوں اور سنوپ کی حکومتوں کو بھی فتح کرلیا۔

محمد فاتح پہلا عثمانی حکمران تھا جس نے بحری قوت کو بڑی ترقی دی۔ سلطنت کے دونوں حصوں کے درمیان چونکہ سمندر تھا اس لئے بحری قوت کے بغیر سلطنت کو قائم رکھنا بڑا مشکل تھا۔ فوجوں کو مشرق سے مغرب یا مغرب سے مشرق کی طرف لانے کیلئے ترکوں کو ہمیشہ وینس اور جنیوا کی عیسائی حکومتوں کے سوداگروں سے جہاز حاصل کرنے پڑتے تھے۔ محمد فاتح نے اپنا بحری بیڑہ تیار کر کے اس کمی کو دور کر دیا۔ ترکوں کے بحری بیڑہ نے کئی جزیرے بھی فتح کیئے کریمیا کا دور دراز کا علاقہ بحری فوج نے فتح کیا تھا۔

1.8 سلیم اول:

بایزید ثانی کا دور امن وامان میں گزر گیا۔ اس کے عہد میں سلطنت عثمانیہ کی حدود میں قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا۔ لیکن اس کے جانشینوں نے سلطنت عثمانیہ کو چند سال میں دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور سلطنت بنا دیا۔ بایزید ثانی کے بعد اس کا لڑکا سلیم (1512ء) تخت نشین ہوا، سلیم اول کا عہد عثمانی سلطنت کا ایک عہد آفریں دور ہے، ایک نیا موڑ ہے۔ عثمانی ترکوں کا رخ اب تک یورپ کی طرف تھا، مشرق کی مسلمان حکومتوں سے ان کی بہت کم لڑائیاں ہوئیں لیکن سلیم نے یورپ کی بجائے مشرق کا رخ کیا۔

1.9 چالداران کی جنگ:

اس زمانہ میں ایران میں شاہ اسماعیل صفوی کی حکومت تھی اور مصر وشام پہ ملوک خاندان حکمران تھا مصر اور ایران کی ان حکومتوں نے عثمانی ترکوں کے خلاف معاہدہ کرلیا تھا اور بعض باغی عثمانی شہزادوں کو پناہ دے رکھی تھی۔ اس کے علاوہ ان میں

اور عثمانی ترکوں میں کبھی کبھی سرحدی لڑائیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔اس قسم کے اسباب کی بنا پر سلیم نے ان دونوں حکومتوں کو ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا۔شاید وہ سمجھتا تھا کہ جب تک عثمانی سلطنت کے پڑوس میں ایران اور مصر کی طاقتور حکومتیں مخالف رہیں گی، مسلمان یورپ کی طرف پیش قدمی نہیں کر سکیں گے۔

سلیم نے سب سے پہلے اسماعیل صفوی کو چالداران کے میدان جنگ میں شکست دے کر 1514ء میں اس کے دارالحکومت تبریز پر قبضہ کر لیا سلیم چاہتا تھا کہ پورا ایران فتح کر کے صفوی حکومت کو ختم کر دے، لیکن اس کی فوجوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور سلیم کو واپس ہونا پڑا۔ایران کی مہم سے واپسی کے بعد سلیم نے مصر کا رخ کیا۔

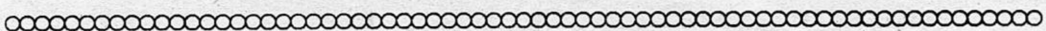
1.10 فتح مصر:

1514ء میں حلب کے پاس مرج دابق کی جنگ میں مملوکوں کو شکست دے کر اس نے شام و فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ مصر کی طرف بڑھا قاہرہ کے پاس روانیہ کے مقام پر 1517ء میں دوسری بڑی جنگ ہوئی اور سلیم مملوکوں کو شکست دے کر قاہرہ میں داخل ہو گیا۔حجاز پر چونکہ مصر کی بالادستی تھی اس لئے مصر پر عثمانی قبضہ ہو جانے کے بعد حجاز کے امیر نے مکہ اور مدینہ کی کنجیاں سلیم کو بھیج کر عثمانیوں کی اطاعت کر لی۔مصر سے واپسی پر سلیم عباسی خلیفہ متوکل سوم کو اپنے ساتھ استنبول لے گیا۔متوکل نے آنحضرت کے تبرکات یعنی علم، تلوار اور چادر مبارک جو خلفاء کے پاس بطور نشان خلافت چلے آتے تھے۔سلیم کے حوالے کر دیئے۔کہا جاتا ہے کہ متوکل استنبول میں ایک تقریب کے دوران خلافت کے حق سے سلیم کے حق میں دستبردار ہو گیا تھا، اس طرح خلافت عثمانی ترکوں کو منتقل ہو گئی۔

مصر سے واپسی کے بعد سلیم ایک نئی مہم کی تیاری کر رہا تھا اس کا انتقال ہو گیا۔سلیم نے صرف آٹھ سال حکومت کی، لیکن اس مختصر مدت میں اس نے عثمانی سلطنت کا رقبہ دگنا کر دیا، اب عثمانی ترک بلاشک وشبہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن چکے تھے۔

1.11 سلیمان اعظم (فتوحات):

سلیم اول کے بعد اس کا لڑکا سلیمان (1520 تا 1566ء) 26 سال کی عمر میں بادشاہ ہوا۔اس کے دور میں عثمانی سلطنت نقطہ عروج پر پہنچ گئی۔سلاطین عثمانیہ میں وہ سب سے بڑا اور سب سے باعظمت حکمران ہوا ہے۔آل عثمان میں اس کا وہی مقام ہے جو



سلجوقی سلطنت میں ملک شاہ کا اور دہلی کی تیموری سلطنت میں اورنگزیب کا مقام ہے۔ اسے بجاطور پر سلیمان اعظم کہا جاتا ہے یورپ والے اس کو ذی شان کے لقب سے یاد کرتے تھے لیکن ترک اس کو سلیمان قانونی کہنا پسند کرتے تھے۔

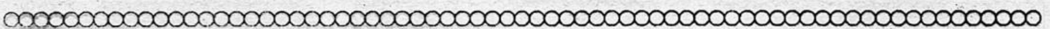
سلیمان نے 1521ء میں بلغراد کا شہر فتح کیا، اس کے اگلے سال جزیرہ رہوڈس کو مسیحی سورماؤں سے لے لیا، یہ دونوں مقام وہ تھے جن کو فتح کرنے میں محمد فاتح ناکام رہا تھا۔ 1526ء میں سلیمان نے مہاچ کی جنگ میں ہنگری کی فوج کو شکست دے کر بوداپست پر قبضہ کر لیا۔ سلمان نے 1529ء میں آسٹریا کے دارالحکومت ویانا کا محاصرہ کیا، لیکن بھاری توپیں نہ ہونے کی وجہ سے محاصرہ کامیاب نہ ہوسکا۔ 1532ء میں سلیمان کے فوجی دستوں نے آسٹریا اور جرمنی میں داخل ہو کر دور دور تک چھاپے مارے اور یورپ کی متحدہ قوت کو شکست دے کر، جس کی قیادت یورپ کا سب سے بڑا حکمران چارلس پنجم کر رہا تھا، 1533ء میں آسٹریا کو صلح کرنے اور خراج دینے پر مجبور کر دیا۔

مشرق میں سلیمان نے 1534ء میں ایرانیوں سے بغداد چھین لیا اور عراق کو سلطنت عثمانیہ کا مستقل صوبہ بنا دیا۔ ایران سے لڑائیوں کے دوران عثمانی فوجیں اور اصفہان تک پہنچ گئی تھیں اور آذربائیجان اور آرمینیہ پر بھی قبضہ کر لیا تھا، 1538ء میں یمن اور عدن پر عثمانی بالادستی قائم ہوئی اور طرابلس اور الجزائر سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوئے۔ تونس پر امیر البحر خیر الدین باربروسہ نے 1534ء میں قبضہ کر لیا تھا، لیکن چارلس پنجم نے پھر واپس لے لیا اور یہ علاقے سلیمان کے بعد سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوئے۔

2۔ عثمانی سلاطین کے تنزل کا دور (1566ء تا 1924ء)

2.1 سلیم ثانی:

سلیمان کی وفات کے بعد اس کا لڑکا سلیم تخت پر بیٹھا جو سراسر نااہل اور عنان سلطنت کو تھامنے کیلئے ناموزوں شخص تھا۔ وہ عیش وعشرت کا دلدادہ تھا، وہ پہلا عثمانی تاجدار تھا جو میدان جنگ میں بہ نفس نفیس حاضر ہونے سے کتراتا تھا۔ اس میں انتظامی قابلیت بالکل مفقود تھی۔



1568ء میں استر خان کی تسخیر کیلئے پچیس ہزار ینی چری اور کریمیا کے تیس ہزار تا تاریوں پر مشتمل ایک مہم تیار کی گئی اس طرح ترکی اور روسی فوجوں کی پہلی دفعہ ٹکر ہوئی، مگر یہ مہم بری طرح ناکام ہوئی اور 1570ء میں دونوں مملکتوں کے درمیان صلح ہوگئی۔

1569ء میں یمن کے باشندوں نے بغاوت کر دی سنان پاشا نے بغاوت کو فرو کر کے یمن اور عرب کے دوسرے حصوں کو مستقل طور پر عثمانی قلمرو میں ملا لیا۔

1570ء میں سلیم نے مصطفیٰ پاشا کو ایک لاکھ سپاہیوں کی فوج کے ساتھ قبرص پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اگست 1571ء تک جنرل موصوف نے پورے جزیرہ کو فتح کر لیا۔ 1878ء تک قبرص سلطنت عثمانیہ کا جزیرہ بنا رہا۔

2.2 دور زوال:

سلیم ثانی سے لے کر آخری خلیفہ عبدالمجید ثانی تک کا دور سلطنت عثمانیہ کے زوال کا دور کہلاتا ہے، اس دور میں نااہل حکمرانوں کی وجہ سے سلطنت آہستہ آہستہ کمزور ہوتی چلی گئی۔ جس طرح ایک مضبوط عمارت کو گرتے گرتے بھی کافی وقت لگتا ہے، اسی طرح یہ حکومت بھی زوال پذیر ہونے کے باوجود ساڑھے تین سو سال تک قائم رہی، اس دور میں سینتیس حکمرانوں نے حکومت کی لیکن حالات آہستہ آہستہ بگڑتے گئے اور یورپین قوموں کی بیداری کی وجہ سے وہ تمام قومیں متحد ہو کر یا باہمی مشاورت سے ترکی کے خلاف نبرد آزما رہیں جس کی وجہ سے ترکی کی اکثر مقبوضات اس کے قبضہ سے نکلتی گئیں۔ روس، آسٹریا، برطانیہ، فرانس، اٹلی اور اس طرح دوسرے متعدد یورپی ممالک نے اس سلطنت کے کمزور ہوتے ہی اس پر حملے کرنے شروع کر دیئے، اتنے سارے ممالک سے تنہا ترکی کی وہ عثمانی سلطنت جو اندرونی طور پر بھی کمزور ہو چکی تھی نہیں لڑ سکتی تھی۔

1662ء میں سلطان محمد رابع کے دور میں آسٹریا سے لڑائی میں پہلی بار ترک فوج نے واضح شکست کھائی اور ان کی بے شمار مقبوضات ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں اور فوج کی قوت ٹوٹ گئی اور انہیں ایام میں الجزائر اور تیونس بھی آزاد ہوئے جن پر آخر 1830ء اور 1881ء میں فرانس نے قبضہ کر لیا۔

2.3 ترکی میں اندرونی خلفشار:

1875 میں سلطان عبدالعزیز کے زمانہ میں بلقانی مقبوضات ہاتھ سے نکل گئیں اس کے بعد 1876ء میں سلطان عبدالحمید خان ثانی کے دور میں ترکی میں اس کی سخت گیر پالیسوں کے خلاف مختلف ترقی پسند تحریکیں اٹھنا شروع ہوگئیں جن کی یورپی حکومتوں کی طرف سے معاونت کی گئی اور اس کے نتیجہ میں ملک کے اندر عوام اور فوج میں بھی متعدد عوامی وفوجی بغاوتیں رونما ہوئیں جس کی وجہ سلطان کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی سلطان محمد خامس کے نام سے خلیفہ بنا مگر اس کے دور میں طرابلس پر 1911ء میں اٹلی کا قبضہ ہوگیا اور ترقی پسند تحریکیں زور پکڑتی گئیں حتی کہ جنگ عظیم اول ترکی میں شروع ہوگئی جس کی وجہ سے مصر اور تمام عرب مقبوضات ترکی کے قبضہ سے نکل گئے اس دوران فوج کے جرنیل مصطفےٰ کمال پاشا کا نام ایک ترقی پسند تنظیم کے نمائندے کی حیثیت سے معروف ہوا، انہوں نے پہلے فوج میں بھی ترکی کی عظمت کو بحال کرنے کیلئے کافی کام کیا، لیکن آخری دو نااہل خلفاء وحیدالدین سادس اور عبدالمجید ثانی کے غلط فیصلوں کی وجہ سے مایوس ہوکر یہ بھی مکمل ترقی پسندوں کے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف ہوگئے جس کی وجہ سے ترکی میں بہت شورشیں برپا ہوئیں اور عوام نے حکومت کے متوازی حکومت قائم کرلی۔

1921ء میں وطن پرست ترکوں نے مصطفےٰ کمال کی سرکردگی میں انقرہ میں قومی حکومت قائم کرلی اور معاہدہ سیورے کو ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے جنگ جاری رکھی، سلطان محمد سادس کی حکومت نے مصطفےٰ کمال کو باغی قرار دیتے ہوئے اسے واجب القتل قرار دیا مگر وطن پرست ترکوں نے کامیابی سے اپنی جنگی کارروائیاں جاری رکھیں۔ فرانس نے سیلیشیا کا علاقہ ترکوں کو دے کر ان سے صلح کرلی۔ اٹلی نے بھی فرانس کی پیروی کرتے ہوئے ترکوں سے صلح کرلی۔ یونان کو دریائے سکاریہ کے کنارے مصطفےٰ کمال نے شکست فاش دے کر اسے بیک بینی ودوگوش اناطولیہ سے نکال دیا۔ سمرنا پر قبضہ کرنے کے بعد وطن پرست ترکوں نے قسطنطنیہ پر پیش قدمی شروع کردی۔ ان حالات میں سلطان محمد سادس 17 نومبر 1922ء کو قسطنطنیہ سے بھاگ کر مالٹا میں پناہ گزین ہوا اور ان کی جگہ سلطان عبدالعزیز کے فرزند عبدالمجید ثانی کو خلیفہ بنایا گیا۔

2.4 خلیفہ عبدالمجید ثانی:

وطن پرست ترک فاتحانہ طور پر قسطنطنیہ میں داخل ہوئے، جنگ کو ختم کرنے کیلئے آٹھ طاقتوں کے نمائندے 20 نومبر 1922ء کو لوازن میں جمع ہوئے، کافی بحث ومباحثہ کے بعد 1923ء میں معاہدہ لوزان کی رو سے ایڈریانوپل،

تھریس اور سمرنا کے علاقے ترکی کو واپس مل گئے۔ جدید ترکی نے 29 اکتوبر 1923ء کو جمہوری طرز کی حکومت اختیار کر لی اور مصطفیٰ کمال پاشا سلطنت ترکیہ کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ خلیفہ عبدالمجید کی سیاسی حیثیت فی الحال برقرار رکھی گئی۔ اگرچہ امور سلطنت کے سلسلے میں اس کے اختیارات کافی کم کر دیئے گئے۔ خلیفہ المسلمین کی گرتی ہوئی سیاسی حیثیت کے خلاف مختلف ممالک کے مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ اس پر مصطفیٰ کمال نے خفا ہو کر 3 مارچ 1924ء خلیفہ عبدالمجید ثانی کو معزول کر کے منصب خلافت کو ختم کر دیا۔ خلیفہ مذکور کے اپنے لڑکے اور خاندان کے جملہ افراد سمیت ترکی کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اب سلطنت ترکیہ کے سیاہ وسفید کے مالک مصطفیٰ کمال پاشا بن گئے۔ اس طرح عالم اسلام کی مرکزیت اور تقریباً ساڑھے چھ سو سال سے قائم شدہ دولت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

3۔ سلطنت عثمانیہ پر تبصرہ

3.1 عثمانی سلاطین کے عہد میں خلیفہ کی سیاسی حیثیت:

عثمانی حکمرانوں نے کم و بیش چھ سو برس تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی۔ ان میں سے بعض سلاطین غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے انہوں نے اپنے تدبر، اولوالعزمی اور انتظامی قابلیت کی بدولت نہ صرف منظم حکومت کی بنیاد رکھی بلکہ امور سلطنت میں حکمرانی کی درخشندہ مثالیں قائم کی۔ ان عثمانی سلاطین میں سے اورخان پہلا حکمران تھا جس نے ملک کے اندرونی نظم و نسق کو بہترین اصولوں پر قائم کر کے ایک آزاد حکومت قائم کی اور اپنے لئے امیر کا لقب اختیار کیا اس کے بعد محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے بعد سلطان کا لقب اختیار کیا۔ ایڈریانوپل کی فتح کے بعد ترکی حکمران کو بعض اوقات سلطان اور بعض اوقات بادشاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ لیکن 1517ء میں جب سلیم اول نے مصر کو فتح کر کے مملوکوں کی سیاسی طاقت کا خاتمہ ہو گیا تو حجاز کے والی نے بررضا و رغبت سلیم کی اطاعت قبول کر لی اور آخری عباسی خلیفہ المتوکل نے خلافت کے تمام حقوق و امتیازات اس کے سپرد کر دیئے۔ اس کے ساتھ مقدمات و حرمین شریفین کی کنجیاں مع تبرکات نبوی مثلاً علم، تلوار، اور چادر بطور سند خلافت عثمانی سلطان کے حوالے کر دیئے۔ اس وقت سے عثمانی سلاطین کو خلفاء عالم اسلام تصور کیا جانے لگا اور ساجد میں امیر المومنین کی حیثیت سے ان کا ذکر خطبوں میں ہونے لگا۔ پورے چار سو سال تک عثمانی سلاطین منصب خلافت پر فائز رہے۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

خلیفہ المسلمین کی حیثیت سے ہر ترک فرمانروا اپنے آپ کو مقدس مقامات کی حفاظت کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ غیر مسلموں سے جہاد کرے۔ دشمنان اسلام کی دستبرد سے مملکت کی حدود کو محفوظ رکھے اور رعایا کی بہبودی اور اس کے حقوق کی نگہداشت میں ہر وقت کوشاں رہے۔ عباسی خلفاء سے زیادہ عثمانی سلاطین نے اسلام کی خدمت کی اور یورپ میں اسلامی سلطنت کی توسیع ان کی کوششوں کی وجہ سے ہوئی، مامونی عہد کے مذہبی مناقشات اور علمائے اسلام پر تعدی وظلم کی داستانیں عثمانی سلاطین کے عہد میں کبھی سننے میں نہیں آئیں۔ مسلم ممالک میں چونکہ عثمانیہ سلطنت سب سے زبردست تھی اس لئے ایران کے لوگوں کے سوا تمام بلاد اسلا یہ میں عثمانی فرمانرواؤں کو عزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

3.2 سلطنت کا نظام حکومت:

سلطان بظاہر مطلق العنان فرمانروا تھا مگر شریعت ملکی قوانین اور قومی رسم ورواج کے باعث اس کے اختیارات بہت محدود تھے۔ سارے ملک میں چار قسم کے قوانین رائج تھے۔ (1) شرعی قوانین جو سلطان سے بالاتر تھے۔ ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کرنا سلطان کے بس کا روگ نہیں تھا۔ (2) قانون یا سابق سلاطین کے تحریری فرامین، ان کی پابندی سلطان وقت کے لئے لازمی نہیں تھی مگر وہ اتنے مفید اور کارآمد تھے کہ ان سے استفادہ کئے بغیر کوئی سلطان نہیں رہ سکتا تھا۔ قومی رسم ورواج کا لحاظ رکھنا سلطان وقت کیلئے ضروری تھا کیونکہ ترکی قوم اپنے قدیم رسم ورواج کی شیدائی تھی اور اس میں کسی قسم کی مداخلت گوارہ نہیں کرسکتی تھی۔ (4) عرف یعنی سلطان وقت کا ارادہ یا تحریری فرمان ایک یورپی مورخ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ ترکی میں قانون کی بالادستی ایک تسلیم شدہ حقیقت تھی اور سلطان وقت کو قانون کا محض ایک خادم تصور کیا جاتا تھا۔ قانون کی زد سے نہ سلطان کی ذات محفوظ ہوتی تھی اور نہ کوئی بااثر شخص۔ مگر ایں ہمہ ترکی قوم اپنے سلطان کی بلاچوں وچراں اطلاعت کرتی تھی۔ قانون وراثت کی رو سے بیٹا باپ کا جانشین ہوتا تھا بھائی صرف اس صورت میں تخت نشین ہوتا تھا جب سابق سلطان کا کوئی فرزند اس کی وفات کی وجہ سے موجود نہ ہوتا۔ ہر نیا عثمانی فرمانروا تخت نشینی کے وقت اپنے بھائیوں کو قتل کرادیتا تھا۔ سلطان محمد فاتح نے اس دستور کو قانونی شکل دی۔ سلمان اعظم کے عہد تک شہزادوں کا قتل جاری رہا۔ البتہ اس تاجدار کے وقت سے شہزادوں کو قتل کرنے کی بجائے محل میں نظر بند رکھنے کی رسم جاری ہوئی۔ 1617ء میں سلطان احمد کی وفات کے وقت یہ قانون وضع کیا گیا کہ تخت کا وارث آل عثمان کا وہ شہزادہ ہوگا جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔ چنانچہ اسی قانون کے مطابق سلاطین عثمان تخت نشین ہوتے رہے اور سلطان احمد کے بعد صرف دو سلاطین محمد رابع اور عبدالمجید اپنے آباء کی جگہ تخت نشین ہوئے۔

3.3 فوجی نظام:

شروع شروع میں سلطنت عثمانیہ کی کوئی منظم اور باقاعدہ فوج نہ تھی۔ابتدائی عثمانی سلاطین بوقت جنگ بھرتی کرتے اور بصورت کامیابی مال غنیمت ان سپاہیوں میں تقسیم کردیتے تھے۔عثمانی حکومت کی توسیع بہت کچھ اس طریق کار کا نتیجہ تھی۔سلطان بایزید نے ایک خاص منظم فوج ''ینی چری'' کے نام سے تیار کی۔یہ ایک مستقل پیدل فوج تھی جس نے اپنی مثال شجاعت اور نظم وضبط سے سارے یورپی طاقتوں کو ورطہ حیرت میں ڈالے رکھا۔سولہویں صدی عیسوی تک یہ فوج عیسائی لڑکوں پر مشتمل ہوتی تھی جو نوعمری میں ہی اپنے والدین سے جدا کر کے فوج میں بھرتی کر لئے جاتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو سلطان کی ذات سے وابستہ کردیتے اور اس کی بے چون و چرا اطاعت کا دم بھرتے تھے۔انہیں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔سلیمان اعظم کے زمانے کے آخری حصہ میں ینی چری کے لڑکے بھی فوج میں شامل کئے جانے لگے اور کچھ مسلمان لڑکے بھی بھرتی کئے جانے لگے۔ 1584ء کے بعد تو مسلمان کسانوں نے عیسائی ہمسایوں کو رضامند کرنے کے بعد اپنے لڑکوں کو عیسائی بنا کر بھرتی کرنا شروع کردیا۔آخر نوبت بایںجا رسید کہ سترہویں صدی کے وسط تک اس فوج کی ابتدائی نوعیت بالکل بدل گئی۔البتہ تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔سلیمان اعظم کے عہد میں اس کی تعداد بارہ ہزار اور پندرہ ہزار کے درمیان تھی۔محاصرہ ویانا (1683ء) کے وقت اس کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ گئی۔سلاطین کے عہد میں اس فوج کی بدعنوانیاں بڑھ گئیں اور رفتہ رفتہ یہ ایک شورش پسند جماعت بن گئی آخر انیسویں صدی عیسوی میں اس فوج کو بالکل توڑ ڈالا گیا۔

3.4 باب عالی کا ادارہ:

خلیفہ کی مشاورت کیلئے ایک اعلیٰ سطح کا ادارہ باب عالی کے نام سے ہوتا تھا۔حکومت میں جو عیسائی لڑکے داخل کئے جاتے تھے ان میں سے کچھ تو اپنی اعلیٰ ذہنی استعداد کی بنا پر حکومت کے مختلف شعبوں کیلئے چن لئے جاتے تھے اور باقی رہ جانے والے لڑکوں کا بڑا حصہ باضابطہ سوار فوج میں جنہیں باب عالی کے سپاہیوں کے نام سے پکارا جاتا تھا، داخل کردیا جاتا۔ان سپاہیوں کو سلطان کا مکمل اعتماد حاصل ہوتا تھا، ینی چری کی طرح ان کا ڈسپلن بہت سخت ہوتا تھا مگر کمزور سلاطین کے عہد میں اس کا نظم وضبط بھی ڈھیلا پڑ گیا اور سلطنت کے امن وامان کیلئے ان کا وجود خطرے کا باعث بن گیا۔

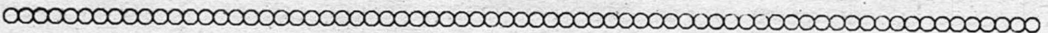
3.5 سلطنت عثمانیہ کی بحری طاقت:

ان دنوں عثمانی بحری طاقت بھی بڑی زبردست تھی، عثمانی بحریہ کے تمام افسر اور جہاز راں عیسائی والدین کی اولاد اور عثمانی سلطان کے جان نثار خادم تھے۔ سولہویں صدی عیسوی تک ترکی جہاز رانوں کے کارناموں سے ساری عیسائی طاقتیں خائف تھیں۔ ترکی امیر البحروں مثلاً خیر الدین، حسن پاشا اور پیالے کے کارنامے یورپ کی بحری تاریخ میں آب زر سے لکھے جائیں گے۔ ان کی فتوحات کے باعث عثمانی سلطنت میں کافی توسیع ہوئی، سولہویں صدی کے آخر میں سلطنت عثمانیہ کی بحری طاقت میں ضعف آنا شروع ہوا مگر تین سال بعد سلطان عبدالعزیز کی سرپرستی کے باعث عثمانی بیڑا اتنا طاقتور ہو گیا کہ یورپ کے بہترین بیڑوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔

3.6 علوم وفنون میں عثمانی ترکوں کے کارنامے:

نامور مغل حکمرانوں کی طرح بعض ممتاز عثمانی سلاطین محض تلوار کے دھنی نہ تھے۔ بلکہ وہ بلند پایہ اہل قلم بھی تھے۔ مثلاً سلیم اول اور مراد ثالث بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ بہترین ادبی مذاق کے مالک تھے۔ سلیمان اعظم بھی عمدہ شاعر اور بہترین مقرر تھا، سلیم اول کو نہ صرف عربی بلکہ ترکی زبان پر بھی کامل عبور تھا۔ اس نے دونوں زبانوں میں نہایت عمدہ اشعار کہے۔ سلیمان اعظم کے عہد میں عبدالباقی شاعر کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ اکثر نقادوں نے اسے متنبی اور حافظ شیرازی کا ہم پلہ قرار دیا۔ سلیمان اعظم اس کی عملی قابلیت سے مرعوب ہو کر اس کی بڑی قدر کرتا تھا اور اسے عثمانی ترکوں کا بلند ترین شاعر تسلیم کیا جاتا تھا۔

علوم کی سرپرستی کیلئے یوں تو سب عثمانی سلاطین مشہور تھے مگر سلطان محمد فاتح جو مغلیہ سلطنت میں اکبر کا ہم عصر تھا نے اس سلسلے میں خاص شہرت حاصل کی۔ اس نے متعدد شعراء کی سرپرستی کی انہیں وظائف دیئے اور اپنے دربار میں انہیں اہم جگہ دی، اس کا وزیر احمد پاشا شاعر تھا۔ اس نے کئی عمدہ اشعار کہہ کر خوب شہرت حاصل کی سلطان اعظم کے عہد کا ایک شاعر یحییٰ تھا جسے عمدہ غزل کہتے میں یہ طولیٰ حاصل تھا۔ اس دور میں متعدد اسلامی علوم، تفسیر، فقہ، تاریخ، علم الکلام اور منطق کے بڑے بڑے نابغہ روزگار علماء پیدا ہوئے اور انہوں نے ان علوم پر گراں قدر تصانیف چھوڑیں، حربی امور پر بھی کافی توجہ دی گئی اور لاتعداد کتب اس موضوع پر تصنیف ہوئیں تعمیرات پر بھی بہت زیادہ توجہ دی گئی اور آج کا جدید ترکی سلطنت عثمانیہ کی باقی رہ جانے والی تعمیراتی سے مالا مال ہے۔



3.7 ترک معاشرہ:

سلطنت عثمانیہ کے علاقائی مقبوضات تین براعظموں پر مشتمل تھے اور عثمانی رعایا میں مختلف اقوام کے افراد شامل تھے، جن میں زیادہ تعداد عیسائیوں کی تھی۔ عیسائی رعایا کے ساتھ انتہائی رواداری کا سلوک برتا جاتا تھا۔ ملک کی تمام تجارت عیسائی تاجروں کے ہاتھوں میں تھی۔ ان باتوں کے باوجود عیسائی رعایا سلطنت عثمانیہ کی تخریب میں کوشاں رہتی تھی۔ چنانچہ اکثر مواقعوں پر عیسائیوں نے یورپین طاقتوں کے ساتھ ساز باز کر کے سلطنت عثمانیہ کو نا قابل تلافی نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

3.8 سلطنت عثمانیہ کی تباہی و بربادی کے اسباب:

عظیم سلطنت عثمانیہ کے زوال کے اسباب میں سے اہم درج ذیل ہیں:

1) سلیمان اعظم کے بعد تنزل کا دور شروع ہوا، ہر جگہ ترکی فوجوں کو شکستوں اور ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح ان کی جنگی قابلیت کی دھاک خاک میں مل گئی۔ ادھر ترکوں کے آخری پچیس سلاطین نکمے اور نا اہل حکمران ثابت ہوئے۔ جدید تقاضوں کے مطابق امور سلطنت کو سمجھنا یا سنبھالنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ بعض ترکی حکمرانوں نے اصلاحات کے ذریعے ملک کو درست کرنے کی کوشش کی مگر ان آخری لمحات میں ان کی کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ ملک کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے، ایسی صورت میں سلطنت کی تباہی یقینی تھی۔

2) سلطنت عثمانیہ کے ابتدائی ایام میں سلطان بایزید نے ایک زبردست فوج ''ینی چری'' کے نام سے تیار کی۔ جس نے اپنی بے مثال شجاعت اور نظم وضبط سے ساری یورپی طاقتوں کو بہت مدت تک لرزائے رکھا۔ مگر مرور ایام کے ساتھ ساتھ فوج کے سپاہیوں کی بھرتی میں غفلت برتی جانے لگی۔ 1584ء کے بعد مسلمان کسانوں نے عیسائی ہمسایوں کی رضامندی سے اپنے لڑکوں کو عیسائی بنا کر بھرتی کرانا شروع کر دیا۔ اس طرح سترہویں صدی کے وسط میں اس فوج کی ابتدائی نوعیت بالکل بدل گئی۔ کمزور عثمانی سلاطین کے عہد میں اس فوج کی بدعنوانیاں بڑھ گئیں اور رفتہ رفتہ یہ ایک شورش پسند جماعت بن گئی جس کا ملکی سیاست میں دخل دینا ایک دلچسپ مشغلہ بن گیا۔ لوگوں کے ذہنوں میں فوج کی مداخلت کا انتظامی امور پر ناخوشگوار اثر پڑا، فوجی نظم وضبط ختم ہو گیا، لوگوں کے ذہنوں سے فوج

کی عظمت زائل ہوگئی، ملک بھر میں بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہر بغاوت کی تہہ میں فوج کا ہاتھ ہوتا تھا، فوج کی بدعنوانیوں سے سلطنت عثمانیہ کے وقار کو سخت دھچکا لگا۔

3) چند مثالوں کے سوا علماء اور مشائخ کے گروہ بھی بہت حد تک سلطنت عثمانیہ کی تباہی کا باعث ہوئے، ان کی تعلیم پرانی نہج پر ہونے کے باعث ان کی واقفیت تیرہویں صدی کے علوم تک محدود رہی، چونکہ ملک بھر میں فرسودہ نظام تعلیم رائج تھا، اس لئے ان کے مدرسوں میں تعلیم کی بنیاد تیرہویں صدی عیسوی کے علوم پر قائم تھی۔ 1860ء سے جدید طرز کے علمی ادارے قائم ہونے شروع ہوئے۔ جدید طرز کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مذہبی روایات سے انحراف کا عنصر غالب تھا۔ تمام عالم اسلام میں تعلیمی اصلاحات کا رجحان قوی پیدا ہوگیا۔ چنانچہ سنوسیوں نے افریقہ میں وہابیوں نے عرب ممالک میں اور بابیوں نے ایران میں علماء اور عوام کے ذہنوں کو بدلنے کی کوشش کی تاہم انیسویں صدی کے آخری سالوں تک ترکی کے علماء لکیر کے فقیر رہے۔ انہوں نے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا، وہ اپنے فتووں سے سلطان کو معزول کردیتے تھے۔ غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا مگر اپنے علمی کمالات سے ترکی سلاطین کی پوزیشن کو مستحکم نہ کرسکے۔ ان کے فتاویٰ بہت حد سلاطین کی معزولی اور ملک میں سیاسی کھلبلی کا باعث ہوئے۔

4) سلطنت عثمانیہ کی تباہی میں ترکی کی خواتین نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ سلیمان اعظم اپنی روسی بیوی کے اشاروں پر چلتا تھا یہ روسی عورت انتہائی چالاک اور طبعاً سازشی تھی۔ اس کا بیٹا شرابی اور عیش کا دلدادہ تھا۔ اپنے بیٹے کو سلمان اعظم کا جانشین بنانے کی غرض سے اس نے قابل اور ہونہار شہزادہ مصطفیٰ کو سلیمان اعظم کے ہاتھوں قتل کرادیا۔ اس کے بعد شہزادوں کی تربیت سے غفلت برتی جانے لگی۔ معمولی تعلیم حاصل کرنے کے باعث وہ رموز سلطنت سے ناواقف رہے۔ اس طرح نالائق سلاطین کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ نااہل عثمانی سلاطین طبعاً ظالم اور صنف نازک کی طرف مائل ہوتے تھے۔ وہ امور سلطنت میں وزرائے سلطنت سے مشورہ لینے کی بجائے خواتین حرم یا دوسرے غیر ذمہ دار اشخاص کی رائے لیتے تھے۔

5) ترکی حکومت کے خلاف عیسائی رعایا کا غیظ وغضب اور ریشہ دوانیاں بہت حد تک ترکی حکومت کے زوال کا باعث بن گئیں۔ سلطنت عثمانیہ کے ابتدائی سالوں میں ترکی کے عیسائی صوبوں کے علاوہ روس آسٹریا اور ہنگری کے

عیسائیوں سے بہتر تھے۔مگر آخری ساڑھے تین سو سال کے عرصہ میں سلطنت ترکیہ کی عیسائی رعایا کی حالت ابتر ہوگئی۔ مرکزی حکومت نے اس سلسلے میں کوئی اصلاحی قدم نہ اٹھایا۔ اس سے یورپی طاقتوں کو ترکی کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا معقول بہانہ مل گیا۔ پیٹر اعظم کیتھرائن نے عیسائیوں کی امداد کرنی شروع کی۔ بعد ازاں روس کے حکمرانوں نے بحیرہ اسود اور بحیرہ روم میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی غرض سے ترکی سلطنت کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ ادھر یورپین ڈپلومیسی کے باعث جزیرہ نما بلقان میں قومیت اور عیسائیوں کے مذہبی جنون نے فتنہ کی صورت اختیار کر لی۔ مختلف جغرافیائی اکائیوں میں علاقائی تعصب کو تقویت ملی۔ عربوں میں ترکوں کے خلاف انتہائی منافرت کا جذبہ پیدا ہوا، پان تورانی تحریک سے بھی ترکیہ سلطنت کو فائدہ کی بجائے نقصان پہنچا۔ ان بگڑے ہوئے حالات کے باعث ترکیہ سلطنت کی تباہی کے قوی امکان پیدا ہو گئے۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ عثمانیہ سلطنت کی تباہی و بربادی ترکوں کے اخلاقی انحطاط حرم کی ملکی معاملات میں بے جا مداخلت، محکوم اقوام کے جذبہ قومیت، عیسائی رعایا کی ریشہ دوانیوں اور یورپی اقوام کے حریصانہ اور جارحانہ عزائم کے باعث ہوئی، فرسودہ نظام تعلیم کے باعث ترکوں میں ملکی مسائل کو جدید تقاضوں کی روشنی میں حل کرنے کی اہلیت مفقود ہوگئی اور ایسی صورت میں ان کی تباہی و بربادی ایک لابدی امر تھا۔

خود آزمائی:

1۔ خلافت عثمانیہ کے آغاز و ارتقاء پر مختصر نوٹ لکھیں۔

2۔ خلافت عثمانیہ کا عہد زرین کونسا تھا، اس پر مختصر نوٹ لکھیں۔

3۔ خلافت عثمانیہ کی فتوحات کے حالات قلمبند کیجئے۔

4۔ خلافت عثمانیہ کے زوال کے اسباب بیان کریں۔

5۔ خلافت عثمانیہ کے نمایاں علمی، تہذیبی کارناموں کا جائزہ لیجئے۔

یونٹ نمبر 8

ایران

دولت صفاریہ، سامانیہ، دیلیمہ، آل یمین (دولت غزنویہ)، سلجوقیہ، خوارزم شاہی، ایلخانی، تیموری، صفوی، افشار، ژند، قاچار، پہلوی، جدید ایران

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

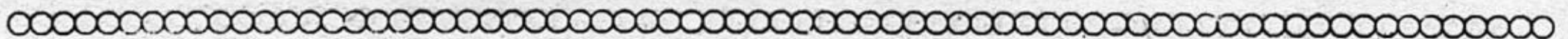
نظرثانی

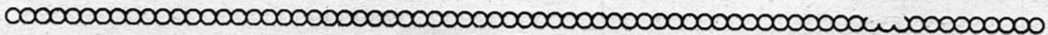
ڈاکٹر محمد سجاد

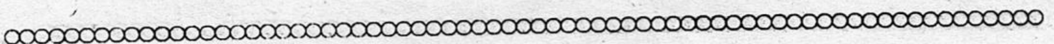


علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات







یونٹ کا تعارف:

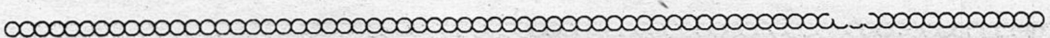
بعثت نبوی ﷺ سے قبل عالم انسانیت پر دو طاقتور ریاستوں ایران اور روم کی شہنشاہیت تھی، روم کے مقتدر اعلیٰ قیصر اور ایران کے حکمران کو کسریٰ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جو دین اور ضابطہ حیات لے کر تشریف لائے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ آخری ہدایت نامہ اور پیغام زندگی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے اس ارشاد کے مصداق کہ!

''وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو کتاب ہدایت، دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے''

چنانچہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب فرمایا اور مسلمانوں نے اس وقت کی سپر طاقتوں کو زیر کر دیا۔ اور روم اور ایران کی سلطنتوں میں توحید کا پرچم لہرانے لگا۔ ایران کی قدیم تاریخ ہے، ایک تاریخ وہ ہے جو قبل از اسلام کی ہے، اور دوسرا دور عہد اسلامی کا ہے، خلافت راشدہ کے بعد عہد اموی اور عباسی دور میں یہاں مختلف افراد و خاندان حکمران رہے۔ سب سے پہلے دولت صفاریہ کا عہد آتا ہے اور اس کے بعد سامانیہ خاندان کی حکومت قائم ہوئی اس کے بعد دیلمیوں نے 322ھ تا 447ھ تک عراق و فارس پر حکمرانی کی۔ دولت غزنویہ کو سلطان محمود غزنوی کی وجہ سے شہرت اور استحکام ملا، جس کی فتوحات ماوراء النہر سے لے کر برصغیر پاک و ہند تک پھیلی ہوئی ں۔ سلجوقی خاندان کے حکمرانوں نے اپنے دور اقتدار میں علمی و ادبی کارنامے سرانجام دیئے۔ ملک شاہ سلجوق کے معروف وزیر نظام الملک کی علمی سرپرستی میں کئی ادارے وجود میں آئے۔

سلجوقیوں کے بعد حکومت خوارزم شاہیہ قائم ہوئی جسے منگولوں نے جلد ہی ختم کر کے ایل خانی دور حکومت کا آغاز کیا، چنگیز خان اور ہلاکو خان کی نسل بعد ازاں مسلمان ہوگئی اور اس خاندان کے افراد نے اسلام کی خدمت بھی کی۔ اس کے بعد ایران میں تیموری، افشار، ژندیہ اور پہلوی خاندانوں کا اقتدار رہا۔ آخری خاندان جو ایران میں برسر اقتدار رہا، پہلی خاندان ہے جس کے آخری شہنشاہ محمد رضا شاہ پہلوی کے عہد میں ایران میں اسلامی انقلاب برپا ہوا۔

ایرانی اسلامی انقلاب نے وہاں بادشاہت کے نظام کو ختم کر کے شیعی نظریہ ولایت فقیہ کی بنیاد پر ایک مذہبی سیاسی



نظام وضع کرایا، آیت اللہ خمینی اس کے بانی تھے۔ان کے بعد سے ایران کے روحانی پیشوا آیت اللہ خامنائی ہیں جبکہ صدر کا براہ راست انتخاب ہوتا ہے۔اب تک پانچ کے قریب صدور منتخب ہو چکے ہیں۔

اس یونٹ میں ایران کے بعد از اسلام تاریخ کا ایک سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

i۔ ایران میں مختلف سیاسی خاندانوں کے اقتدار کا مطالعہ کر سکیں۔

2۔ ایران میں مختلف حکمران خاندانوں کی دین اسلام کیلئے خدمات سے آگاہ ہوسکیں۔

3۔ جدید ایرانی انقلاب کی وجوہات، محرکات کا مطالعہ کر سکیں۔

1۔ قدیم ایران

عمومی طور پر انسانی تاریخ کا آغاز وادی دجلہ وفرات یعنی موجودہ عراق اور شام کی سرزمین سے ہوتا ہے، ایران کی تاریخ کا آغاز دوآریائی قبائل ''میدی'' یا ''اماد'' اور پارس کے سیاسی عروج سے شروع ہوتی ہے، تقریباً 1500 ق م میں آریائی نسل کے قبائل دریائے دجلہ کی مشرقی سرزمین میں داخل ہوئے اور دور تک پھیلتے گئے، ان کی ایک جماعت پاک و ہند کی طرف آئی اور دوسری کردستان کی پہاڑیوں کے درمیان اور گردونواح میں آباد ہوئی اور یہ علاقہ اس کی طرف منسوب ہوکر اریانہ یا ایران کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ علاقہ دور جدید کے لحاظ سے سمرقند، بخارا، آذربائیجان، اصفہان موجودہ ملک ایران اور افغانستان پر مشتمل تھا۔

ایران کی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک غیر اسلامی تاریخ اور دوسری اسلامی تاریخ، پہلے حصہ میں اس ملک میں بڑے بڑے عالمگیر شہرت کے حکمران گزرے ہیں جن میں سائرس اعظم، دارا اول، بخت نصر اور ساسانی خاندان جس کے معروف بادشاہ کیخرو، کیکباد، کیکاؤس اور نوشیروان عادل مشہور ہیں۔

ایران کی اسلامی تاریخ کا آغاز دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے دور سے ہوتا ہے تقریباً بیس ھجری تک تمام ایران اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا اور بیس ھجری سے لے کر 255ھ تک یہ ملک باقاعدہ خلافت راشدہ، اموی سلطنت اور عباسی سلطنت کے ماتحت رہا اور عباسی سلطنت کے کمزور ہوتے ہی اس ملک پر مختلف اسلامی خاندانوں نے اپنی حکومتیں قائم کیں اور اس وقت سے لے کر آج تک تیرہ خاندانوں نے اس پر حکومت کی ہے اور موجودہ حکومت چودھویں حکومت ہے۔

2۔ حکومت صفاریہ

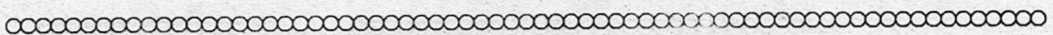
ایران کی تاریخوں میں خلفاء کی براہ راست حکومت کے بعد سب سے پہلے خاندان صفاریہ کی خودمختارانہ سلطنت کا بیان لکھا گیا ہے۔ خاندان عباسی نے خلافت کے حاصل کرنے میں چونکہ ایرانیوں سے زیادہ امداد حاصل کی تھی، لہذا انہوں نے ایرانیوں کے اقتدار واثر کو بڑھانے اور عربوں پر چیرہ دست بنانے میں کوئی تامل نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوب

ایرانیوں کو خود غلبہ پانے اور اپنی حکومت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور ابو مسلم خراسانی اور برامکہ وغیرہ کو شاہانہ اقتدار حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی، لیکن جب تک عباسی خاندان میں فاتحانہ اور سپاہیانہ جذبات باقی رہے ایرانی اپنے مقصد میں کما حقہ کامیاب نہ ہو سکے۔ خلفائے عباسیہ کی عیش پرستی و کمزوری نے جب ایرانیوں کیلئے ان کی اولوالعزمیوں کے پورا ہونے کا راستہ صاف کر دیا۔ تو سب سے پہلے یعقوب بن لیث جس کے خاندان میں ٹھیرے کا پیشہ ہوتا تھا اور اسی لئے وہ صفاریہ کے نام سے پکارا جاتا تھا، اپنی خود مختار حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یعقوب بن لیث کو یہ کامیابی محض اس کے سپاہیانہ اخلاق و جذبات کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی، یعقوب بن لیث صفاریہ دوست نوازی، سخاوت اور سادہ زندگی بسر کرنے میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔

یعقوب بن لیث صفار کی وفات کے بعد اس کا بھائی عمرو بن لیث صفار بھائی کا جانشین ہوا اور اس نے اپنی حدود حکومت کو اور بھی وسیع کیا، عمرو بن لیث میں اگر چہ اپنے بھائی کی نسبت عقل و دانائی بیان کی جاتی ہے مگر وہ ان سپاہیانہ اخلاق اور سادہ زندگی بسر کرنے میں اپنے بھائی سے کمتر تھا، خلیفہ معتمد کے بھائی موفق نے ایک مرتبہ اس کو شکست بھی دی۔ مگر اس نے اپنی حالت کو پھر درست کر لیا اور دربار خلافت کے لئے وبال جان بن گیا، آخر خلیفہ نے ماوراالنہر کے حاکم اسمٰعیل سامانی کو عمرو بن لیث کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ عمرو بن لیث ستر ہزار سوار لے کر اسمٰعیل سامانی کے استحصال پر آمادہ ہوا اور دریائے جیحون کو عبور کیا، اسمٰعیل سامانی صرف بیس ہزار سواروں کے ساتھ مقابلہ پر آیا، عین معرکہ جنگ کے وقت عمرو بن لیث کا گھوڑا اپنے سوار کی منشا کیخلاف اس کو اسمٰعیل سامانی کے لشکر میں لے گیا اور وہاں بڑی آسانی سے گرفتار کر لیا گیا اور اس طرح یہ سلطنت صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔

3۔ حکومت سامانیہ

اسد بن سامان اپنے آپ کو بہرام چوبین کی اولاد میں بتاتا تھا، اسد بن سامان اپنے چاروں بیٹوں کو لے کر مامون الرشید عباسی کی خدمت میں مقام مرو حاضر ہوا تھا جبکہ مامون الرشید مرو میں مقیم تھا، مامون الرشید عباسی کو اپنے بھائی امین کے خلافت تخت خلافت کے حاصل کرنے میں جو کامیابی حاصل ہوئی تھی، اس میں سب سے زیادہ ایرانیوں کی امداد و اعانت کو دخل تھا، مامون الرشید کا اسد بن سامان اور اس کی اولاد پر مہربان ہونا کوئی تعجب کی بات نہ تھی، سامانیوں کے اقتدار نے اسی زمانے سے تیز رفتاری سے ترقی کی چونکہ یہ خاندان ایران کے ایک مشہور سردار کی اولاد سے تھا۔ اس لئے ماوراالنہر خراسان میں ان



لوگوں کی سیادت کیخلاف لوگوں کیلئے آمادہ ہونے کا امکان اور بھی ضعیف ہوگیا تھا۔ اسمعیل سامانی جو اسد بن سامان کا پوتا تھا۔ عمرو بن لیث پر غالب آنے کے بعد بہت جلد بادشاہت کے مرتبہ کو پہنچ گیا، فرق صرف اس قدر تھا کہ خاندان صفار خلافت بغداد کے خلاف رہا، لیکن اسمعیل اور اس کے جانشین برائے نام دربار کی سیاست کو تسلیم کرتے رہے۔

اسمعیل سامانی نے ماوراالنہر اور خراسان میں سات آٹھ سال حکومت وسلطنت کی، خلیفہ معتمد باللہ عباسی نے اس کو ملک خراسان کی سند حکومت عطا کی تھی، اسمعیل کی وفات کے بعد ابونظیر احمد بن اسمعیل سامانی باپ کا جانشین ہوا، اسمعیل سامانی اپنی عادات وخصائل کے اعتبار سے نہایت شریف سیر چشم اور متوکل علی اللہ شخص تھا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا نصر بن احمد سامانی آٹھ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا، یہ بالکل اپنے دادا اسمعیل کا نمونہ تھا، اس نے چند ہی روز کے بعد اپنی سلطنت کی حدود کو اسمعیل سامانی کی حدود سلطنت سے زیادہ وسیع کر لیا اور تیس سال سے زیادہ عرصہ تک بڑے زور وشور اور ناموری کے ساتھ حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نوح بن نصر تخت نشین ہوا، اس نے تیرہ سال حکومت کر کے 343ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک بن نوح تخت نشین ہوا، اس نے رکن الدولہ دیلمی کی بیٹی سے شادی کی تھی، اس لئے عراق وفارس کے صوبوں میں بھی اس کی سیاست تسلیم کی گئی، اسی کا وزیر ابوعلی بن محمد تھا، جس نے تاریخ طبری کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، منصور بن نوح نے پندرہ سال حکومت کی۔

اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابوالقاسم نوح ثانی تخت نشین ہوا، اس کے تخت نشین ہوتے ہی سلطنت بخارا یعنی دولت سامانیہ پر ادبار وتنزل کی گھٹائیں چھا گئیں۔

4۔ حکومت دیلمیہ

دیلمیوں اور سامانیوں کی سلطنتوں کو ایک دوسرے کی معاصر اور رقیب سلطنت سمجھنا چاہیے۔ سامانیوں کا قبضہ ماوراالنہر اور خراسان وغیرہ شمالی ومشرقی ممالک پر رہا۔ اور دیلمیوں کے تصرف میں فارس وعراق وآذربائیجان وغیرہ غربی ممالک رہے۔ اس طرح تمام ملک ایران چند روز تک انہیں دونوں خاندانوں کے درمیان منقسم رہا، دیلمیوں کی حکومت سامانیوں کی بربادی کے بعد بھی نہایت کمزور حالت میں کچھ دنوں باقی رہی جب کہ سامانیوں کی جگہ مشرقی ایران میں غزنیوں کی زبردست سلطنت قائم ہو چکی تھی۔

دیلمیوں نے 322ھ تا 447ھ تک فارس و عراق پر حکمرانی کی ان دیلمیوں نے بجائے اس کے کہ کسی بعید ترین صوبہ کو خلیفہ کی حکومت سے جدا کرتے خود خلیفہ اور صوبہ عراق پر اپنا تسلط قائم کر کے حقیقتاً اور معناً خلافت عباسیہ کا خاتمہ کر دیا مگر خلیفہ کا نام اور نام کی خلافت باقی رکھی۔

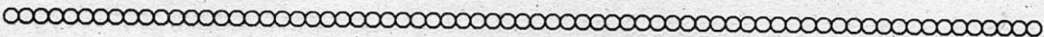
دیلمیہ ایران کے ایک علاقہ کا نام ہے، اس علاقہ میں ایک شخص ابوشجاع بویہ دیلمی نہایت مفلس اور ماہی گیر تھا، اس کے تین بیٹے علی، حسن، احمد تھے۔ انہوں نے بڑے ہو کر اس خاندان کے حکومت کی بنیاد رکھی اور آدھے ایران پر قابض ہو گئے حتیٰ کہ عراق اور بغداد پر بھی، ان میں ایک بھائی احمد معزالدولہ نے حکمرانی کی، ان میں بڑے بھائی علی بن بویہ نے بنو بویہ کی حکمرانی قائم کی اور وہ عمادالدولہ کے لقب سے فارس پر قابض تھا اور حسن رکن الدولہ اصفہان اور طبرستان پر حکمران تھا اور چھوٹا بھائی بقیہ علاقوں کا حکمران تھا۔

5۔ حکومت غزنویہ

عبدالملک بن نوح نے الپتگین کو خراسان کی گورنری پر مامور کیا، عبدالملک کے بعد جب اس کا بھائی منصور بن نوح سامانی 350ھ میں تخت نشین ہوا تو الپتگین جو منصور بن نوح کی تخت نشینی کے خلاف رائے ظاہر کر چکا تھا، خراسان کے دالامارات سے مقام غزنی میں چلا آیا، جو اس زمانے میں ایک معمولی سی بستی تھی، یہاں الپتگین مضبوط ہو کر بیٹھ گیا اور اپنی ایک خودمختار ریاست قائم کر کے حکومت کرنے لگا۔

367ھ میں الپتگین کا انتقال ہوا، تو اس کی جگہ اس کا بیٹا اسحٰق غزنی کا فرماں روا ہوا۔ مگر چند ہی روز کے تجربہ سے وہ نااہل و نالائق ثابت ہوا اور فوجی سرداروں نے اس کو معزول کر کے یا اپنی موت ۔ اس کے مرجانے پر سبکتگین کو جو الپتگین کا سپہ سالار اور داماد بھی تھا اپنا بادشاہ بنایا۔

387ھ میں اس کا بیٹا محمود بن سبکتگین غزنی کے تخت پر بیٹھا، خلیفہ قادر باللہ عباسی نے اس کو یمین الدولہ اور امین الملت کا خطاب عطا فرمایا تھا، محمود غزنوی کے تخت نشین ہوتے ہی نہایت قابلیت کے ساتھ مہمات سلطنت کو انجام دینا شروع کیا اس خطاب کی وجہ سے اس حکومت کو آل یمین بھی کہا جاتا ہے۔



غرض کہ محمود غزنوی نے بہت جلد دریائے ستلج سے لے کر بحیرہ سپین تک اور ماورالنہر سے لے کر بلوچستان وعراق تک ایک نہایت وسیع سلطنت قائم کر لی۔ محمود غزنوی براعظم ایشیا کے نہایت نامور اور زبردست شہنشاہوں میں شمار ہوتا ہے اس کے زمانے میں فارسی زبان کو خاص طور پر رونق حاصل ہوئی، عربی زبانوں کی ترویج واشاعت میں جو مرتبہ حجاج بن یوسف ثقفی کو حاصل ہے، وہی مرتبہ فارسی زبان کی ترویج واشاعت میں محمود غزنوی کو حاصل ہے۔ محمود غزنوی نہایت سچا پکا مسلمان، بے تعصب اور علم دوست شخص تھا۔

سلطان محمود غزنوی کے بعد اس کا بیٹا مسعود پھر اس کا بیٹا مودود اور اس کے بعد اس کے بیٹے علی اور عبدالرشید تخت نشین ہوئے مگر یہ سلطنت کمزور ہوتی گئی اور آخر میں مسعود بن ابراہیم اور ارسلان بن مسعود بادشاہ بنے مگر 547ھ میں غوری پٹھانوں نے اس حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

6۔ حکومت سلجوقیہ

سلجوق نسل کے اعتبار سے ترک تھے یہ لوگ دراصل ترکستان اور خراسان کے رہنے والے تھے۔ اس خاندان کا بانی ایک شخص ''وفاق'' تھا۔ اس کے بیٹے کا نام سلجوق یا سلجک تھا۔ نسب کے لحاظ سے یہ شخص افراسیاب کی چونتیسویں پشت سے ہونے کا مدعی تھا۔ جن دنوں عالم اسلام میں افراتفری پھیلی ہوتی تھی۔ سلجوق نے اپنے پورے قبیلہ سمیت بخارات کی اسلامی مملکت میں داخل ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ بعدازاں اس نے غیر مسلم ترکوں پر فتوحات حاصل کر کے اپنی طاقت کو بڑھا لیا۔ اس طرح تھوڑی مدت میں سلجوقیوں نے خراسان اور ترکستان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

سلجوق کی وفات کے بعد سلجوقیوں کی قیادت طغرل بیگ اور چغر بیگ کے حصہ میں آئی۔ سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد سلجوقیوں نے نیشاپور، عراق، آرمینیا، طبرستان، ہرات وغیرہ کو فتح کر لیا۔ سلطان محمود غزنوی کے لڑکے مسعود اور پوتے مودود نے سلجوقیوں پر قابو پانے کی کوشش کی مگر ہر مرتبہ شکست فاش کھائی۔ اس کے بعد سلجوقیوں نے بغداد کا رخ کیا۔ 1055ء میں طغرل بیگ نے بغداد پر قبضہ کر کے بنو بویہ دیلمی کے امیر الامراء ملک رحیم کو امور سلطنت سے بے دخل کر دیا۔

6.1 طغرل بیگ:

ملکی فتوحات سے فارغ ہو کر طغرل بیگ خلیفہ وقت القائم بامراللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خلیفہ موصوف نے طغرل بیگ کی عزت افزائی کرتے ہوئے اسے سات خلعت اور سات غلام عنایت کئے اس کے بعد خلیفہ بغداد نے طغرل بیگ کو اپنا وزیر اعظم، سپہ سالار اور امیر الامراء مقرر کر دیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک بغداد میں مقیم رہنے کے بعد وہ دربار خلافت سے رخصت ہوا۔

کچھ مدت کے بعد طغرل بیگ نے عراق، موصل اور دیار بکر کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ ان مہموں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے رومیوں سے جنگ چھیڑ دی۔ تین سال کے عرصے میں مسلمانوں نے رومیوں کے کئی علاقے فتح کر لئے۔ ابھی جنگ جاری تھی کہ طغرل بیگ کا ستر سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

طغرل بیگ ایک جنگجو مدبر اور فیاض حکمران تھا، اس کی جفاکشی اور جنگی قابلیت کے باعث سلجوقیوں کو اتنا اقتدار حاصل ہوا کہ وہ ایک معمولی قبیلہ سے ترقی کر کے عباسی سلطنت کے سیاہ وسفید کے مالک ہو گئے۔

6.2 الپ ارسلان بن چغر بیگ (1063ء تا 1077ء):

چونکہ طغرل بیگ لاولد فوت ہوا تھا اس لئے اس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا ارسلان بن چغر بیگ سلطان و امیر الامراء مقرر ہوا۔ خلیفہ نے اسے عضدولہ کے خطاب سے نوازا۔ اس نے اولاً ختلان اور ہرات کے علاقوں پر قبضہ کیا۔ پھر فارس اور کرمان کی بغاوتوں کا قلع قمع کیا۔ ان مہموں سے فارغ ہونے کے بعد الپ ارسلان نے شام، مکہ شریف اور مدینہ شریف کو تسخیر کر کے ان علاقوں کے لوگوں کو مصر کے بنو فاطمہ کے قبضے سے نجات دلائی۔ 1071ء میں رومی بادشاہ دیوجانس رومانوس نے مسلمانوں کے سرحدی علاقوں پر یلغار کی۔ پندرہ ہزار سپاہیوں کی جمعیت سے الپ ارسلان نے رومی فوج کو جو تین لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ شکست فاش دی اور ان کے شہنشاہ کو گرفتار کر لیا۔ بعد ازاں پندرہ لاکھ دینار تاوان جنگ کے وعدے پر اس نے شہنشاہ کو امراء سمیت رہا کر دیا۔ رومیوں سے صلح ہو جانے کی غرض سے بغداد سے روانہ ہوا۔ مگر ابھی وہ دریائے جیحون کو عبور نہ کر پایا تھا کہ فوت ہو گیا۔

الپ ارسلان دراز قد جفاکش اور سپاہیانہ اوصاف کا انسان تھا، تاریخ کے مضمون سے اس خاص شغف تھا۔ فیاض اتنا تھا کہ رمضان شریف کے مہینے میں پندرہ ہزار دینار تک محتاجوں میں بطور خیرات تقسیم کرتا تھا۔ علاوہ ازیں محتاجوں کو پنشن دینے کی رسم بھی اس نے جاری کررکھی تھی اس کی قوت فیصلہ بڑی تیز تھی اور اپنے فیصلوں کو عملی جامعہ پہنانے میں کافی مستعد دکھائی دیتا تھا۔

6.3 ملک شاہ سلجوق (1072ء تا 1092ء):

الپ ارسلان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ سلطان بنا، خلیفہ وقت نے اسے جلال الدولہ کا خطاب عطا کیا۔ ملک شاہ کے زمانے میں سلجوقیوں کو غیر معمولی اقتدار نصیب ہوا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ خاص بغداد میں ملک شاہ کا نائب اپنے مکان پر نوبت نقارہ بجوایا کرتا تھا۔ حالانکہ یہ نشانی محض خلیفہ وقت کیلئے مخصوص تھی ملک شاہ نے ماوراء النہر کے تمام علاقے فتح کئے اور اس طرح اسلامی مملکت کی حدود چین تک پہنچ گئیں۔ رومی حکمرانوں نے اپنی سابقہ شکستوں کا بدلہ لینا چاہا، مگر آخر مجبور ہو کر ملک شاہ کو ایک گرانقدر رقم بطور خراج پیش کی، ملک شاہ کے زمینی کارناموں سے خوش ہو کر خلیفہ نے 1082ء میں ملک شاہ کی لڑکی سے نکاح کرلیا۔

ملک شاہ کے عہد کی شاندار کامیابیاں کسی حد تک اس کے قابل وزیر نظام الملک کے باعث تھیں۔ اس نامور وزیر نے 80 سال تک ملک شاہ کی بے لوث خدمت کی یہ شخص خود عالم تھا، اس نے نظامیہ کالج کی لافانی درسگاہ قائم کی۔ اس کے اقتدار کے باعث شاہی خاندان کے افراد نظام الملک سے حسد کرنے لگے۔ انہوں نے سازشیں کر کے ملک شاہ کو اس قابل وزیر سے بدظن کردیا۔ چنانچہ بادشاہ نے نظام الملک کو وزارت کے عہدے سے معزول کردیا۔ ابھی وزیر کی معزولی کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ 1092ء میں نہاوند کے قریب حسن بن صباح کے ایک فدائی نے اسے خنجر مار کر ہلاک کردیا، اس کی وفات کے ایک ماہ بعد ملک شاہ بھی انتقال کرگیا، اس نے کل اکیس برس حکومت کی۔

ملک شاہ منصف، نیک، بہادر اور عدل پرور حکمران تھا۔ علاوہ ازیں وہ ایک بلند پایہ منتظم بھی تھا۔ اس نے ہمیشہ رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھا۔ ٹیکسوں کے بوجھ کو نمایاں طور پر ہلکا کردیا۔ ایک جامع مسجد تعمیر کروائی اور ایک شاندار مدرسہ حضرت امام اعظمؒ کی یادگار میں کھولا۔ خود عالم تھا اور علماء وفضلاء کا قدردان تھا، ہیئت دانوں کیلئے ایک رصدگاہ بنوائی جو اس کے زندگی کے ایام میں قائم رہی، لوگوں کی بہبود کی خاطر اس نے کئی پل تعمیر کئے اور نہریں کھدوائی ان زریں کارناموں کی بدولت

ملک شاہ کا شمار دنیا کے بلند پایہ تاجداروں میں ہونا چاہیے۔

ملک شاہ کی وفات کے ساتھ ہی سلجوقی حکمرانوں کی سطوت وطاقت میں زوال کے آثار رونما ہونا شروع ہو گئے۔

ملک شاہ کے جانشین نکمے اور نالائق نکلے اس کے جانشینوں میں اس کا پوتا سلطان سنجر باہمت شخص ثابت ہوا۔ اس نے غور کے فرمانروا حسین بن حسن کے ساتھ جنگ کی مگر شکست کھا کر قید ہو گیا۔ قید سے رہائی حاصل کرنے کے بعد اس نے 1156ء میں وفات پائی۔

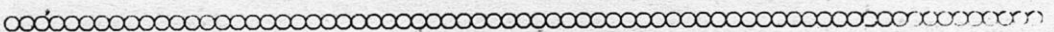
سلطان سنجر کی وفات کے بعد سلجوقیوں کے مختلف قبیلے ایران شام اور ایشیائے کوچک میں پھیل گئے خوارزم شاہیوں نے ایران اور عراق میں ان کی سیاسی طاقت کو کچل دیا۔ صرف سالاجقہ روم کی حکومت تیرہویں صدی عیسوی کے اخیر تک قائم رہی۔

7۔ دولت خوارزم شاہیہ

ملک شاہ سلجوقی کا ایک ترکی غلام جس کا نام نوشتگین تھا اس کا بیٹا قطب الدین بن نوشتگین اسی طرح سلطان سنجر کی خدمت میں رسوخ رکھتا تھا، سلطان سنجر سلجوقی نے اپنے نوکر قطب الدین مذکور کو خوارزم کا حاکم مقرر کیا۔ یہ قطب الدین جب کبھی سلطان سنجر کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اپنے اسی شاہانہ لباس میں خدمت گاری کے تمام کام حسب دستور سابق انجام دیتا، یہ عرصہ دراز تک علاقہ کا خوارزم کا حاکم رہا اور خوارزم کی مناسبت سے خوارزم شاہ مشہور ہوا۔ اس کے بعد اس کی اولاد بھی اسی نام سے مشہور ہوئی اور اس خاندان کے تمام فرماں روا خوارزم شاہی فرماں روا کہلائے۔ ابتداً یہ سلطان سنجر کا فرماں بردار رہا۔ لیکن جب سلطان سنجر کے اقبال کو زوال ہوا اور وہ ترکان غز کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ تو اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور ماوراالنہر کے علاقے پر بھی چڑھائی کی۔ رشید الدین وطواط مشہور شاعر اس کے دربار میں رہتا تھا۔ جس طرح کہ انوری سلطان سنجر سلجوقی کا درباری شاعر تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اتسز خوارزم شاہ تخت نشین ہوا، اس نے رشید الدین وطواط کو اپنے دارالانشا کا حاکم مقرر کیا تھا۔

540ھ کے قریب اتسز فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا ارسلان شاہ 557ھ میں تخت نشین ہوا۔

اس نے جب وفات پائی تو اس کی جگہ اس کا بیٹا سلطان محمد خوارزم شاہ 590ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس نے قریباً



اکیس سال حکومت کی، اس نے اپنی حدود حکومت کو بہت وسیع کیا، اس کے اور خلیفہ بغداد کے درمیان کچھ بے لطفی ہوگئی تھی، شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد غور و غزنی تک اس کی حکومت کا ڈنکا بجنے لگا تھا، فارس کے بادشاہ اتابک سعد آذربائیجان کے بادشاہ اتابک ازبک کو بھی اس نے شکست دی اور خلیفہ بغداد سے سرتابی کر کے بغداد کی طرف ایک جرار فوج لے کر چلا تا کہ خلیفہ کو معزول کر کے اس کی جگہ سید عبدالمالک ترمذی اپنے پیر کو تخت خلافت پر بٹھائے۔ خلیفہ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کو اس کے پاس بھیجا کہ وہ نصیحت کر کے خوارزم شاہ کو اس ار ے سے باز رکھیں اور آپس میں صلح و آشتی پیدا ہو جائے۔ مگر اس سفارت کا کوئی اثر نہ ہوا اور سلطان محمد خوارزم شاہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا، آخر قدرتی رکاوٹ پیدا ہوئی اور برف باری سے سخت نقصان اٹھا کر خوارزم شاہ کو عراق سے واپس ہونا پڑا، ابھی یہ عراق ہی میں تھا کہ چنگیز خان نے اس کے ملک پر حملہ کر دیا اور اس طرح یہ سلطنت ختم ہوگئی۔

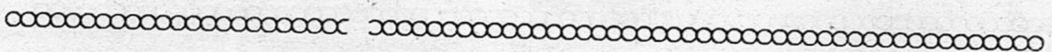
8۔ ایل خانی دور

8.1 چنگیزی فتنہ کے بعد عالم اسلام کا سیاسی انتشار:

چنگیز خان صحرائے گوبی میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو مٹا کر ایک طاقت ور سلطنت قائم کرنے کے بعد ایران اور ممالک اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک ہی زبردست یلغار میں اس نے خوارم شاہی خاندان کی سیاسی طاقت کو کچل کر بخارا، سمرقند، بلخ، نیشاپور، ماژندان، ہمدان وغیرہ کو فتح کرلیا۔ چنگیز خان نے 1227ء میں وفات پائی۔

منگولوں کے وحشیانہ حملوں سے ایران کی اسلامی تہذیب کا شاندار قصہ مسمار ہوگیا۔ ایران کے بڑے بڑے شہر کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے۔ سرسبز زمینوں نے ویرانوں کی صورت اختیار کرلی، آباد بستیاں اجڑ گئیں، غرض کہ عالم اسلام کی سیاسی حالت ہر لحاظ سے ابتر اور دگرگوں ہوگئی۔

چنگیز خان کی وفات کے بعد اس کی وسیع سلطنت اس کے چار بیٹوں میں بٹ گئیں۔ ان میں سے ایک بیٹے چغتائی کی اولاد کاشغر، بدخشاں، بلخ اور غزنہ وغیرہ کے علاقوں پر حکومت کرتی رہی اور اس کے پوتے ہلاکو خان کو موروثی طور پر ایران کی فرمانروائی حاصل ہوئی۔ اس خاندان کے افسر اعلیٰ کو ایل خان کے لقب سے موسوم کیا جاتا تھا، تا کہ اس میں اور تاتاریوں کی



مرکزی حکومت کے خان اعلیٰ میں تمیز کی جا سکے۔ اس وجہ سے چنگیز خان اور ہلاکو خان کے اس مغل دور کو ایل خانی دور کہا جاتا ہے۔ ہلاکو خان سے رضا شاہ پہلوی اور اس کے جانشیوں کے عہد حکومت تک سرزمین ایران پر سات خاندانوں نے حکومت کی جن کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

8.2 ہلاکو خان (1256ء تا 1260ء):

چنگیز خان کی وفات کے بعد کچھ مدت تک ایران تاتاریوں کے مظالم کا تختہ مشق بنا رہا۔ آخر 1256ء میں ہلاکو خان نے جسے ایل خان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ایران کے مختلف حصوں کو یکجا کر کے ایک منظم سلطنت کی قائم کی اُور ایل خانی خاندان کی بنیاد ڈالی۔

8.3 اباقا خان (1260ء تا 1281ء):

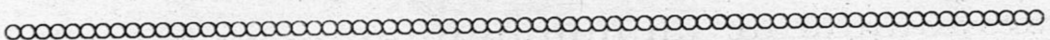
ہلاکو خان کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا اباقا خان 1260ء میں تخت نشین ہوا۔ 1266ء میں اس نے روسی تاتاریوں کو شکست دی اور آٹھ سال بعد قبلائی خان کے نائب برقائی خان کو ہرات کے مقام پر شکست دی۔ بعد ازاں اس نے خوارزم اور ماوراء النہر کے علاقوں کو فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ 1277ء میں اس نے مصر پر فوج کشی کی مگر مصر کے فرمانروا بیبرس نے اسے شکست فاش دی۔

8.4 احمد تقودار (1281ء تا 1284ء):

اباقا خان کی وفات کے بعد ہلاکو خان کا دوسرا بیٹا احمد تقودار تخت پر بیٹھا، شروع شروع میں وہ مذہباً عیسائی تھا اور اس کا نام نکولس تھا۔ مگر بعد ازاں اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنی حکمرانی کے عہد میں اس نے مسلمانوں کو اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا اور اسلام کی اشاعت میں ہر ممکن کوشش کی۔

احمد تقودار کی وفات کے بعد اباقا خان کا بیٹا اور ہلاکو کا پوتا ارغون خان تخت نشین ہوا۔

گیخاتو خان اباقا خان کا دوسرا بیٹا تھا جسے منگول امراء نے ارغون خان کی وفات کے بعد تخت پر بٹھایا۔ اس نے مسلمانوں



کے ساتھ اچھا سلوک کیا چنانچہ اس نے قطب الدین احمد کو قاضی القضاۃ اور صباح الدین خالد زنجانی کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔

8.5 بائیدوخان (1295ء تا 1295ء):

بائیدوخان کے تخت نشین ہوتے ہی ارغون خان کے بیٹے غازان خان نے مسلمان ہونے کے بعد بغاوت کر دی۔ بائیدوخان نے مصالحت کرنا چاہی مگر غازن خان نے فوجی جرنیلوں سے مل کر اسے نزول کر کے قتل کر دیا۔

بائیدوخان کی معزولی کے ساتھ ہی ایل خانی کے دور کا خاتمہ ہو گیا اس وقت تک ایل خانی حکمران چین کے ماتحت تھے لیکن غازان نے اسلام قبول کر کے مرکز سے اپنا تعلق توڑ دیا اور اپنی آزاد حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اس کے عہد حکمرانی سے خودمختار ایل خان فرمانرواؤں کے دور کا آغاز ہوا۔

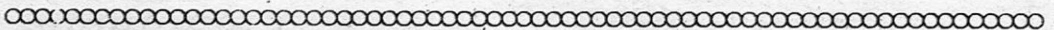
8.6 سلطان محمود غازان خان (1295ء تا 1304ء):

سلطان محمود غازان قد و قامت کے لحاظ سے معمولی آدمی تھا مگر مستقل مزاج اور ارادے کا پکا تھا۔ اس نے قبلائی خان کے حکم کی تعمیل سے انکار کرتے ہوئے کاغذ کا سکہ اپنی مملکت میں رائج نہ کیا۔ اسے حکمت اور سائنس سے خاصی دلچسپی تھی اس نے مزارعین کی حالت کو بہتر بنا کر زراعت کو ترقی دی۔ تجارت کو بھی فروغ دینے کی کوشش کی۔ اس نے اسلام قبول کر کے ایک اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

مسلمان حکمران ہونے کی حیثیت سے اس نے اپنی مملکت میں شعائر اسلام کو فروغ دینے کی کوشش کی غیر مسلموں کی ایسی عبادت گاہوں کو جو فساد کی جڑ تھی منہدم کرا دیا۔ تمام بغاوتوں اور شورشوں کا اس نے قلع قمع کر کے اپنی مملکت میں امن و امان قائم کیا۔

8.7 سلطان محمد خدا بندہ الجایتو (1304ء تا 1316ء):

سلطان محمد خدابندہ نے تخت نشین ہوتے ہی اسلام کے شرعی اصولوں کی پابندی پر زور دیا اور تمام غیر شرعی رسول کو ختم کرنے کی کوشش کی اس کے متقیانہ رویئے کے باعث وہ تمام رعایا میں ہر دل عزیز ہو گیا۔ اس کے عہد میں مغلوں نے گیلان اور خراسان پر حملے کئے مگر ہر مرتبہ شکست کھائی، یورپی حکمرانوں سے اس کے تعلقات اچھے رہے۔ ہمسایہ سلطنتیں اس کے



رعب ودبدبہ کا سکہ مانتی تھیں، تیرہ برس حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا اور سلطانیہ شہر میں مدفون ہوا۔

8.8 سلطان ابوسعید (1316ء تا 1335ء):

سلطان محمود خدا بندہ الجاتیو کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ابوسعید بارہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا کم عمر ہونے کے باعث اس نے امیر چوپان کو مدار المہام مقرر کیا۔

ازبک خان نے ایران پر فوج کشی کی۔ ابوسعید بھی اس کے مقابلے کیلئے روانہ ہوا مگر شروان پہنچ کر 1335ء میں فوت ہو گیا۔

8.9 سلطان ارپا خان (1335ء تا 1335ء):

ابوسعید کے لاولد فوت ہونے پر بعض امراء نے متفقہ طور پر تولائی خان کی اولاد کے ایک فرد ارپا خان کو تخت پر بٹھا دیا۔ نئے فرمانروا نے ازبک خان کے مقابلے کیلئے خوب تیاری کی مگر ازبک خان مقابلہ کئے بغیر واپس چلا گیا۔

8.10 سلطان موسیٰ خان (1335ء تا 1336ء):

موسیٰ خان نے تخت نشین ہوتے ہی امیر علی کو مدار المہام کے عہدے پر فائز کیا۔ مگر بہت جلد امیر حسن جلائر نے موسیٰ خان پر حملہ کر کے اسے شکست دی۔ موسیٰ خان نے راہ فرار اختیار کر کے ضلع ہزارہ میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن وہاں گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔

8.11 سیاسی انتشار کا دور (1336ء تا 1369ء):

موسیٰ خان کے بعد ایل خانی خاندان کے چھ فرمانروا گزرے جو ملک کے برائے نام حکمران تھے اور درحقیقت اپنے جرنیلوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھے۔ ان کے عہد حکومت کی مدت تقریباً نو سال یعنی 1336ء سے 1344ء تک تھی۔ آخری ایل خانی فرمانروا نوشیروان تھا۔ اس کے عہد میں ملک میں خانہ جنگی کا بازار گرم رہا۔ اس خانہ جنگی سے خالص ایرانی امراء نے

فائدہ اٹھایا اور ملک کے مختلف حصوں میں انہوں نے خودمختار اور آزاد حکومتیں قائم کرلیں چنانچہ عراق میں خاندان جلائر، کرمان میں آل مظفر، ترکستان میں آل کرت اور فارس میں اتابکان فارس نے اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی۔ آخرامیر تیمور نے اس سیاسی بدنظمی کا قلع قمع کر کے 1369ء میں ایک زبردست مرکزی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

9۔ تیموری دورحکومت کا آغاز

9.1 امیر تیمور (1335ء تا 1405ء):

ماوراءالنہر کے علاقے میں گورگان قبیلے کے تاتاریوں کے سردار امیر ترغئی کے گھر میں امیر تیمور 1335ء میں پیدا ہوا۔ چونکہ اس کا والد پارسا اور درویش صفت انسان تھا۔ اس لئے اس نے اپنے بیٹے کو مذہبی تعلیم دلوائی۔ والد کی وفات کے بعد وہ اپنے قبیلے کا سردار بنا مگر حوادث زمانہ کے باعث اسے سمرقند سے بھاگنا پڑا۔ کچھ مدت تک صحرانورد رہا آخر قسمت نے یاوری کی اور وہ سلطان حسین کو مغلوب کر کے ماوراالنہر کے علاقے پر قابض ہوگیا اگلے چند سالوں میں اس نے خراسان، ہرات، طوس، سمرقند اور بخارا وغیرہ کے علاقوں کو فتح کرلیا۔ ان فتوحات پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اس نے 1391ء تک سیستان، ماژندان، آذربائیجان، گرجستان، فارس اور اصفہان کے اہم مقامات کو تسخیر کرنے کے علاوہ روس کے اکثر حصے کو تباہ کردیا۔ اپنی فتوحات میں مزید اضافہ کرنے کی غرض سے اس نے ہندوپاک پر حملہ کر کے دہلی تک سارے علاقے کو تہہ وبالا کردیا۔ 1400ء میں اس نے شام کے ملک کو فتح کیا اگلے سال اس نے آل جلائر کے شہزادے سلطان احمد سے بغداد کو فتح کر کے وہاں خوب تباہی مچائی۔ 1402ء میں ترکی کے عثمانی حکمران سلطان بایزید سے انگورہ کے مقام پر جنگ کی جس میں بایزید شکست کھا کر قید ہوگیا۔ تیمور نے اپنے شاہی قیدی سے اچھا سلوک کیا۔ مگر بایزید کی شکست سے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا کیونکہ بایزید کی شکست کے باعث یورپ میں مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی اور یورپی اقوام نے اطمینان کا سانس لیا۔ کہتے ہیں کہ تیمور کو بعدازاں اپنی مذموم حرکت کا بہت احساس ہوا اور اس ندامت کے داغ کو مٹانے کی خاطر وہ 1405ء میں چین پر حملہ کرنے کی بہت ارادہ سے روانہ ہوا۔ مگر راستے میں بڑھاپے اور سفر کی تھکن کے باعث مرگیا۔

تیمور فطرتاً ظالم اور پرلے درجے کا سفاک تھا۔ انسانی خون سے ہولی کھیلنے میں اسے بہت لطف آتا تھا۔ مگران

باتوں کے باوجود وہ غیر معمولی حافظہ اور قوت ارادی کا مالک تھا اپنی فطرتی صلاحیتوں کے باعث اس نے بعض اوقات خطرناک مہمیں سر کیں۔ فوج پر اس کا پورا پورا کنٹرول تھا۔ ڈسپلن اور تنظیم کے لحاظ سے اس کی فوج کو ایشیائی حکمرانوں کی فوجوں پر برتری حاصل تھی۔ ماسکو تک روسی علاقے کی تسخیر اور سلطان بایزید یلدرم پر مکمل فتح حاصل کرنے کے باعث اس کا شمار دنیا کے بڑے فاتحوں میں ہوتا ہے۔

9.2 شاہ رخ مرزا (1405ء تا 1447ء):

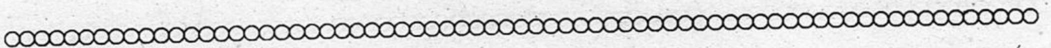
امیر تیمور کے بیٹوں میں شاہ رخ مرزا سب سے قابل تھا۔ انتظامی قابلیت کے لحاظ سے بھی وہ ایک اچھا حکمران اور کامیاب جرنیل ثابت ہوا۔ اپنے والد کی زندگی میں خراسان کا گورنر رہ چکا تھا۔ زمام سلطنت کو سنبھالنے کے بعد اس نے اپنے والد کے برباد کردہ شہروں اور قصبوں کو از سر نو آباد کیا۔

9.3 الغ بیگ (1448ء تا 1451ء):

اپنے والد کا جانشین ہونے سے پہلے الغ بیگ تقریباً انتالیس برس تک ماوراالنہر کے علاقے کا گورنر رہ چکا تھا۔ اس کا یہ عہد گورنری سمرقند کیلئے سنہری زمانہ تھا۔ خود مختار حکمران بننے کے بعد بھی اس نے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھا۔ یہ بادشاہ بذات خود عالم و فاضل تھا اور علماء کا قدردان تھا اس نے علم نجوم پر کئی کتابیں تصنیف کیں جن سے مشرق و مغرب کے ہیئت دان یکساں طور پر مستفید ہوئے اس نے سمرقند میں ایک عظیم الشان رصدگاہ بنوائی۔ اس کی کتابوں کا ترجمہ 1650ء میں پروفیسر جان گریو نے لاطینی زبان میں کیا۔ اس نے ایک نیا کیلنڈر بھی رائج کیا جو اس وقت تک ایران میں جاری ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس کے بیٹے عبداللطیف نے بغاوت کر کے اپنے عظیم باپ کو قید کر لیا اور بعد ازاں اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

9.4 عبداللہ بن ابراہیم شاہ رخ (1452ء تا 1459ء):

عبداللطیف کو تخت نشین ہوئے ابھی ایک سال گزرا تھا کہ اسے ایک شخص بابا حسین نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن ابراہیم بن شاہ رخ نے عنان حکومت سنبھالی اور اس نے سات سال حکومت کی۔ اس کے عہد میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہ ہوا۔



9.5 ابوسعید (1459ء تا 1467ء):

اپنی تخت نشینی کے بعد عبداللطیف نے ابوسعید سلطان محمد بن میراں شاہ کو زندان جیل میں ڈال دیا تھا مگر وہ جیل خانے سے نکل کر بخارا کی طرف فرار ہوگیا۔ عبداللطیف کی موت کے بعد وہ اپنے حامیوں کے بل بوتے پر ترکستان پر قابض ہوگیا۔ عبداللہ بن ابراہیم شاہرخ کی وفات کے بعد ابوسعید نے حصول تخت کیلئے تگ و دو شروع کردی۔ اس سلسلے میں اسے اپنے چچیرے بھائی ابوبکر سے جنگ کرنی پڑی چنانچہ ازبکوں کی مدد سے اس نے ابوبکر کو شکست دے کر اسے قتل کردیا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ تخت نشینی کے مسئلہ کو کامیابی سے حل کرنے کے بعد ابوسعید کے حوصلے بڑھ گئے اس نے 1465ء تک افغانستان اور ماوراءالنہر کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ دو سال بعد یعنی 1467ء میں اس نے آذربائیجان پر حملہ کیا مگر ترکمانوں کے سردار ازون حسین کے ہاتھوں شکست فاش کھا کر گرفتار ہوگیا۔ بعد ازاں ترکمانی سردار موصوف نے اسے شاہ رخ کے بیٹے یادگار مرزا کے سپرد کردیا۔ جس نے اسے خاندانی رقابت کی بنا پر فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

9.6 احمد بن سعید بن سلطان محمد (1467ء تا 1483ء):

ابوسعید کے بعد اس کا بڑا بیٹا احمد تخت نشین ہوا اس کے عہد میں جابجا بغاوتیں ہوئیں اور جنوبی حصے آزاد ہوگئے تیمور سلطنت کی حدود دن بہ دن سمٹتی چلی گئی۔ سولہ سال حکومت کرنے کے بعد یہ حکمران اس جہان فانی سے رخصت ہوگیا۔

9.7 محمود بن سعید بن محمد (1483ء تا 1489ء):

احمد بن سعید کی وفات کے بعد اس کا بھائی محمود بن سعید تخت پر بیٹھا مگر چھ سال حکومت کرنے کے بعد اسے ایک ازبک شخص شیبانی خان نے قتل کردیا۔

9.8 سلطان حسین بن منصور بن بالقرا (1489ء تا 1494ء):

1456ء میں سلطان حسین نے ابوسعید کے عہد میں استر آباد میں اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا تھا۔ اس کے بعد وہ ملک کی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ہرات پر 1466ء میں قابض ہوگیا تھا۔ پھر بابر کے ساتھ مل کر اس نے 1489ء میں

ازبک سردار شیبانی کے لڑائی بھی لڑی جس کا ذکر بابر نے توزک بابری میں بڑے اچھے الفاظ میں کیا ہے۔محمود کے قتل کے بعد یہ جری شخص تیموری خاندان کی بچی کھچی سلطنت کا بادشاہ بن گیا۔1494ء میں اس پر فالج گرا اور ایسی بیماری کے عالم میں وہ اس جہان فانی سے رخصت ہوا اور اس کے مرنے کے ساتھ ہی تیموری خاندان کا چراغ ہستی گل ہو گیا۔

10۔ حکومت صفویہ

تیموریوں کے بعد ایران میں جس حکومت نے عروج حاصل کیا وہ دولت صفویہ کہلاتی ہے۔اس حکومت کا بانی شاہ اسمعیل ایک بزرگ شیخ اسحاق صفی الدین متوفی 1334ء کی اولاد میں سے تھا۔چنانچہ ان ہی بزرگ کی نسبت سے یہ خاندان صفوی کہلاتا ہے۔شیخ صفی الدین کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے تھے جو شیعی فرقہ اثناء عشری کے ساتویں امام ہیں لیکن اس دعوے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔یہ خاندان دراصل ترکی النسل تھا۔شیخ صفی الدین اور ان کے بیٹے صدر الدین سنی عقائد رکھتے تھے لیکن ان کے پوتے خواجہ علی نے شیعی مذہب اختیار کرلیا۔رسول خدا کے خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے شیخ صفی الدین کے گھرانے کا لوگوں میں بڑا احترام تھا تیمور نے بایزید عثمانی پر فتح پانے کے بعد خواجہ علی (1392ء تا 1427ء) کو آذربائیجان میں شہر اردبیل اور اس کے نواح کا علاقہ دے دیا تھا۔بعد میں خواجہ علی کے پوتے شیخ جنید (1427ء تا 1456ء) اور پڑپوتے شیخ حیدر (1456ء تا 1488ء) نے گوشہ نشینی چھوڑ کر تلوار سنبھالی یہ دونوں شاہ شروان سے جنگ کرتے ہوئے مارے گئے۔

10.1 شاہ اسمعیل:

تیموریوں کے زوال کے بعد سولہویں صدی کے آغاز میں ایران تقریباً دس چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اس میں سب سے طاقتور حکومت آق قویونلو ترکمانوں کی تھی اور تبریز سے دیار بکر تک کا علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔شاہ اسمعیل جس وقت تخت پر بیٹھا ہے تو اس کی عمر اپنے ہم عصر بابر کی طرح صرف سترہ سال تھی لیکن اس نے کم عمری کے باوجود حالات کا مقابلہ غیر معمولی ذہانت اور شجاعت سے کیا۔باکو اور شروان کو فتح کرنے کے بعد شاہ اسمعیل نے 1499ء میں تبریز پر قبضہ کر کے آق قویونلو حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

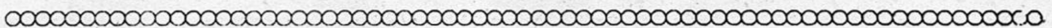
1503ء تک اسمٰعیل نے جنوب میں شیراز اور یزد تک، مشرق میں استر یار تک اور مغرب میں بغداد اور موصل تک اپنی سلطنت کی حدوں کو بڑھا دیا۔ ہرات میں تیموری حکمران حسین بائیقرا کے انتقال کے بعد شیبانی خان ازبک ہرات اور خراسان پر قابض ہوگیا تھا۔ 1510ء میں مرو کے قریب طاہر آباد میں شیبانی خان اور شاہ اسمٰعیل میں سخت جنگ ہوئی جس میں ازبکوں کو شکست ہوئی اور شیبانی خان مارا گیا۔ ازبکوں کی شکست کے بعد خراسان بھی اسمٰعیل کے قبضے میں آ گیا۔ اب وہ ایران، عراق اور شروان کا بلا شرکت غیرے مالک تھا اور اس کی طاقت اپنے نقطۂ عروج تک پہنچ گئی تھی۔

شاہ اسمٰعیل کو اس کی فتوحات نے غرور میں مبتلا کر دیا۔ اس نے ایک عثمانی شہزادہ مراد کو پناہ دی اور سلطان سلیم عثمانی کو تخت سے اتار کر شہزادہ مراد کو اس کی جگہ تخت پر بٹھانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شاہ اسمٰعیل کی اس ناعاقبت اندیشی نے اس کو سلطان سلیم سے ٹکرا دیا۔ ایران اور ترکی کی موجودہ سرحد پر ترکی کی حدود میں واقع ایک مقام چالدران کے پاس 1514ء میں دونوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ ایرانیوں نے بڑی شجاعت سے ترکوں کا مقابلہ کیا۔ ترکوں کی کثرت تعداد، توپ اور آتشیں اسلحہ اور سلطان سلیم کی برتر فوجی مہارت کے سامنے ایرانی بے بس ہوگئے۔ ان کو شکست فاش ہوئی۔ 25 ہزار ایرانی مارے گئے اور شاہ اسمٰعیل زخمی ہو کر فرار ہونے پر مجبور ہوا۔ سلطان سلیم نے آگے بڑھ کر دارالحکومت تبریز پر بھی قبضہ کرلیا۔ سلیم کی واپسی پر تبریز اور آذر بائیجان تو صفوی سلطنت کو واپس مل گئے، لیکن دیار بکر اور مشرقی ایشیائے کوچک کے صوبے ہمیشہ کیلئے صفویوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

اسمٰعیل صفوی سے ایران میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے جسے ایران کا شیعی دور کہا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل ایران کے بعض حصوں پر شیعہ خاندان کبھی کبھی حکمران رہے تھے۔

10.2 طہماسپ (1524ء تا 1576ء):

اسمٰعیل صفوی کا لڑکا طہماسپ جب تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر صرف دس سال تھی اس کا دور بڑا ہنگامہ خیز تھا۔ 1525ء سے 1540ء تک خراسان ازبکوں کے حملوں کا نشانہ بنا رہا اور اس مدت میں شیبانی خان کے لڑکے جنید خان نے چھ حملے کئے جن سے ہرات اور مشہد وغیرہ کو بہت نقصان پہنچا۔ مغرب میں عراق کو ترکوں نے یرانیوں سے چھین لیا اور تبریز اور ہمدان پر ترک کئی برس تک قابض رہے۔ ان تمام حملوں کے باوجود یہ طہماسپ اور ایرانیوں کی صلاحیت کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ انہوں نے ناسازگار حالات کے باوجود باقی ایران میں امن وامان قائم رکھا اور جارجیا یا گرجستان کے عیسائیوں کے خلاف سات مہمیں بھیجیں اور گرجستان پر ایرانی قبضہ برقرار رکھنے میں کامیاب ہوا۔



طہماسپ کے جانشینوں شاہ اسمعیل ثانی اور محمد خدا بندہ کا دور غیر اہم ہے اور ان میں سے کوئی طہماسپ جیسی صلاحیت کا مالک نہیں تھا۔ ان کے زمانے میں خراسان، ازبکوں کے اور مغربی ایرانی عثمانیوں کے حملوں کا نشانہ بنا رہا اور اندرون ملک بھی بدامنی رہی۔

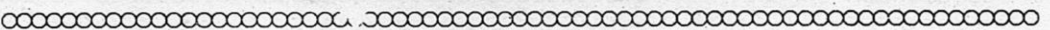
10.3 عباس اعظم (1587ءتا1629ء):

عباس اعظم کا دور خاندان صفویہ کا عہد زرین ہے محمد خدا بندہ کے بعد جب وہ ایران کے تخت پر بیٹھا تو اس عمر صرف سترہ سال تھی۔ ایران کے شمال مغربی حصوں پر عثمانی ترک قابض تھے اور مشرق میں خراسان ازبکوں کے قبضے میں تھا یا ان کی تاخت و تاراج کا ہدف بنا ہوا تھا اندرون ملک بھی بدامنی تھی اور صوبوں کے امراء سرکشی اختیار کئے ہوئے تھے۔ عباس نے اس صورت حال کا بڑے تدبر اور ہوشیاری سے مقابلہ کیا۔ اس نے سب سے پہلے ترکوں سے معاہدہ کرلیا اور آذربائیجان، گرجستان اور لرستان کا ایک حصہ ترکوڈ کے حوالے کردیا۔ شاہ اسمعیل کے زمانے سے ایران میں اصحاب کرام پر تبرا بھیجنے کی جو قبیح رسم چلی آرہی تھی۔ اس کو بھی بند کرادیا اور اس طرح عثمانی ترکوں کو ایک حد تک مطمئن کردیا۔ مغربی سرحد سے مطمئن ہونے کے بعد شاہ عباس نے خراسان کی طرف توجہ کی۔ ازبکوں کا طاقتور حکمران عبد اللہ خان 1598ء میں مرچکا تھا، اس لئے شاہ عباس نے اسی سال آسانی سے ازبکوں کو خراسان سے نکال دیا اور صفوی سلطنت کی حدود ہرات اور مروتک وسیع کردیں۔

10.4 عباس اعظم کے دور میں اہم تہذیبی اقدامات

شاہ عباس کے زمانے میں فنون لطیفہ نے خاص طور پر فن تعمیر اور فن مصوری نے بہت ترقی کی۔ دارالحکومت اصفہان کو بڑی ترقی دی گئی اور شاندار عمارتیں بنائی گئیں۔ شروع میں صفویوں کا دارالحکومت تبریز تھا، لیکن وہ ہمیشہ عثمانی ترکوں کی زد میں رہتا تھا۔ اس لئے عباس اعظم نے ایران کے بیچ میں اصفہان کو دارالسلطنت بنایا۔ اصفہان کی آب و ہوا بڑی صحت بخش ہے۔

عباس اعظم نے اس کو اتنی ترقی دی کہ لوگ اس کو اصفہان نصف جہان کہنے لگے۔ اس زمانہ میں اصفہان کی آبادی پانچ لاکھ کے قریب تھی۔ یہ کوئی زیادہ آبادی نہیں تھی۔ بغداد، قرطبہ اور تبریز کا حال تم پڑھ چکے ہو، وہ سب اصفہان سے زیادہ بڑے شہر تھے۔ اور جس زمانہ میں اصفہان نصف جہان کہلاتا تھا، اس زمانہ میں پاکستان اور بھارت بلکہ یورپ تک میں ایسے



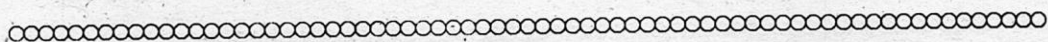
بڑے بڑے شہر بن گئے تھے جو اصفہان کے برابر بلکہ اس سے بھی بڑے تھے۔ ایسی صورت میں اصفہان کو آدھی دنیا کہنا عجیب بات ہے، لیکن پھر بھی ہم یہی کہیں گے کہ ایرانی ٹھیک ہی کہتے تھے۔ اس لئے کہ ایک تو آب وہوا کے لحاظ سے اصفہان بڑی اچھی جگہ ہے اس لحاظ سے دنیا کے کم شہر اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ اصفہان بڑی خوبصورتی سے آباد کیا گیا تھا۔ تیسرے یہ کہ یہاں جیسی شاندار عمارتیں تھیں ابھی نہیں بنی تھیں۔ عباس اعظم نے اصفہان میں جو عمارتیں بنوائی تھیں ان میں جامع مسجد، قصر چہل ستون، زندہ رودندی کے دو پل اور چہار باغ بہت مشہور ہیں۔ یہ عمارتیں آج بھی اصفہان کی سب سے زیادہ پرشکوہ عمارتیں ہیں۔

شاہ عباس اگرچہ ایک کامیاب اور سمجھدار حکمران تھا، لیکن اعظم کا لقب اس کو زیب نہیں دیتا وہ انتہائی ظالم اور شکی مزاج حکمران تھا۔ اس نے محض شک میں اپنے ایک لڑکے کو قتل اور دو کو اندھا کروادیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے دور میں پانچ سو جلا دلوگوں کو قتل کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، وہ بدترین مستبد حکمران تھا۔

عباس اعظم کے بعد صفوی خاندان میں چار حکمران اور ہوئے، عباس کا جانشین شاہ صفی (1629ء تا 1641ء) نہایت ظالم اور سفاک تھا اس کے عہد میں (1634ء) بغداد پر ترکوں نے اور (1638ء) قندھار پر دہلی کے تیموریوں نے قبضہ کرلیا۔ اگرچہ خراسان پر ازبکوں کے حملے اس نے کامیابی سے پسپا کردیئے۔

عباس دوم (1641ء تا 1668ء) کے عہد میں ایران کو پھر خوشحالی نصیب ہوئی۔ رعایا کے ساتھ اس کا سلوک منصفانہ تھا، اس نے 1649ء میں قندھار پھر واپس لے لیا۔ اس کا جانشین سلیمان (1668ء تا 1694ء) اپنے باپ کی پالیسی پر چلتا رہا اور اس کا دور عہد صفوی کا آخری پرامن دور تھا۔

سلیمان کے بعد صفویوں کا زوال شروع ہوگیا۔ آخری حکمران شاہ حسین (1694ء تا 1722ء) نااہل ثابت ہوا۔ شیعہ علماء کے زیر اثر آکر اس نے سنیوں پر مظالم کیے، جس کا نتیجہ افغانوں کی بغاوت کی شکل میں نکلا۔ قندھار کے افغانوں نے دہلی کے مغلوں سے بچنے کیلئے خود کو ایران کی حفاظت میں دے دیا تھا، لیکن جب ایرانیوں نے ان پر سختی کی تو انہوں نے اپنے ایک سردار امیر ادریس کی قیادت میں آزادی کا اعلان کردیا۔ 1715ء میں ادریس کے انتقال کے بعد اس کے جانشین امیر محمود نے ایران پر حملہ کردیا اور 1722ء میں اصفہان پر قبضہ کرکے صفوی سلطنت کا خاتمہ کردیا۔



11۔ افشار دور

11.1 نادر شاہ افشار (1736ء تا 1747ء):

نادر شاہ کا والد امام قلی گڈریا تھا چونکہ وہ ایک کمزور قبیلے قریقلو کا ایک معمولی فرد تھا۔ اس لئے اپنی بقا اور تحفظ کی خاطر اس نے ایک طاقت ور قبیلے افشار سے تعلق پیدا کر لیا۔ اپنی عمر کے ابتدائی سالوں میں نادر قلی اپنی بھیڑوں کا ریوڑ چرایا کرتا تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اسے اور اس کی والدہ کو ازبک حملہ آوروں نے گرفتار کر کے غلام اور لونڈی بنا لیا۔ بحالت اسیری اس کی والدہ کا چوتھے سال انتقال ہو گیا مگر نادر قلی نے خراسان کی طرف راہ فرار اختیار کر کے ابیورد کے گورنر بابا علی بیگ احمد اللہ افشار کی ملازمت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ بعد نادر قلی ملک محمود کیانی کا ملازم ہو گیا۔ اپنی ذکاوت اور قابلیت سے اس نے محمود کو اتنا متاثر کیا کہ مؤخر الذکر نے اپنی لڑکی کی شادی نادر سے کر دی جس سے رضا قلی پیدا ہوا۔

بابا علی بیگ کی وفات کے بعد نادر ابیورد کا گورنر مقرر رہا، محمود کی فوجوں کے سپہ سالار ہونے کی حیثیت سے نادر نے کئی مرتبہ ازبکوں کو شکستیں دیں۔ نادر کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف ہو کر محمود نے نادر کو اپنی ملازمت سے برطرف کر دیا۔ نادر نے آزاد ہو کر ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے۔ اس کی جوانمردی سے متاثر ہو کر بہت سے منچلے اور بہادر افراد اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس طرح نادر نے ایک باقاعدہ فوج منظم کر لی اور قلات و نیشاپور کے مقامات کو فتح کر لیا۔ نیشاپور کی تسخیر کے بعد نادر قلی نے طہماسپ کی بادشاہی کا اعلان کروا دیا۔ طہماسپ کے سرپرست کی حیثیت سے نادر قلی نے مشہد کو فتح کر کے ملک محمود کو قتل کروا دیا۔ طہماسپ نے نادر کی فوجی خدمت سے خوش ہو کر اسے نہ صرف سلطان کا خطاب دیا بلکہ خراسان، کرمان، ماژندان اور سیستان کے علاقے بھی اس کے تصرف میں دے دیئے۔ نادر قلی نے اپنے نام کے سکے اپنے علاقوں میں رائج کر دیئے۔

شاہ عباس دوم کی اچانک موت کے بعد اراکین سلطنت نے ''نوروز'' کے موقع پر تخت ایران نادر کو پیش کیا۔ نادر ایک ماہ تک روزانہ تخت ایران کو قبول کرنے سے انکار کرتا رہا۔ لیکن بعد ازاں وہ اس شرط پر ایران کے تخت کو قبول کرنے پر رضا مند ہوا کہ ایران میں شیعہ لوگ امام جعفر صادق کو فقہی امام تسلیم کریں اور سلطنت کا سرکاری مذہب شیعہ مذہب کی بجائے سنی مذہب کو تسلیم کیا جائے۔ اس کے بعد نادر شاہ کی رسم تاجپوشی بڑے دھوم دھام سے منائی گئی۔

11.2 باغی قبائل کی سرکوبی:

رسم تاج پوشی کے بعد نادر شاہ نے بختاریوں اور دیگر باغی قبائل کے خلاف فوج کشی کی۔ بعض بختاری قبائل نے بخوشی اطاعت قبول کر لی۔ باغی قبائل کی سرکوبی کے بعد ان کے تین ہزار کنبوں کو خراسان میں آباد کیا۔ ان کے کافی نوجوانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنے کے بعد علاوہ بعض قبیلوں کو زرخیز زمینیں دیں۔ ان مدبرانہ تدابیر کے باعث قبائلیوں سے بغاوت کا خطرہ ہمیشہ کیلئے دور ہو گیا۔

11.3 افغانستان سے جنگ (1737ء تا 1738ء):

جب 1737ء میں نادر شاہ نے قندھار پر فوج کشی کی تو حسین نے قلع بند ہو کر مقابلے کی ٹھانی، پورے ایک سال کی جدوجہد کے بعد قندھار فتح ہوا حسین گرفتار ہو کر قیدی کی حیثیت سے ماژندان میں رکھا گیا۔ تحمل و بردباری سے کام لیتے ہوئے نادر شاہ نے قندھار کے باشندوں کو معاف کر دیا اور افغانوں کو فوج میں بھرتی کیا جو بعد ازاں اس کے بڑے جان نثار سپاہی ثابت ہوئے۔

11.4 رضا قلی مرزا کی مہم:

چونکہ حاکم بلخ نے حسین والی قندھار سے ساز باز کی تھی۔ اس لئے اس جرم کی پاداش میں نادر شاہ کے لڑکے رضا قلی نے اس کے خلاف فوج کشی کی۔ تین شبانہ روز کی فوجی جدوجہد کے بعد بلخ کو رضا قلی مرزا نے فتح کر لیا اور اس کے بعد ازبکوں کی چالیس ہزار فوج کو شکست دی، لیکن نادر شاہ نے اپنے بیٹے کو مزید جنگی کارروائیوں کو جاری رکھنے سے روک دیا اور اسے واپس بلا لیا۔

11.5 برصغیر پر حملہ:

فتح قندہار کے بعد نادر شاہ نے اپنا ایلچی محمد خان کو ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے بادشاہ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ قندھار سے بھاگے ہوئے افغانوں کو کابل یا برصغیر میں پناہ نہ دی جائے مگر دربار دہلی میں گروہ بندیوں کے باعث

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

انتشار پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے ایک سال کے بعد دربار دہلی سے محمد خان ایلچی کو کسی قسم کا جواب دیئے بغیر واپس رخصت کر دیا۔

نادر شاہ نے سارے افغانستان کو فتح کرنے کے بعد ہندوستان کا رخ کیا۔ پنجاب کے حاکم زکریا خان نے دربار دہلی سے امداد مانگی مگر وہاں کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نادر شاہ با آسانی پشاور اور لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد دہلی کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا کرنال تک پہنچ گیا۔ اسی مقام پر مغل فوجوں اور نادر شاہ کی فوجوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ جس میں مغل فوج کو کامل شکست ہوئی محمد شاہ رنگیلے نے مزید مقابلہ بے سود سمجھ کر صلح کر لی۔ بوقت ملاقات نادر شاہ نے محمد شاہ کو مطلع کیا کہ اس نے ساری مہم کے دوران کپڑے نہیں بدلے اور بطور ثبوت جب اس نے اپنی شاہی قبا کو ہٹایا تو نیچے چیتھڑے تھے۔

11.6 نادر شاہ کا قتل (1747ء):

نادر کی سخت گیرانہ پالیسی کے باعث اس کے امراء تنگ آ گئے، سب سے پہلے اس کے بھتیجے علی قلی خان نے سیستانیوں کی مدد سے اس کے خلاف علم بغاوت کی۔ اس کے بعد کردوں نے بھی علم بغاوت بلند کیا۔ ان بغاوتوں کو دبانے کیلئے نادر شاہ بذات خود روانہ ہوا۔ راستے میں ہی ایک رات محمد صالح اور محمد علی قلی خان افشاریوں نے اس کے خیموں میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیا۔

نادر شاہ ایک پیدائشی قائد تھا غیر معمولی قیادت کی صلاحیتیں اس کی فطرت میں قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی تھیں۔ اس کا قد چھ فٹ اور چہرے کی رنگ سیاہی مائل تھی اس کی آواز میں بادل کی کڑک اور آنکھوں میں خوف ناک چمک ہویدا تھا۔ شروع شروع میں وہ سخی تھا مگر دہلی فتح کے بعد وہ از حد کنجوس ہو گیا۔ دیگر عالمگیر فاتحوں کی طرح وہ ایک خونخوار اور ظالم انسان تھا۔ اس کے فوجی قابلیت کے دوست و دشمن قائل تھے۔ عظیم الشان فتوحات کی بدولت ایران کی شہرت کو اس نے چار چاند لگا دیئے اور صفوی حکمرانوں کے مقابلے میں اس نے ایران کی سلطنت کو وسیع تر کر دیا۔ نادر شاہ پہلا ایرانی حکمران تھا جس نے بحری طاقت کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے بحری جہازوں کے بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ 1743ء میں ایلٹن کو جمال بیگ کا خطاب عنایت کر کے سمندری جہازوں کی تیاری اس کے سپرد کی۔ چنانچہ ایلٹن نے ہندوستانی اور روسی کاریگروں کی مدد سے کئی جہاز تیار کرائے اور ان میں موٹے کپڑے کی بادبان ایران ہی میں تیار کرا کے لگائے گئے مگر نادر شاہ اور ایلٹن کی موت کے باعث ایران کے بحری بیڑے کی تیاری کا منصوبہ دھرا رہ گیا۔ اپنے ہونہار بیٹے کو اندھا کرانے کے بعد نادر شاہ کے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہو گیا تھا اس نے امرا کو ظلم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا اور رعایا پر بھی سختی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ فتح دہلی کی خوشی کے سلسلے میں اس نے تین سال کا لگان معاف کر دیا تھا مگر

بعدازاں اس نے اسی لگان کو دوبارہ وصول کرنے کا حکم دیا ان باتوں کی وجہ سے وہ بہت بدنام ہوگیا۔ اگر نادر شاہ فتح دہلی یا خیوا کی مہم کے بعد مر جاتا تو آج اسے ایران کے قومی ہیرو کی حیثیت سے یاد کیا جاتا۔ نادر شاہ کے بعد اس خاندان کے دو حکمران عادل شاہ اور شاہ رخ حکمران ہوئے اور 1750ء میں اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

12۔ ژندیہ خاندان کی حکومت

کریم خان ژند کے والد کے نام ایماق ژند تھا جس کا تعلق قبیلہ ''لک'' کی شاخ ژند سے تھا، وہ شروع شروع میں نادر شاہ کی فوج میں ایک بلند مرتبہ فوجی افسر بن گیا، نادر شاہ کی حکومت ختم ہونے کے بعد اس نے حکومت پر قبضہ کر کے ژند خاندان کی بنیاد ڈالی۔ بعدازاں امور سلطنت میں وہ ایک منصف مزاج اور سنجیدہ حکمران ثابت ہوا، انصاف اور رحم دلی کے اوصاف کی بدولت اس نے رعایا کے دل موہ لئے اس نے اپنی دانشمندانہ حکمت عملی کی بدولت ایران کو ایک مرتبہ پھر مضبوط اور طاقت ور حکومت بنا دیا۔

کریم خان کی وفات کے بعد اس خاندان کے مزید پانچ حکمرانوں نے ایران پر حکومت کی جن کے نام ذکی خان، علی مراد، شیخ اویس جعفر اور لطف علی خان تھے، آخر یہ خاندان بھی اپنی اندرونی کمزوری اور تخت نشینی کی لڑائیوں کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔

13 قاچار خاندان (1794ء تا 1925ء)

نسل کے لحاظ سے قاچاری قبیلہ کے لوگ ترکی تھے اور دو شاخوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک شاخ کو مرو کا علاقہ اور دوسری شاخ کو جارجیا کا علاقہ دیا۔ ان میں سے ایک شاخ کو یا خیاری باش اور دوسری شاخ کو اشاغا باش یعنی ادنی و اعلیٰ کہتے تھے ان کو رہائش کیلئے گرگان کا علاقہ تفویض کیا۔

اسی قبیلہ کا تعلق قزلباشیوں سے تھا جنہوں نے صفویوں کو ایران کی حکومت حاصل کرنے میں امداد دی تھی۔ فتح علی خان شاہ طہماسپ کا سپہ سالار بننے تک اعلیٰ شاخ کا سردار تسلیم کیا جاتا تھا گو اسے دونوں شاخ ں کی مشترکہ سربراہی بھی حاصل تھی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

نادر شاہ کے عہد میں یہ قبیلہ کچھ کمزور رہا۔ نادر شاہ کے حکم سے جب فتح علی خان قتل ہوا تو اس کے لڑکے محمد حسین خان نے راہ فرار اختیار کی اور ترکمانوں کی مدد سے استر آباد کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ نادر شاہ کی وفات کے بعد اس نے احمد شاہ کو شکست دے کر بحیرہ خزر کے صوبوں پر اپنا تسلط جمالیا۔ رفتہ رفتہ یہ قبیلہ ماژندان اور جنوبی ایران کے علاقوں پر چھا گیا آخر محمد حسین خان کے لڑکے محمد خان نے ژندیہ خاندان کے آخری بادشاہ لطف علی خان کو شکست دے کر 1794ء میں ایک آزاد اور خود مختار حکومت قائم کر کے قاچار خاندان کی بنیاد ڈالی۔

13.1 آغا محمد خان قاچار (1794ء تا 1797ء):

قاچار خاندان کا پہلا فرمانروا ایک بدصورت، کریہہ المنظر اور دبلا پتلا انسان تھا۔ وہ ایک سفاک، جفا جو اور کینہ پرور شخص تھا روپیہ جمع کرنے کا اسے بہت حرص تھا روپیہ بٹورنے کی خاطر بسا اوقات وہ مجرموں کو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں منہ مانگی قیمت پر بیچ ڈالتا تھا۔ ان باتوں کے باوجود وہ ایک کامیاب حکمران ثابت ہوا۔ اس کے عہد میں ایران میں انتہائی امن و امان قائم رہا۔ اپنے انتظام سلطنت کو مستحکم کرنے کی خاطر اس نے اپنے تمام دشمن قاچار سرداروں کو معاف کردیا اور اپنی فوج کے سرداروں کو بھی خوش رکھا۔ ظالم اور کینہ پرور ہونے کے باوجود وہ بوقت ضرورت عفوو درگزر اور رحمدلی سے کام لیتا تھا اور اسی میں اس کی کامیابی کا راز تھا۔

13.2 فتح علی شاہ قاچار (1797ء تا 1835ء):

چچا کی وفات کے وقت فتح علی شاہ فارس کا گورنر تھا جسے اسے چچا کی وفات کا علم ہوا تو اس نے تہران پہنچ کر حاجی ابراہیم کی کوششوں کی بدولت اپنے سر پر تاج رکھا اور تخت نشین ہوا۔ جسمانی لحاظ سے فتح علی شاہ بہت خوبصورت انسان تھا اور اسے ہمیشہ قیمتی لباس پہننے کا شوق دامن گیر تھا۔ وہ ایک اچھا سپاہی نہ تھا اور نہ ہی اسے فوجی مشاغل سے دلچسپی تھی۔ اہل ایران کو اس کی بے شمار بیویوں اور کثرت اولاد کی وجہ سے یاد کرتے ہیں۔

13.3 ناصر الدین شاہ قاچار (1848ء تا 1896ء):

محمد شاہ قاچار کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ناصر الدین قاچار تخت نشین ہوا۔ نیا ایرانی فرمانروا ترقی پسند اور روشن خیال

تھا۔اس نے ملک کوترقی دینے کی سرتوڑ کوشش کی اس سلسلے میں اس نے انگلستان کی تین مرتبہ سیاحت کی اور انگلستان کی بہت سے ایجادات وعمدہ باتوں کوایران میں رائج کیا اسی فرمانروا کے عہد میں ایران میں پہلی مرتبہ صحیح معنوں میں اصلاحات نافذ ہوئیں جن کی بدولت ایران جدید دنیا کے ساتھ کھڑا ہونے کے قابل ہوگیا۔ غالباًان باتوں کی وجہ سے ناصر الدین کا شمار عظیم الشان قاچاری فرمانرواؤں میں ہوتا ہے۔

13.4 مظفرالدین شاہ قاچار(1896ءتا1907ء):

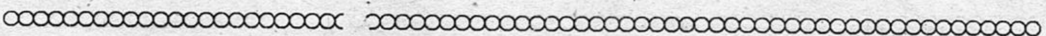
ناصرالدین شاہ کے قتل کے بعد اس کا بیٹا تبریز سے تہران پہنچ کر تخت نشین ہوا۔ یہ ایرانی فرمانروا نرم دل اور عوام کی نفسیات کو سمجھنے میں ماہر تھا۔مگر طبعاً کمزور اور نااہل ہونے کے باعث یہ خودغرض اور کوتاہ اندیش درباری امراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہتا تھا۔اس نے خرابی صحت کی بناء پر اپنا علاج کروانے کی غرض سے تین مرتبہ یورپ کا سفر اختیار کیا اور کئی ضروری وغیر ضروری اخراجات کو پورا کرنے کے سلسلے میں اس نے بیرونی حکومتوں سے سودی قرضے لے کر سلطنت کا دیوالیہ نکال دیا۔تاہم اس نے اپنے عہد میں ایک خاص فرمان کے ذریعے ملک میں آئینی حکومت قائم کرکے اہل ایران پر بہت بڑا احسان کیا۔

13.5 احمد شاہ قاچار(1909ءتا1925ء):

احمد شاہ اپنے والد کی مانند ایک عیاش حکمران ثابت ہوا۔ وہ اکثر یورپی ممالک کے دورے پر رہتا تھا۔ملکی خزانہ کی رقوم اس کی عیش وعشرت کی نذر ہوتی تھیں۔طبعاً کمزور اور نااہل تھا۔اس لئے اس کے عہد میں روسیوں اور انگریزوں کا اثرو رسوخ بہت بڑھ گیا، اسی طرح سارے ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ چونکہ تخت نشینی کے وقت احمد شاہ نابالغ تھا اس لئے ایک جہاندیدہ قاچار سردار ناصرالملک کو شاہ ایران کا سرپرست بنادیا گیا۔

13.6 احمد شاہ کے عہد حکومت پر تنقیدی تبصرہ:

احمد شاہ کے عہد میں ملکی وسائل کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ انگریزیوں اور روسیوں نے اپنے مفاد کی خاطر پلوں کا جال بچھایا، 1916ءتک بڑے بڑے شہروں مثلاً جلفاء، تبریز، قزوین وغیرہ کو بذریعہ ریل ملادیا گیا۔تاربرقی کے سلسلہ کی توسیع ہوئی۔ نئی نئی سڑکیں بنائی گئیں۔ملکی وسائل کو ترقی ہوئی۔ ایران کے لوگ خواب غفلت سے بیدار ہوئے



اور دستوری حکومت نے اہل ایران کی نظروں میں بہت اہمیت حاصل کر لی۔ اینگوایرانین آئل کمپنی کی بنیاد پڑی جس کی کارکردگی کے باعث ایران کے سیاسی وقار کو بہت دھکا لگا۔ حکومت غیر ملکی سیاستدانوں کے اشاروں پر ناچتی تھی۔ لٹیروں اور ڈاکوؤں کے باعث ایران میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی ملک کو ایسے فولادی آدمی کی ضرورت تھی جو اس کے گرے ہوئے وقار کو سہارا دے کر اس کی کایا پلٹ دے بالآخر رضا خان نے اس قومی ضرورت کو بدرجہ اتم پورا کر کے اہل ایران کو اطمینان کا سانس لینے کا موقع دیا۔

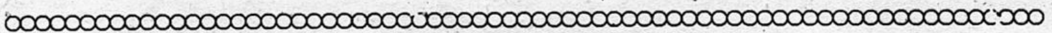
14۔ خاندان پہلوی کی حکومت

14.1 رضا شاہ کبیر (1925ء تا 1941ء):

رضا خان نسل کے لحاظ سے خالص ایرانی تھے وہ 1878ء میں پیدا ہوئے ابھی ان کی عمر چالیس روز تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس لئے آپ کی والدہ نے آپ کی پرورش کی جب آپ کی عمر چودہ سال ہوئی تو آپ نے دیگر مشاغل پر آبائی پیشہ کو ترجیح دیتے ہوئے فوجی ملازمت اختیار کر لی اور کاسک بریگیڈ میں بھرتی ہو گئے۔ غیر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود آپ بہت جلد اپنی قابلیت اور اہلیت کی بنا پر ترقی کرتے ہوئے سالاری کے عہدے تک پہنچ گئے۔ 1920ء میں کاسک بریگیڈ کے تمام روسی افسروں کو موقوف کر کے آپ خود بریگیڈ کے افسر اعلیٰ ہو گئے۔ 1921ء میں آپ وزیر جنگ اور ایرانی فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ دو سال بعد آپ وزیر اعظم بن گئے۔ 1925ء میں مجلس ایران نے احمد شاہ قاچار کو معزول کر دیا اور رضا خان ملک کے فرمانروا تسلیم کر لئے گئے۔

14.2 رضا شاہ کبیر کی معزولی:

ایران کا پسماندہ ملک ترقی کے ابتدائی مراحل طے کر رہا تھا کہ 1939ء میں دوسری عالمگیر جنگ یورپ میں چھڑ گئی۔ ایران نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔ 1941ء میں جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا۔ روس اور انگلستان نے مل کر ایران سے مطالبہ کیا کہ اتحادیوں کو روس سے براستہ ایران تعلقات قائم کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ جنگی سامان آسانی



سے روس کو بھیج سکیں۔ جب شاہ ایران نے اتحادیوں کے مطالبات کو نامنظور کر دیا۔ تو 26 اگست 1941ء کو روسی فوجوں نے شمال مغرب سے اور انگریزی فوجوں نے جنوب کی طرف سے ایران پر یلغار کی۔ تین دن تک معمولی مقابلہ کرنے کے بعد ایران نے ہتھیار ڈال دیئے اور سارے ایران پر اتحادیوں کا عملاً قبضہ ہو گیا۔

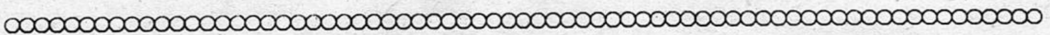
رضا شاہ مایوس ہو کر اپنے بیٹے محمد رضا شاہ پہلوی کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ انگریزوں نے انہیں اپنے کنبے کے تمام افراد سمیت اولاً جزیرہ ماریشس میں اور بعد ازاں جوہنبرگ میں نظر بند کر دیا۔ ...اں 1944ء میں وہ معمولی جلاوطن مسافر کی حیثیت سے وفات پا گئے۔

رضا شاہ طبیعت کے سادہ مگر صفائی پسند تھے وہ اکثر فوجی وردی میں نظر آتے تھے۔ اس طرح ان کی غذا سادہ اور زود ہضم چیزوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ سرکاری اور غیر سرکاری کاموں میں وہ وقت کی پابندی کا خیال رکھتے تھے۔ مذہبی معاملات میں وہ ایک روشن خیال مسلمان تھے وہ اس مذہبی رہنماؤں کے خلاف تھے جو اپنے مذہبی تعصب کے رنگ میں ملک کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکاتے تھے دیندار اور روشن خیال علماء کا بہت خیال کرتے تھے انہیں وطن سے اتنی محبت تھی کہ وہ ہر وقت تعمیر وطن کے منصوبوں کے متعلق سوچتے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا مقولہ تھا کہ رات کو ...تر پر دراز ہوتے وقت بھی ان کا ذہن وطن کے ترقیاتی منصوبوں میں غرق ہوتا تھا۔

14.3 محمد رضا شاہ پہلوی:

محمد رضا شاہ پہلوی 26 اکتوبر 1919ء کو تہران میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں انہیں تہران ملٹری سکول میں داخل کیا گیا۔ جہاں انہوں نے ایک ہونہار طالب علم کی حیثیت سے چھ سال کی مدت میں تاریخ، فارسی ادب، جغرافیہ اور فرانسیسی زبان میں دسترس حاصل کر لی۔

اعلیٰ تعلیم کیلئے انہیں اپنے اتالیق نفیسی کے زیرنگرانی 1931ء میں سوئٹزرلینڈ بھیجا گیا۔ وہاں آپ نے اپنی بے پناہ جسمانی صلاحیتوں کا ثبوت دیتے ہوئے مختلف ورزشی کھیلوں میں زبردست مظاہرہ کیا۔ ٹینس اور فٹ بال ٹیموں کے آپ کپتان منتخب ہوئے۔ دیگر کھیلوں مثلاً سو میٹر کی دوڑ، لانگ جمپ وغیرہ میں ریکارڈ قائم کئے۔ سوئٹزرلینڈ سے واپسی پر 1936 میں ملٹری سکول میں داخلہ ملا۔ دو سال کے بعد وہ فوج میں سیکنڈ لیفٹیننٹ مقرر ہوئے۔



1941ء میں اپنے والد کی معزولی کے بعد آپ اکیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھے۔ آپ کی رہنمائی میں حکومت ایران نے جرمنی، جاپان اور اٹلی سے اپنے تعلقات منقطع کر لئے۔ 9 ستمبر 1943ء کو ایران نے جرمنی کیخلاف اعلان جنگ کر دیا۔ جنگ کے خاتمے کے چھ ماہ بعد روس اور برطانیہ نے ایران سے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔

14.4 آذر بائیجان اور کردستان میں بغاوتیں:

1946ء میں آذر بائیجان اور کردستان میں حکومت ایران کے خلاف بغاتیں برپا ہوئیں مگر حکومت ایران نہیں انہیں سختی سے فرو کیا۔

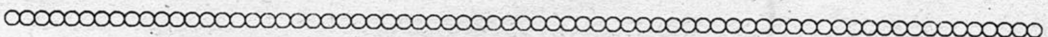
اگلے بیس برس کے عرصہ میں ایران نے مختلف شعبوں میں خوب ترقی کی۔ مثلاً شکر سازی کے متعدد کارخانے قائم کئے گئے۔ تیل کی صنعت کو فروغ حاصل ہوا۔ جدید زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں۔ نئی ریل کی لائنیں بچھائی گئیں۔ ایک ٹیلیویژن اسٹیشن قائم کیا گیا اور تہران میں ایک ہوائی اڈہ قائم کیا گیا۔ ملک کا دستور بیلجئین دستور کی طرز پر ترتیب دیا گیا۔ اس دستور کے مطابق پارلیمان دو ایوانوں پر مشتمل ہے۔ ایوان زیریں یا قومی اسمبلی کے دوسو اراکین ہیں۔ ان میں اقلیتوں مثلاً یہودیوں، ارمینیوں اور زرتشتیوں کے نمائندے شامل ہیں۔ ایوان بالا یا سینٹ کے آٹھ ممبر ہیں جس میں ممبروں کی نصف تعداد کو شاہ ایران نامزد کرتا ہے اور بقیہ ممبر منتخب ہوتے ہیں۔

15۔ پہلوی خاندان کا خاتمہ اور ایران کا مذہبی انقلاب

شاہ کی زیادہ تر مخالفت تین طبقوں کی طرف سے تھی۔ اولین مخالف طبقہ مذہبی لوگوں کا تھا، جو شاہ کی لادینی حکمت عملی، عورتوں کی مغرب زدگی اور ان کو حق رائے دہی دینے اور ہر سطح پر مذہبی طبقہ سے لاتعلقی کی وجہ سے اس کیخلاف تھا۔

شاہ کی مخالفت کا دوسرا ذریعہ طالب علموں کا طبقہ تھا، یہ لوگ ایک طرف سے تعلیمی معیار سے شاکی تھے تو دوسری طرف اس بات سے ناخوش تھے کہ ان کی مخبری کیلئے ان کے درمیان طالب علموں کے بھیس میں ساواک کے کارکن گھسا دیئے گئے تھے۔

تیسرا طبقہ وہ تھا جو کسی نہ کسی طرح سے ساواک کے ہاتھوں ستم رسیدہ تھا، اس میں جنوبی تہران کے چھوٹے چھوٹے



کاروباری لوگ مقابلتاً زیادہ مذہبی ہونے کی وجہ سے نمایاں تھے اور جن کا معیار زندگی شمالی تہران میں رہنے والے متمول ایرانیوں سے کہیں نیچا تھا۔ آیت اللہ خمینی ان لوگوں میں کافی مقبول تھے۔ 1963 میں مذہبی فسادات اسی علاقے میں شروع ہوئے تھے جس کی بنا پر آیت اللہ خمینی کو ملک بدر کیا گیا تھا۔

1977ء کے اواخر تک شاہ کی مزاحمت دبی دبی تھی، فدائین اور مجاہدین کے ہاتھوں دہشت گردی اور تخریب کاری کے صرف اکا دکا واقعات ہوتے رہتے تھے اور تہران یونیورسٹی کے اردگرد مظاہرین اور انتظامیہ کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپیں بھی ہوتی تھیں۔

1978ء کے شروع میں انتظامیہ نے سوچا کہ آزاد خیالی کی پالیسی کو زیادہ تقویت دی جائے اور حکومت مخالف قوتوں کا حوصلہ پست کرنے کیلئے شاہ کے حق میں ایک بڑا مظاہرہ کروایا دیا جائے۔ چنانچہ ایران کے شہر قم میں جو شیعہ علماء کی طاقت کا مرکز تھا، ایک بہت بڑی ریلی کا اہتمام کیا گیا جہاں شاہ کے حق میں علماء کے خلاف نعرے بازی کی گئی۔

سیاسی حلقوں کے مطابق اس ریلی کا انعقاد حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی کیونکہ اس کے بعد ایران کے مختلف شہروں میں شاہ کے خلاف مظاہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ اب فدائین اور مجاہدین کے ساتھ ساتھ مذہبی لوگوں کے ذریعے تربیت یافتہ لوگ بھی کھل کر میدان میں آنے لگے۔ اور ملک میں بڑے پیمانے پر تخریب کاری شروع ہوگئی، کہا جاتا ہے کہ شاہ کے خلاف انقلاب کے سلسلہ میں بنیادی کام فدائین اور مجاہدین نے کیا تھا۔ جونہی 1978ء کے وسط میں انقلاب مخالف قوتیں زور پکڑنے لگیں۔ مذہبی حلقے اور فدائین اور مجاہدین اکٹھے ہوگئے اور ان سب نے یکجا ہو کر آیت اللہ خمینی کو اپنا علامتی رہبر قبول کرلیا۔

پہلی فروری 1979 کو آیت اللہ خمینی کی تہران واپسی پر تقریباً سارا تہران اس کے خیر مقدم کیلئے اُمڈ آیا تھا لیکن شہر میں کہیں کہیں پولیس اور فوجیوں کے ساتھ لوگوں کی کشمکش جاری تھی۔ چند ہی دنوں میں مسلح دستوں نے یکے بعد دیگرے نئے رہنما کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا شروع کردیا۔ شاہ کے کمانڈوز کا ایک دستہ ایسا تھا جس کو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا مگر اس نے بھی آخر کار ہتھیار ڈال دیئے اس طرح لوگوں کی ہتھیار بندی اور انقلابی جذبے کو مسلح افواج کی قوم اور شاہ کے درمیان وفاداری میں پڑنے والی دراڑ سے مدد ملی، آخر کار 11 فروری 1979ء کو فتحیاب ہوا اور ایران کی دو ہزار پانچ سو سالہ شہنشاہیت نے دم توڑ دیا۔ کہا گیا کہ کسی ملک کی فوج (جو دنیا کے بہترین اسلحے سے لیس ہو) کا یہ سریع ترین سقوط تھا۔ اندازہ لگایا گیا کہ پچھلے 15 مہینے کی خوفناک خونی کشمکش میں تقریباً دس ہزار لوگ مارے گئے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

15.1 جدید ایران

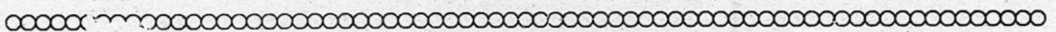
آیت اللہ خمینی کے اقتدار سنبھالنے کے تین دن کے اندر ہی شاہ کے چوٹی کے جرنیلوں، وزیروں، سفیروں اور ساواک کے عہدیداروں کو گولی مار دینے کا کام شروع کر دیا گیا۔ انقلابی عدالتیں مذہبی لیڈروں پر مشتمل تھیں اور جن کے نام صیغہ راز میں رکھے جا رہے تھے ایک ہی نشست میں قتل کے فیصلے کرتیں جن پر فوراً عملدرآمد ہو جاتا تھا۔

انقلاب کے فوری بعد مذہبی رہنماؤں کی ایک ٹیم آیت اللہ خمینی کی سربراہی میں ایران کا آئین بنانے میں مصروف ہوگئی۔ کردستان، بلوچستان، خوزستان اور دوسرے سنی علاقوں کے لوگوں کا مطالبہ تھا کہ چونکہ انقلاب اسلام کے نام پر لایا گیا ہے اس لئے آئین کی بنیاد بھی اسلام ہی ہونی چاہیے۔ خود آیت اللہ خمینی بھی سنی لیڈروں کے ساتھ اپنی ملاقاتوں میں ان کو یقین دلاتے رہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ پھر یکایک پتہ چلا کہ ایران کے آئین کی بنیاد اثنا عشری شیعیت پر رکھ دی گئی ہے۔

انقلاب کے 3 دن بعد ہی شاہ کے جرنیلوں، وزیروں، مشیروں، سفیروں اعلیٰ افسروں اور ساواک کے کارکنوں کو ختم کرنے کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا گیا، انقلابی عدالتوں سے سزائے موت کے حکم کے فوری بعد ان کو گولی مار دی جاتی تھی اور ان کی جائیدادوں کو ضبط کر لیا جاتا، حکومت کے ایک بیان میں کہا گیا کہ ان لوگوں کا قتل ایک مثبت اور تعمیری کارنامہ ہے اور یہ انقلاب کی رگوں میں ایک نیا اور تازہ خون انڈیل دیگا۔ مئی 1979ء کے آخر تک 300 سے زیادہ لوگوں کو گولی ماری جا چکی تھی۔ انقلابی حکومت کے پہلے وزیراعظم مہدی بازرگان نے 26/02/1979ء کو کہا کہ ان تمام لوگوں کے قتل میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔

ایرانی انقلاب کے بعد وہاں کا سیاسی نظام شیعہ نظریہ ولایت فقیہ کے تحت وضع کیا گیا، انقلاب کے روحانی راہنما آیت اللہ خمینی قرار پائے۔ جبکہ صدر اور وزیراعظم کو انتخابات کے ذریعے منتخاب لیا گیا۔ انقلاب کے بعد پہلے منتخب ایرانی صدر ابوالحسن بنی صدر (81-1980) تھے۔ اور ان کے بعد محمد علی رجسائی نے فقط 14 دنوں کیلئے صدارت کی ان کے بعد سید علی حسینی خامنہ ای تیسرے صدر تھے، جو (1981 تا 1989) تک صدر رہے۔ آج کل ایران کے روحانی رہنما ہیں، ان کے بعد اکبر ہاشمی رفسنجانی (1989ء تا 1997ء) ایران کے چوتھے صدر رہے اور ان کے بعد سید محمد خاتمی (1997ء تا 2005ء) ایران کے پانچویں صدر رہے، آج کل محمود احمدی نژاد ایران کے چھٹے صدر ہیں۔

ایران میں انقلاب کے بعد معاشرتی، سیاسی اور معاشی و سائنسی انقلاب آیا ہے اور ہر شعبہ زندگی نے اس انقلاب سے اثر لیا ہے۔



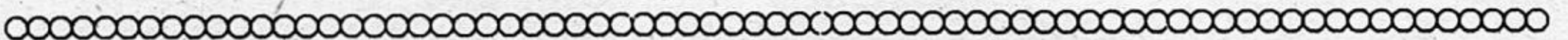
خود آزمائی:

1۔ ایران میں مختلف خاندانوں کے اقتدار کا مختصر جائزہ لیجئے۔

2۔ سلجوقی حکمرانوں کی نمایاں خدمات بیان کریں۔

3۔ خلافت اسلامیہ کے خلاف منگولوں کے اقدامات کا جائزہ لیجئے۔

4۔ انقلاب ایران کے اسباب بیان کیجئے۔



یونٹ نمبر 9

بیسویں صدی کا آخری نصف اور اکیسویں صدی کا عالم اسلام

تالیف

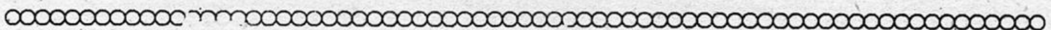
پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

نظر ثانی

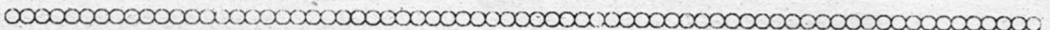
ڈاکٹر محمد سجاد

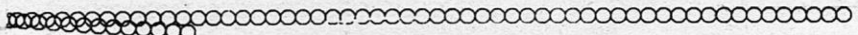


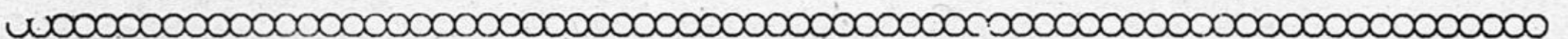
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد



فہرست عنوانات









یونٹ کا تعارف:

انیسویں صدی کے آخری نصف میں برصغیر میں مسلم حکومت زوال کا شکار ہوئی، جبکہ اس صدی میں مغربی طاقتوں نے ترکی کی عثمانی خلافت کے بعض حصوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا، مسلمان حکومتیں اپنے اندرونی خلفشار، عدم استحکام کے ساتھ ساتھ جدید بین الاقوامی صورتحال سے کما حقہ واقف نہ ہوسکیں۔ یورپ نے جس صنعتی انقلاب کا آغاز کیا تھا اور ان کے ہاتھ نت نئی ایجادات وانکشافات نے ان کے فکر ونظر کو تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔ جبکہ مشرق میں ابھی تک فرقہ وارانہ اختلافات اور مسلکی رجحانات غالب تھے۔ اور مسلمان اہل فکر ونظر نے جدید نظریات وعلوم سے ناواقف رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یورپی اقوام نے مسلمانوں پر جدید سائنسی مہارتوں اور ٹیکنالوجی سے لیس ہو کر حملہ کیا تو اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ آخر کار پورا عالم اسلام مغربی طاقتوں کا غلام بن گیا۔ بیسوی صدی آخری نصف میں عالم اسلام کے اندر بیداری اور آزادی کی تحریکات کا آغاز ہوا۔ مختلف اسلامی ممالک وجود میں آئے جو جدید قومی رجحانات کے تحت قائم ہوئے۔ اس وقت پچاس سے زیادہ مسلم ممالک ہیں اور بعض غیر مسلم ممالک میں ایک غالب اکثریت مسلم اقلیت ی بھی ہے۔ جدید دنیائے اسلام کا مطالعہ تاریخ اسلام کے طالب علم کیلئے ضروری ہے کہ خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد اب یہی مغربی ریاستیں ہی مسلم غالب اکثریت کی نمائندہ ہیں۔ تاہم ان کے اپنے اپنے سیاسی، معاشی ومعاشرتی مسائل ہیں جس سے نبرد آزما ہیں۔

اس یونٹ میں ہم جدید دنیائے اسلام کی تاریخ کے اجمالی تعارف کا مطالعہ کریں گے۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

1۔ عالم اسلام کی موجودہ صورتحال سے آگاہ ہوسکیں۔

2۔ عالم اسلام کے سیاسی وسماجی مسائل جان سکیں۔

3۔ عالم اسلام کے اتحاد واتفاق کیلئے عملی اقدامات کا جائزہ لے سکیں۔

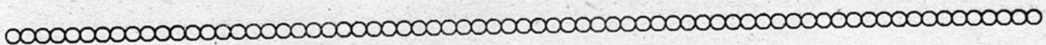
1۔ عالم اسلام کے معنی

عالم اسلام دو الفاظ کا مجموعہ ہے، عالم (لام کی زبر کے ساتھ) سے مراد دنیا یا جہاں ہے۔ یہ لفظ حالت اور کیفیت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح عالم برزخ، عالم آخرت کے الفاظ میں بھی لفظ عالم اسی مفہوم یعنی دنیا یا جہاں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی سے ایک لفظ عالمی بھی بولا جاتا ہے۔ ویسے یہ لفظ اسم جمع ہے لیکن اس کی جمع عالمین استعمال ہوتی ہے جس طرح قرآن پاک میں وارد ہے۔ رب العالمین (تمام جہانوں کو پالنے والا)۔

لفظ اسلام ایک دین اور نظریہ کا نام ہے جس کے لغوی معنی خدا تعالیٰ کے حکم پر گردن جھکا دینا ہے، مجموعی طور پر اس سے مراد وہ دین ہے جسے آج سے پندرہ صدیاں قبل حضرت محمد ﷺ لائے تھے، اس دین کے ماننے والوں کو مسلم یا مسلمان کہا جاتا ہے۔

2۔ تاریخ

عالم اسلام جسے انگریزی میں (Islamic World) سے مراد مسلمانوں کی دنیا یا مسلمانوں کا جہان ہے، گویا کہ زمین پر بسنے والے مسلمانوں کے حالات عالم اسلام کہلاتے ہیں تو دنیا کے ہر ایک براعظم ملک اور خطے میں مسلمان آباد ہیں تاہم مسلمانوں کی بیشتر آبادی قدیم براعظموں (ایشیا، افریقہ و یورپ) میں رہتی ہے۔ یہ تینوں براعظم ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ جن میں خشکی اور آبی راستوں کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا آسان رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنوبی مغربی ایشیا کے تین بڑے مذاہب (یہودی، عیسائی اور اسلام) با آسانی ایشیا، افریقہ اور یورپ کے علاقوں میں تیزی سے پھیلے، جزیرہ نما عرب کی سرزمین مقدس سے اٹھ کر مذہب اسلام کی روشنی نے شام، عراق، ایران، فلسطین، ترکی، آذربائیجان، افغانستان، وسط ایشیا، چین، برصغیر ہندوپاکستان و بنگلہ دیش، برما اور بحر ہند کے راستے ملیشیا، انڈونیشا، فلپائن اور برونائی جیسے دور دراز کے علاقوں کو منور کیا۔ خشکی ہی کے راستے اسلام کے جانباز سپاہیوں نے مصر، الجزاء، تیونس، مراکش کو فتح کیا اور آبنائے طارق (جبرالٹر) کو پار کر کے اندلس (سپین)، پرتگال اور جنوبی فرانس کی سرحدوں پر عالم اسلام کا پرچم



لہرایا۔ بعد ازاں براعظم افریقہ کے گرم خشک ریگستانوں کو عبور کرتے ہوئے دین اسلام کو کم گنجان آباد بیابانوں میں واقع نخلستان میں پھیلایا، ان پتھریلے، افتادہ صحراؤں کو پار کرتے ہوئے سوڈان، ایتھوپیا، چاڈ، بالائی وولٹا نائجر، نائیجیریا، سینیگل، گنی بساؤ، کیمرون اور گنی کے گھاس کے میدانوں اور سدابہار استوائی جنگلات میں اسلام کی شمع روشن کرتے ہوئے بحراوقیانوس کو چھولیا، ادھر وسطی ایشیا میں قزل کم اور کراکم کے سرخ اور سیاہ ریگ زاروں کو پار کرتے ہوئے قزاقستان، کرگیزیا، تاتار اور دالگا سے گزر کر پولینڈ اور بحیرہ بالٹک تک اپنا اثر ورسوخ قائم کیا۔

عالم اسلام کو قلمبند کرنے میں ایک بڑی دشواری ملکوں کے انتخاب کی ہے۔ بہت سے ملکوں علاقوں اور جزیروں میں مسلمانوں کی بڑی آبادی ہے لیکن وہ اسلامی ملک یا اسلامی علاقے نہیں کہے جاسکتے۔ مثال کے طور پر انڈونیشیا کے بعد سب سے زیادہ مسلمان ہندوستان میں رہتے ہیں لیکن بھارت ایک سیکولر جمہوریہ ہے اور تنظیم ممالک اسلامی (OIC) کا رکن بھی نہیں ہے۔ اس طرح فلپائن کے منڈانوا (Mindanao) اور پالاوان (Palawan) جزائر، چین کے صوبہ سنکیانگ، شانسی اور شینسی، روس کے تاتاری علاقوں کینیا، موزمبیق، البانیہ، یوگوسلاویہ، بلغاریہ اور مالٹا وغیرہ میں مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے لیکن یہ تنظیم ممالک اسلامی کے نہ تو ممبر ہیں اور نہ ہی اسلامی جمہوریائیں۔

3۔ عالم اسلام میں انتشار

اسلام میں اگرچہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد واتفاق پر زور دیا گیا ہے اور انتشار اور افتراق سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود مسلمان افتراق کے اس فتنہ کا جلد ہی شکار ہوگئے۔ دعوت اسلامی کے آغاز کو ابھی 45 سال ہی ہوئے تھے اور اسلامی جماعت کے سیاسی ڈھانچے کی تشکیل کے بعد صرف 35 سال گزرے تھے کہ تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ شہید کردیئے گئے اور اس طرح تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔ جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے، 41ھ (661ء) میں حضرت حسنؓ کے دانشمندی اور ایثار نے مسلمانوں کے منتشر شیرازہ کو بظاہر پھر ایک لڑی میں پرو دیا لیکن اختلاف اور افتراق کی جو بنیاد پڑ چکی تھی وہ بڑھتی ہی رہی۔ انتشار اور افتراق کی ان قوتوں کے باوجود مسلمان 132ھ (750ء) تک ایک سیاسی ڈھانچہ کے تحت متحد اور منظّم رہے لیکن اس سال بنی امیہ کی خلافت کے خاتمہ کے ساتھ یہ سیاسی اتحاد بھی ختم ہو گیا۔ 138ھ (756ء) تک اسلامی دنیا دو سیاسی وحدتوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک بغداد کی عباسی خلافت اور دوسری اندلس کی

اموی امارت۔ 169ھ (758ء) میں مراکش میں ادریسی خاندان کی حکومت کے قیام کے بعد اسلامی دنیا تین حکومتوں میں تقسیم ہوگئی۔ یہ صورت حال تقریباً ایک سو سال اور قائم رہی، اس کے بعد یعنی تیسری صدی ہجری کے نصف آخر سے اسلامی دنیا شدید طوائف الملو کی کا شکار ہوگئی اور وہ خطہ جو ایک سو بتیس سال تک ایک سیاسی وحدت کے تحت رہا اب اس میں بیشمار حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ یہ صورتحال آج تک قائم ہے اور اسلامی دنیا اس وقت کم وبیش 50 آزاد اور متعدد نیم آزاد اور غلام سیاسی وحدتوں میں تقسیم ہے۔

مسلمانوں کو جب تک عروج حاصل رہا، انہوں نے اتحاد کی ضرورت کو کبھی سنجیدگی سے محسوس نہیں کیا، صلیبی جنگیں، اندلس کا المیہ اور تاتاریوں کی یلغار اور سقوط بغداد ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کو اتحاد کی طرف مائل نہ کرسکا۔ یہ سب مقامی اور وقتی حادثے تھے، ہر علاقے کے مسلمانوں نے ان کا کسی نہ کسی طرح سامنا کرلیا اور خطروں کو دور کردیا۔ ان خطروں کے ٹلنے کے بعد مسلمان پہلے سے بھی زیادہ قوت کے مالک بن گئے۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کو ایک ہزار سال تک کسی ایسے خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑا جو پوری ملت اسلامیہ کیلئے تباہ کن ثابت ہو، لیکن 1699ء میں کارلووٹز کے معاہدے کے بعد جس کے تحت عثمانی ترکوں کو ہنگری سے دست بردار ہونا پڑا۔ مسلمان یورپ کے مقابلے میں ایسی پسپائی پر مجبور ہوئے کہ جس کا سلسلہ 1918ء میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے تک پورے [illegible] رہا۔

4۔ عالم اسلام میں اختلاف کی

مسلمان جہاں جہاں بھی گئے انہوں نے اسلام اور دین حق کے نور سے سینوں کو روشن کیا۔ لوگوں کے فکر وعمل میں انقلاب برپا کیا، جہاں انہیں غلبہ نصیب ہوا، انہوں نے امن وانصاف، حق وصداقت اور انسان دوستی کی لازوال مثالیں قائم کیں لیکن جب بھی دوسرے عناصر کو مسلمانوں کی کمزوری اور انتشار کے نتیجے میں بالادستی حاصل ہوئی تو انہوں نے ظلم وجبر اور تشدد کے بل پر مسلمانوں کو زیردست ہی نہیں بنایا۔ ان کے الگ ملی اور دینی تشخص کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ عدل وانصاف، جمہوریت ومساوات اور انسانی حقوق کے سارے دعوے اور سارا درد مسلمانوں کے معاملے میں اس طرح ہوا ہو جاتا ہے کہ بڑے سے بڑے ظلم اور دھاندلی اور ناانصافی بھی م[illegible] انوں کے خلاف بالکل جائز، درست اور برحق تسلیم کی جاتی ہے۔ یہودی پروپیگنڈے اور ان کی بھرپور منظم سازش کے زیر اثر عیسائی دنیا نے یورپ، افریقہ، ہندچین

اورامریکہ میں مسلمانوں کواول تو انتہائی بیدردی سے بڑی وسیع پیمانے پر موت کے گھاٹ اتارااور جہاں اس کے باوجود اسلام کے اثرات محو نہ ہو سکے وہاں مسلمانوں کو جابرانہ قوانین کے ذریعہ اسلامی معاشرت سے بیگانہ کر کے لادین طرز زندگی میں ضم کرنے کے متواتر اور مسلسل اقدامات کئے۔ اس سب کے باوجود آج دنیا کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں اسلام کے نام لیوا پائے نہ جاتے ہوں۔ بیسویں صدی کا نصف آخر مسلمانوں کی عمومی بیداری کا دور ہے جس کے نتیجے میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریکیں ہر جگہ ابھر رہی ہیں اور ان کو دبانے اور کچلنے کی ساری تدبیریں اور کوششیں ان کی راہ کھوٹی کرنے اور ان کی قوت کو توڑنے میں ناکام ثابت ہو رہی ہیں۔

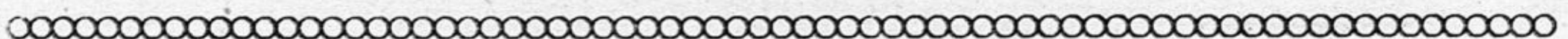
5۔ دور حاضر کے اسلامی ممالک

اب آپ دور حاضر کے اسلامی ممالک کے مختصر حالات کا مطالعہ کرینگے۔

(الف) براعظم ایشیا کے اسلامی ممالک

نمبر شمار	نام ملک	دارالخلافہ
01	بنگلہ دیش	ڈھاکہ
02	پاکستان	اسلام آباد
03	تاجکستان	دوشنبے
04	ترکی	انقرہ
05	ترکمانستان	اشک آباد
06	سعودی عرب	ریاض
07	شام	دمشق
08	عراق	بغداد
09	قازقستان	الما آتا

10	قطر	دوہا
11	کرغزستان	اشک آباد
12	کویت	کویت
13	لبنان	بیروت
14	مالدیپ	مالے
15	متحدہ عرب امارات	ابوظہبی
16	ملائیشیا	کوالالمپور
17	جنوبی یمن	عدن
18	شمالی یمن	صنعاء
19	آذربائیجان	باقو
20	اردن	عمان
21	ازبکستان	تاشقند
22	افغانستان	کابل
23	انڈونیشیا	جکارتہ
24	اومان	مسقط
25	ایران	تہران
26	بحرین	مناما
27	برونائی	بندرسری بیگاوان

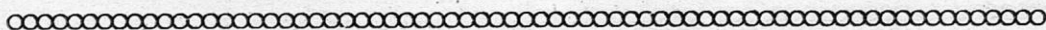


(ب) براعظم افریقہ کے اسلامی ممالک

نمبر شمار	نام ملک	نمبر شمار	ملک
01	الجزائر	15	کیمرون
02	آئیوری کوسٹ	16	گنی
03	اریٹریا	17	گنی بساؤ
04	ایتھوپیا	18	گیبون
05	برقینہ	19	گیمبیا
06	تنزانیہ	20	لائبیریا
07	تیونس	21	لیبیا
08	جیبولی	22	ماریطانیہ
09	چاڈ	23	مالی
10	سوڈان	24	مراکش
11	سیرالیون	25	مصر
12	سینی گال	26	نائیجیریا
13	صومالیہ	27	نائیجیریا
14	کوموروس	28	یوگنڈا

(ج) براعظم یورپ کے اسلامی ممالک

نمبر شمار	نام ملک	دارالخلافہ
01	البانیہ	ترانہ
02	بوسنیا ہرزگووینا	سراجیوو

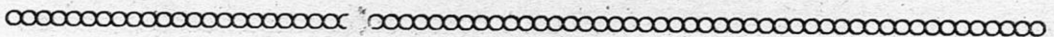


6۔ جنوب مغربی ایشیا کے مسلم ممالک

1۔	افغانستان	(AFGHANISTAN)
2۔	ایران	(IRAN)
3۔	اردن	(JORDAN)
4۔	بحرین	(BAHRAIN)
5۔	ترکی	(TURKEY)
6۔	سعودی عرب	(SAUDI-ARABIA)
7۔	سریا (شام)	(SYRIA)
8۔	عراق	(IRAQ)
9۔	عمان	(OMAN)
10۔	فلسطین	(PALESTINE)
11۔	قبرص	(CYPRUS)
12۔	قطر	(QATAR)
13۔	کویت	(KUWAIT)
14۔	لبنان	(LEBANON)
15۔	متحدہ عرب امارات	(UNITED ARAB EMIRATES)
16۔	یمن	(YEMEN)

6.1 افغانستان (Afghanistan):

افغانستان سمندری ساحلوں سے دور چاروں طرف خشکی سے گھرا ہوا ہے، اس کے شمال میں تاجکستان ازبکستان اور



ترکمینا جمہوریہ واقع ہیں۔ مغرب میں اسکی سرحد اسلامی جمہوریہ ایران اور مشرق وجنوب مشرق میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان سے ملتی ہیں۔ افغانستان کا رقبہ 64749 مربع کلومیٹر ہے اور 1985ء کے بین الاقوامی ادارہ صحت کے تخمینہ کے مطابق اس کی کل آبادی 1 کروڑ 76 لاکھ ہے۔

6.2 ایران (Iran):

ایران جس کو پہلے فارس کے نام سے جانا جاتا تھا، جنوب مغربی ایشیا کے بڑے ملکوں میں سے ایک ہے۔ اس کے شمال میں آذربائیجان، ترکمانستان، تاجکستان واقع ہیں اس کے جنوب میں خلیج فارس، خلیج عمان اور بحیرہ عرب، مشرق میں افغانستان اور پاکستان اور مغرب میں ترکی اور عراق کی سرحدیں ہیں۔ 1648 لاکھ مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے ایران کی آبادی تقریباً چار کروڑ 34 لاکھ (1985ء) ہے۔

6.3 اردن (Jordan):

اردن جنوب مغربی ایشیا کی ایک اہم سلطنت ہے، اس کے شمال میں شام، مشرق میں عراق اور سعودی عرب، جنوب میں سعودی عرب اور بحیرہ قلزم، مغرب میں اسرائیل واقع ہیں، اردن کا رقبہ 91000 مربع کلومیٹر اور آبادی 33 لاکھ ہے۔

6.4 بحرین (Bahrain):

امارت بحرین چند جزیروں پر مشتمل ہے جن میں جزیرہ بحرین سب سے بڑا ہے، اس کے دوسرے جزائر میں المحرق، عماناسان، ستراہ، النبی صالح اور حاور قابل ذکر ہیں۔ یہ جزائر قطر، جزیرہ نما اور سعودی عرب کے درمیان خلیج فارس میں واقع ہیں۔ بحرین کا رقبہ 679 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 42 لاکھ ہے جس میں 34 فیصد آبادی غیر ملکی ہے۔

6.5 ترکی (Turkey):

ترکی درحقیقت ایک ایسا ملک ہے جو تین طرف پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، اس کے شمال میں بحیرہ اسود، شمالی مشرق

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

میں جارجیا، آرمینیا اور آذر بائیجان جمہوریہ، مشرق میں ایران اور جنوب میں عراق اور سیریا سرحد بناتے ہیں، ترکی کا کل رقبہ 771 لاکھ مربع کلومیٹر ہے جس میں تقریباً 5 کروڑ لوگ آباد ہیں۔

6.6 سعودی عرب (Saudi Arabia):

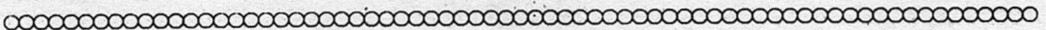
رقبے کے اعتبار سے سعودی عرب جنوب مغربی ایشیا کا سب سے بڑا ملک ہے، سعودی عرب کے جنوب مغرب میں جمہوریہ یمن، جنوب مشرق میں سلطنت عمان، مشرق میں متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین اور کویت واقع ہیں جبکہ اس کی شمالی سرحد کویت، عراق اور اردن بناتے ہیں۔ سعودی عرب کا کل رقبہ 249690 مربع کلومیٹر ہے جس میں ایک کروڑ دس لاکھ آدمی رہتے ہیں۔

6.7 شام (Syria):

پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکوں کی سلطنت عثمانیہ کا شیرازہ بکھرا تو ملک شام (سیریا) وجود میں آیا۔ اس سے قبل سیریا صوبہ عرب کا ایک حصہ تھا۔ دوسری جنگ عظیم تک شام پر فرانسیسیوں کا غلبہ رہا جس کے بعد سیریا نے لبنان سے الحاق کر لیا۔ لیکن یہ سیاسی بندوبست 1950ء میں ٹوٹ گیا۔ 1958ء سے 1961ء تک سیریا متحدہ عرب جمہوریہ میں شامل ہوا جو مصر، یمن اور سیریا پر مشتمل تھی۔ 1961 کے بعد سیریا نے سوویت روس اور مشرقی یوروپ کے ملکوں سے قریبی تعلقات قائم کئے، سیریا کے شمال میں ترکی، مشرق میں عراق، جنوب میں سعودی عرب اور مغرب میں بحیرہ روم اور لبنان واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 185180 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً ایک کروڑ ہے۔

6.8 عراق (Iraq):

میسوپوٹامیا کی تہذیب کا گہوارہ جدید عراقی سلطنت 1921 میں وجود میں آئی۔ 1930 تک یہ علاقہ برطانیہ کے زیرنگرانی رہا۔ 1958ء میں یہاں سے بادشاہت کا تخت الٹ کر جمہوری نظام قائم کیا گیا۔ کویت سے سرحدی اختلاف کے سبب مارچ 1991 میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے عراق سے جنگ کی اور ملک کی معیشت کو بھاری نقصان پہنچایا۔ عراق کے مشرق میں ایران، شمالی میں ترکی، مغرب میں شام، اردن اور سعودی عرب اور جنوب میں خلیج فارس و کویت اور سعودی عرب



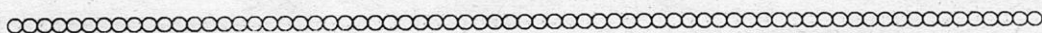
واقع ہیں، 434924 مربع کلومیٹر پر پھیلے عراق کی آبادی 1985 کے اعداد وشمار کے مطابق تقریباً ایک کروڑ 35 لاکھ ہے۔

6.9 عمان (Oman):

عمان کے مشرق میں خلیج عمان، شمال مغرب میں متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب اور جنوب میں بحیرہ عرب سرحد بناتے ہیں۔ عمان کا رقبہ 212457 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً گیارہ لاکھ ہے۔

6.10 فلسطین (Palestine):

لاطینی زبان سے ماخوذ لفظ فلسطین کے معنی تنگ ساحلی پٹی کے ہیں۔ بشری تاریخ کے مختلف ادوار میں فلسطین کی سرحدیں بدلتی رہی ہیں۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ (تقریباً ایک ہزار سال ق م مسیح) کے عہد حکومت میں بحیرہ روم سے لیکر لبنان، سیریا اور دریائے فرات تک کے علاقے فلسطین میں شامل تھے۔ سلطنت روما کے دوران ملک شام (سیریا) کے جنوبی صوبہ کو فلسطین کہا جاتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم سے پہلے عہد عثمانیہ میں بحیرہ روم سے لے کر ہاشفیلا، جودا، سماریا، صحرائے نجیب اور عقبہ کے علاقے فلسطین کے حصے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد فلسطین کے نقشے میں زبردست تبدیلی آئی۔ مغربی طاقتوں نے 1916ء کے بالفور اعلان کے تحت ایک یہودی ریاست کے قیام کو عملی جامہ پہنایا اور 14 مئی 1948ء کو حکومت اسرائیل وجود میں آئی۔ عرب ریاستوں نے اسرائیل کے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ 1948ء کی جنگ کے بعد غزہ پٹی، نجیب، گیلیلی اور شمال مغربی یروشلم پر اسرائیل نے قبضہ کر کے اپنے رقبے کو دوگنا کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1949ء میں تقریباً سات لاکھ سے زیادہ فلسطینیوں کو اپنا وطن چھوڑ کر قرب وجوار کے عرب ملکوں میں مہاجرین کی زندگی بسر کرنا پڑی۔ 1950ء میں اردن نے فلسطین کے دریائے اردن کے مغربی علاقہ پر اپنا قبضہ جمالیا۔ لیکن 1967ء کی جنگ میں دریائے اردن کے مغربی علاقے صحرائے سینا (مصر) اور سیریا کے جولان کے پہاڑی علاقوں پر اسرائیل نے قبضہ جمالیا۔ 1973ء میں اسرائیل کی عربوں سے پھر جنگ ہوئی جس میں صحرائے سینا کا علاقہ تو مصر نے پھر حاصل کر لیا لیکن فلسطین کے بہت سے علاقے اسرائیل کا حصہ بن گئے۔ اسرائیل کے اس طرح غاصبانہ قبضے کے تحت جنوبی مغربی ایشیا میں تناؤ کی فضا بنی ہوئی ہے۔ اسرائیل کی ضد اور زیادتی کے سبب فلسطین کا مسئلہ ابھی تک کوئی قابل قبول حل نہیں نکال سکا جب تک فلسطین کو دنیا کے ملک تسلیم نہ کرلیں اور اس کی مملکت کی حد بندی اور نشاندہی نہ ہو جائے تب تک اس کا رقبہ اور حدود اربعہ بیان کرنا مشکل ہے۔



6.11 قبرص(Cyprus):

ترکی کے ساحل سے تقریباً80 کلومیٹر جنوب میں اور سیریا سے تقریباً97 کلومیٹر مغرب میں واقع قبرص ایک جزیرہ ہے جس کا رقبہ 9251 کلومیٹر (3700 مربع میل) ہے، بحیرہ روم میں واقع سسلی اور سارڈینیا کے بعد یہ تیسرا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔اس کی آبادی ساڑھے چھ لاکھ اور اس میں مسلمان بیس فیصد ہیں۔

6.12 قطر(Qatar):

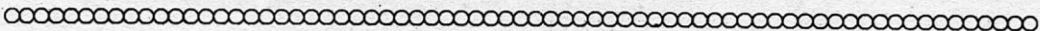
قطر ایک عرب امارت ہے جس کا رقبہ گیارہ ہزار مربع کلومیٹر ہے، اس کے مغرب میں سعودی عرب اور جنوب مغرب میں متحدہ عرب امارات ہے، اسکے مشرق میں خلیج فارس واقع ہے، 1916ء سے لے کر 1971ء تک قطر برطانیہ کے ماتحت تھا، اس کی آبادی تین لاکھ ہے اور تمام مسلمان ہیں۔

6.13 کویت(Kuwait):

خلیج فارس کے شمال مغربی کنارے پر واقع کویت دنیا کے امیر ترین ملکوں میں سے ایک ہے، کویت کو19 جون 1961ء کو ایک آزاد ملک تسلیم کیا گیا تھا۔کویت کے شمال مغرب میں عراق اور جنوب میں سعودی عرب کی سرحدیں ہیں۔جبکہ مشرق میں میں فارس کی خلیج واقع ہے۔کویت کا رقبہ 17818 مربع کلومیٹر ہے جس کی آبادی تقریباً18 لاکھ ہے۔

6.14 لبنان(Lebanon):

جنوبی مغربی ایشیا میں بحیرہ روم کے ساحل پر واقع لبنان ایک چھوٹا سا ملک ہے جو شمال، مشرق اور جنوب مشرق میں سیریا (شام) سے محصور ہے۔ اس کا کل رقبہ 10400 مربع کلومیٹر (4015 مربع میل) اور 1985ء کے اعداد وشمار کے مطابق آباد 27 لاکھ ہے۔ بیروت، ملک کا دارالخلافہ ہے۔



6.15 متحدہ عرب امارات(United Arab Emirates):

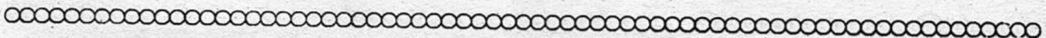
متحدہ عرب امارات سات چھوٹی ریاستوں پر مشتمل ایک وفاقی حکومت ہے، جو عرب جزیرہ نما کے جنوب مشرقی حصے میں واقع ہے۔ ان امارات کے نام ابوظہبی ،دوبئی ،شارجہ ،ام لبوین ، اجمان، فوجائرہ اور راس الخیمہ ہیں۔ متحدہ عرب امارات کے مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں عمان، مغرب میں سعودی عرب اور شمال میں قطر واقع ہے، ان امارات کا کل رقبہ 8299000 مربع کلومیٹر ہے اور کل آبادی تقریباً ڈھائی لاکھ ہے۔ حکومت متحدہ عرب امارات 1971ء میں وجود میں آئی ،اس سے پہلے یہ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں حکومت برطانیہ کے تحت تھیں۔

6.16 یمن(Yemen):

جزیرہ نما عرب کے جنوب مغرب میں واقع یمن ایک خوبصورت ملک ہے۔ جس کا بیشتر علاقہ پہاڑی ہے، متحدہ جمہوریہ یمن کے وجود میں آنے سے پہلے 1990ء تک ملک یمن شمالی اور جنوبی یمن میں منقسم تھا جس میں جنوبی یمن کے سوویت روس سے قریبی تعلق تھے اور شمالی یمن ایک اسلامی جمہوریہ تھا۔ یہ دونوں ملک 1990ء میں متحد ہوئے اور جمہوریہ یمن کے نام سے پکارے جانے لگے۔ اس کا رقبہ 482700 مربع کلومیٹر ہے۔ اس کے شمال میں سعودی عرب مشرق میں عمان جنوب میں خلیج عدن اور بحیرہ عرب اور مغرب میں بحیرہ قلزم ہے اور آبادی 80 لاکھ ہے۔

7۔ وسطی ایشیا کے مسلم ممالک

1۔ آذربائیجان (Azarbaijan)
2۔ ازبکستان (Uzbaikistan)
3۔ تاجکستان (Tadzkistan)
4۔ ترکمانستان (Turkmenistan)
5۔ قزاقستان (Kazakistan)
6۔ کرگیزیا (Kirgizia)



7.1 آذربائیجان(Azarbaijan):

آذربائیجان کارقبہ 87000 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 65 لاکھ ہے۔ بحیرہ کیپسین کے مغربی ساحل پر پھیلے ہوئے آذربائیجان کے مغرب میں جارجیا اور آرمینیا، شمال میں داغستان اور جنوب میں ایران واقع ہے، آذربائیجان کو 30 دسمبر 1922ء میں سوویت یونین میں شامل کرلیا گیا تھا، دسمبر 1991ء یعنی 79 برس کے بعد آذربائیجان ایک خودمختار آزاد جمہوریہ بن گیا۔ اس کا کل رقبہ 86800 مربع کلومیٹر اور آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے۔

7.2 ازبکستان(Uzbakistan):

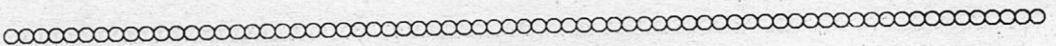
وسطی ایشیا کے مسلم ممالک میں ازبکستان ایک اہم ترین ملک ہے، تقریباً سو برس روس کے اثر میں رہنے کے بعد ازبکستان نے نومبر 1991ء میں اپنی خودمختاری کا اعلان کیا اور اب ایک آزاد ملک ہے۔ اسلامی تہذیب اور کلچر کے بہت سے اہم مراکز اور تاریخی مقامات ازبکستان میں ہیں۔ ہندوستان کا یہ پہلا مغل بادشاہ ''بابر'' ازبکستان کا ہی رہنے والا تھا۔ بخارا، سمرقند، تاشقند، فرغانہ، خیوہ (خوارزم)، زرفشان، اندیزان اور نقوش جیسے مشہور مقامات اسی ملک میں ہیں۔ اس کا کل رقبہ 447400 مربع کلومیٹر اور آبادی دو کروڑ سولہ لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔

7.3 تاجکستان(Tadzkistan):

سوویت یونین کا نومبر 1991ء میں جب شیرازہ بکھرا تو تاجکستان نے بھی خودمختاری کا اعلان کردیا، وسطی ایشیا کے مسلم ممالک میں تاجکستان سب سے چھوٹا ملک ہے جس کا رقبہ 143000 مربع کلومیٹر ہے، اس کی کل آبادی 35 لاکھ کے آس پاس ہے۔ اس کے شمال میں ازبکستان اور کرگیزیا جنوب میں افغانستان اور مشرق میں چین ہے۔

7.4 ترکمانستان(Turkmanistan):

ترکمانستان کو ترکمانیا بھی کہتے ہیں۔ روس کے زیر اثر آنے سے پہلے یہ روسی ترکستان کا ایک علاقہ تھا، نومبر 1991ء میں ترکمانستان ایک آزاد خودمختار ملک بن گیا۔ بحیرہ کیپسین کے مشرق میں واقع یہ ملک شمال مغرب میں قزاخستان، شمال مشرق میں ازبکستان، مشرق میں تاجکستان، جنوب مشرق میں افغانستان اور جنوب میں اسلامی جمہوریہ ایران سے گھرا ہوا ہے۔



ترکمانستان کا رقبہ تقریباً488000 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً30لاکھ ہے۔ شہری اور دیہی آبادی کا تناسب بالترتیب 48اور52 ہے۔ان کی زبان ترکی ہےاور آبادی میں دوفیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ ہورہا ہے۔

7.5 قزاقستان(Kazakistan):

قزاقستان وسطی ایشیا کا سب سے بڑا مسلم ملک ہے جو2717000 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے،نومبر 1991ء میں سوویت روس کا شیرازہ بکھرنے کے بعد قزاخستان ایک خودمختار ملک کی شکل میں وجود میں آیا۔قزاخستان کے شمال میں روس کا سائبریائی علاقہ،مشرق میں چین،جنوب میں کرگیزیا،ازبکستان اور ترکمانیا اور مغرب میں بحیرہ کیسپین اور روس کا والگا کا علاقہ پھیلا ہوا ہے۔قزاخستان کوانیس انتظامی اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے۔آبادی ایک کروڑ ستر لاکھ کے قریب ہے۔

7.6 کرگیزیا(Kirgizia):

کرگیزیا بھی نومبر 1991ء میں ایک خودمختار ملک کی شکل میں وجود میں آیا۔اس کا رقبہ 166000 مربع کلومیٹر ہے اور کل آبادی تقریباً35لاکھ ہے،کرگیزیا کے جنوب میں تاجکستان،مغرب میں ازبکستان،شمال میں قزاخستان اور مشرق میں چین کا سنکیانگ صوبہ پھیلے ہوئے ہیں۔

8۔ جنوب مشرقی ایشیا کے مسلم ممالک

1۔ انڈونیشیا (Indonesia)

2۔ بنگلہ دیش (Bangladesh)

3۔ برونائی (Barunei)

4۔ مالدیپ (Maldive)

5۔ ملیشیا (Malaysia)

6۔ پاکستان (Pakistan)

8.1 انڈونیشیا(Inonesia):

ملک انڈونیشیا ایک مجمع الجزائر ہے جس میں 13500 جزائر شامل ہیں۔ یہ جزیرے 4800 کلومیٹر (تین ہزار میل) کی لمبائی میں خط استوا کے متوازی جنوب مشرقی ایشیا اور آسٹریلیا کے درمیان واقع ہیں، انڈونیشیا کے جزیرے بحر ہند اور بحر الکاہل کے درمیان ایک قدرتی حد کا کام کرتے ہیں، چند جزیرے خط استوا کے جنوب میں واقع ہیں جن میں جاوا اور مدورا قابل ذکر ہیں۔ ساماتر، سولاویسی (سیل بیز) اور جنوبی کلے منثان (بورنیو) دوسرے بڑے جزائر ہیں۔ ملک کا کل رقبہ 19 لاکھ مربع کلومیٹر (736 سات لاکھ چھتیس ہزار مربع میل) ہے، جس میں تقریباً 16 کروڑ کی آبادی ہے۔

8.2 بنگلہ دیش(Bangladesh):

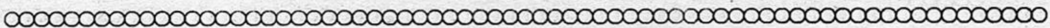
بنگلہ دیش برصغیر کا ایک اہم ملک ہے، یہ شمال مشرق اور مغرب میں بھارت کی آسام، میگھالیہ، تریپورہ، میزروم اور مغربی بنگل ریاستوں سے گھرا ہوا ہے، جبکہ اس کی جنوبی سرحد پر خلیج بنگال واقع ہے۔ بنگلہ دیش کا رقبہ 142775 مربع کلومیٹر ہے، یہاں کی کل آبادی دس کروڑ سے تجاوز کر گئی ہے۔

8.3 برونائی(Barunei):

جزیرہ بورنیو کے شمالی کنارے پر واقع برونائی ایک چھوٹی سی سلطنت ہے جس کا کل رقبہ 298 مربع کلومیٹر ہے۔ برونائی کی شمال مغربی سرحد پر بحیرہ جنوبی چین پھیلا ہوا ہے جبکہ جنوب اور مشرق میں بورنیو اس کی سرحد بناتا ہے، ملک کا 80 فیصد حصہ گھنے جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے۔

8.4 مالدیپ(Maldive):

ملک مالدیپ ایک مجمع الجزائر ہے جس میں تقریباً دو ہزار جزیرے شامل ہیں۔ سری لنکا کے مغربی ساحل سے تقریباً 640 کلومیٹر کی دوری پر بحر ہند میں واقع مالدیپ ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کا کل رقبہ 298 مربع کلومیٹر ہے۔ یہ جزیرے دس بارہ گروپ میں واقع ہیں اور بیشتر مونگے کی چٹانوں کے بنے ہوئے ہیں۔ 1887ء سے پہلے یہ جزائر فرانسیسیوں کے



قبضے میں تھے اس کے بعد 1965ء تک یہ برطانیہ کے زیر حکومت رہے۔ 1965ء میں مالدیپ آزاد ہوا، 11 نومبر 1968ء میں یہ ایک جمہوریت بن گیا۔ اس کی آبادی تین لاکھ کے قریب ہے۔

8.5 ملیشیا (Malaysia):

بہت سے جزیروں پر مشتمل ملیشیا جنوب مشرقی ایشیا کا ایک اہم ملک ہے۔ ملیشیا کا رقبہ 329 لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ ملیشیا جزیرہ نما ملک کا سب سے بڑا علاقہ ہے، ملک کی آباد 1985ء کے ایک تخمینہ کے مطابق تقریباً ڈیڑھ کروڑ تھی۔

8.6 پاکستان (Pakistan):

اسلامی جمہوریہ پاکستان برصغیر ہند کے شمال مغربی حصے میں واقع ہے، پاکستان کے مغرب میں ایران، شمالی مغرب میں افغانستان، شمال مشرق اور مشرق میں جموں وکشمیر، پنجاب، راجھستان اور گجرات ریاستیں واقع ہیں۔ جبکہ اس کے جنوب میں بحیرہ عرب پھیلا ہوا ہے پاکستان کا کل رقبہ 80340 مربع کلومیٹر ہے اور کل آبادی تقریباً تیرہ کروڑ ہے۔ بلوچستان ،سندھ، شمالی مغربی صوبہ سرحد اور پنجاب پاکستان کے چار صوبے ہیں۔

9۔ شمالی افریقہ کے مسلم ممالک

1۔ الجزائر (Algeria)

2۔ تیونس (Tunisia)

3۔ لیبیا (Libya)

4۔ مراکش (Morocco)

5۔ مصر (Egypt)

9.1 الجزائر(Algezir):

شمال مغربی افریقہ میں واقع الجزائر براعظم افریقہ کا ایک بڑا ملک ہے۔ اس کے شمال میں بحیرہ روم، شمال مشرق میں تیونس، مشرق میں لیبیا، جنوب مشرق میں نائجر، جنوب مغرب میں مالی اور ماری ٹانیا اور مغرب میں مراکش واقع ہیں۔ الجزائر کا کل رقبہ دولاکھ چار ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی تقریباً تین کروڑ ہے۔

9.2 تیونس(Tunisia):

تقریباً 162206 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ملک تیونس المغرب (مراکش، الجزائر، تیونس) کا سب سے چھوٹا ملک ہے۔ تیونس کے شمال اور مشرق میں بحیرہ روم، جنوب مشرق میں لیبیا اور مغرب میں الجزائر سرحد بناتے ہیں۔ ملک کا نصف حصہ ریگستانی، بنجر اور پتھریلا پہاڑ ہے۔ تیونس اگرچہ ایک چھوٹا سا ملک ہے اس کے خدوخال ٹوپوگرافی میں زبردست رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ طبعی خدوخال کے اعتبار سے تیونس کو بحیرہ روم کا ساحلی میدان، مدجرد کی وادی، خلیج تیونس کے قرب و جوار کا میدان، وسطی پہاڑ، اسٹیپی گھاس کے میدان اور جنوب مغربی ریگستان میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کا کل رقبہ 63380 مربع میل اور آبادی پچاس لاکھ بیس ہزار ہے۔

9.3 لیبیا(Libya):

لیبیا براعظم افریقہ کے شمالی وسطی حصے میں واقع ہے اس کے مشرق میں مصر، جنوب مشرق میں سوڈان، جنوب میں چاڈ اور نائجر اور مغرب میں الجزائر اور تیونس واقع ہیں جبکہ اس کی شمالی سرحد پر بحیرہ روم پھیلا ہوا ہے۔ لیبیا کے ساحل کی لمبائی 1770 کلومیٹر ہے اور ملک کا کل رقبہ 1759998 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی اکتالیس لاکھ ہے۔

9.4 مراکش(Morocco):

شمال مغربی افریقہ میں واقع مراکش 443680 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہے۔ اس کے مشرق میں الجزائر، جنوب میں ماری ٹینیا اور شمال میں بحیرہ روم اور مغرب میں بحراوقیانوس واقع ہیں۔ اس کا کل رقبہ 458730 مربع کلومیٹر اور آبادی دو

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

کروڑ سات لاکھ ہے۔

9.5 مصر(Egypt):

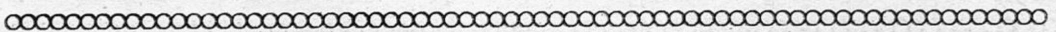
براعظم افریقہ کے شمال مشرقی گوشے میں واقع مصر کا رقبہ 1001449 مربع کلومیٹر ہے، اس کے شمال میں بحیرہ روم پھیلا ہوا ہے، جبکہ مغرب میں لیبیا، جنوب میں سوڈان، مشرق میں بحیرہ قلزم اور اسرائیل مصر کی سرحد بناتے ہیں۔ مصر کی آبادی 4.6 کروڑ سے زیادہ ہے۔

10- مشرقی افریقہ کے مسلم ممالک

1۔	ایتھوپیا	(Ethiopia)
2۔	تنزانیہ	(Tanzania)
3۔	جبوتی	(Djibouti)
4۔	سوڈان	(Sudan)
5۔	کومرو	(Comoros)
6۔	صومالیہ	(Somalia)
7۔	یوگنڈا	(Uganda)

10.1 ایتھوپیا(Ethiopia):

ایتھوپیا کے شمال میں بحیرہ قلزم اور سوڈان، مشرق میں جبوتی اور صومالیہ، جنوب میں کینیا اور مغرب میں سوڈان واقع ہیں۔ ایتھوپیا کا رقبہ تقریباً بارہ لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ ایتھوپیا کی تاریخ میں پہلی بار مردم شماری 1984ء میں کی گئی ہے۔ جس کے اعداد و شمار کے مطابق چار کروڑ بیس لاکھ تھی۔ 1986ء کے تخمینہ کے مطابق یہ آبادی چار کروڑ ساٹھ لاکھ ہوگئی ہے جس میں تقریباً سوا تین کروڑ لوگ آباد ہیں۔



10.2 تنزانیہ(Tanzania):

جمہوریہ تنزانیہ 1964ء میں وجود میں آئی، اس سے پہلے اس ملک کو ٹنگا نائکا اور زنجیبار اور کے نام سے جانا جاتا تھا۔886000 مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے تنزانیہ کی آبادی 1985ء کے اعداد وشمار کے مطابق 2 کروڑ دس لاکھ ہے۔تنزانیہ کے شمال میں کینیا اور یوگنڈا، مغرب میں روانڈا، برونڈی اور جمہوریہ زائرے، جنوب میں زیمبیا اور موزمبیق اور مشرق میں بحر ہند پھیلے ہوئے ہیں۔

10.3 جبوتی(Djibouti):

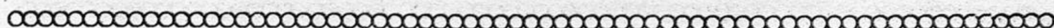
افریقہ کے شمال مشرق میں جبوتی ایک چھوٹا سا ملک ہے اس کے مشرق میں خلیج عدن، شمال مغرب اور جنوب میں ایتھوپیا اور جنوب مشرق میں جمہوریت صومالیہ، جبوتی کا کل رقبہ 23310 مربع کلومیٹر ہے۔جس میں تقریباً ساڑھے تین لاکھ آبادی ہیں۔

10.4 سوڈان(Sudan):

رقبے کے اعتبار سے سوڈان براعظم افریقہ کا سب سے بڑا ملک ہے۔سوڈان کا رقبہ 2500000 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی تقریباً دو کروڑ دس لاکھ ہے سوڈان کے شمال میں مصر،شمال مغرب میں لیبیا، مغرب میں چاڈ، جنوب مغرب میں جمہوریہ وسطی افریقہ، جنوب میں یوگنڈا اور کینیا اور مشرق میں ایتھوپیا اور بحیرہ قلزم حد بناتے ہیں۔

10.5 کومرو(Comoros):

کومرو کا سرکاری نام وفاقی اسلامی جمہوریہ کومرو ہے یہ ملک چند جزائر پر مشتمل ہے جو بحر ہند میں مدغاسکر اور تنزانیہ کے درمیان آبنائے موزمبیق کے شمالی سرے پر واقع ہے کومرو کا کل رقبہ 2166 مربع کلومیٹر ہے۔جس میں تقریباً چار لاکھ تیس ہزار افراد ہیں۔



10.6 صومالیہ(Somalia):

جمہوریہ صومالیہ کے مغرب میں ایتھوپیا اور کینیا اور شمال مغرب میں جبوتی واقع ہیں جبکہ اس کی مشرقی سرحد پر بحیرہ عرب اور شمال میں خلیج عدن پھیلے ہوئے ہیں، صومالیہ کا کل رقبہ 637661 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 75 لاکھ ہے۔

10.7 یوگنڈا(Uganda):

خط استواء پر واقع ملک یوگنڈا کا رقبہ 236037 مربع کلومیٹر ہے، یوگنڈا کے شمال میں سوڈان مشرق میں کینیا، جنوب مغرب میں روانڈا میں زائرسرحد بناتے ہیں اور اس کی آبادی ڈیڑھ کروڑ ہے۔

11۔ مغربی اور وسطی افریقہ کے مسلم ممالک

1۔	بالائی وولٹا (اپر وولٹا)	(Uppervolta)
2۔	چاڈ (تشاد)	(Chad)
3۔	سیرالیونا	(Sierra Leone)
4۔	سینیگال	(Sanegal)
5۔	کیمرون	(Cameroon)
6۔	گنی	(Guinea)
7۔	گنی بساؤ	(Guine-Abbisau)
8۔	گیبن	(Gabon)
9۔	گیمبیا	(Gambia)
10۔	ماری ٹیبیا	(Mauritania)
11۔	مالی	(Mali)
12۔	نائجر	(Niger)
13۔	نائیجیریا	(Nigeria)

11.1 بالائی وولٹا (اپر وولٹا)(Upper Volta):

چاروں طرف خشکی سے گھرے ہوئے بالائی وولٹا کے شمال اور مغرب میں مالی، شمال مشرق میں نائجر، جنوب مشرق میں ڈہومی، جنوب میں ٹوپو، گھانا اور آئیوری کوسٹ واقع ہیں۔ بالائی وولٹا کا کل رقبہ 274200 مربع کلومیٹر ہے جس میں 1985ء کے اعداد وشمار کے مطابق ساٹھ لاکھ سے کچھ زیادہ لوگ آباد ہیں۔ بادی کی کثافت تقریباً 70 آدمی فی مربع کلومیٹر ہے۔

11.2 چاڈ (تشاد)(Chad):

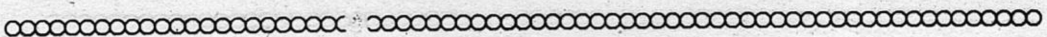
پرانی تہذیب کا مرکز چاروں طرف خشکی سے گھرا ہوا ملک چاڈ 1284234 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کی آبادی تقریباً پچاس لاکھ ہے، کہا جاتا ہے کہ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں عرب کے مسلمان اس علاقے میں داخل ہوئے جنہوں نے تبلیغ کے ذریعہ قبائلی لوگوں کو مسلمان بنایا۔

11.3 سیرالیونا(Sierraleone):

مغربی افریقہ میں واقع سیرالیونا 72326 کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے، سیرالیونا کے شمال مشرق میں گنی، جنوب مشرق میں لائبیریا اور مغرب میں بحر اوقیانوس پھیلا ہوا ہے سیرالیونا کی کل آبادی تقریباً 21 لاکھ ہے۔

11.4 سینیگال(Sanegal):

سینیگل ملک افریقہ کا چھوٹا سا ملک ہے جو 197600 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے شمال میں ماری ٹانیا، مشرق میں بالائی وولٹا، جنوب میں گنی اور مغرب میں بحر اوقیانوس ہے، سینیگل کا شمالی علاقہ خشک ریگستانی ہے، جنوبی علاقے میں نسبتاً زیادہ بارش ہوتی ہے، جنوب مشرقی علاقہ بھی گرم ریگستان ہے۔ اس کی آبادی بیاسی لاکھ ہے۔



11.5 کیمرون(Cameroon):

انیسویں صدی کے آخر تک کیمرون جرمنی کے زیر اثر رہا ہے۔1922ء مین یہ برطانیہ اور فرانس کی مشترکہ نگرانی میں آیا۔کیمرون کی موجودہ شکل 1961ء میں وجود میں آئی جب اس کا نام وفاقی جمہوریہ کیمرون رکھا گیا۔اس کا کل رقبہ 475442 مربع کلومیٹر اور آبادی ایک کروڑ تیس لاکھ ہے۔

11.6 گنی(Guinea):

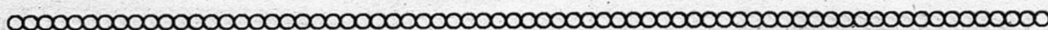
گنی 246048 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا مغربی افریقہ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے۔گنی کے شمال مغرب میں گنی بساؤ، شمال میں سینیگال، شمال مشرق میں مالی، مشرق اور جنوب میں آئیوری کوسٹ لائبیریا، سیرالیونا واقع ہیں جبکہ اس کے مغرب میں بحراوقیانوس پھیلا ہوا ہے۔اس کا کل رقبہ 245758 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی ستر لاکھ ہے۔

11.7 گنی بساؤ(Guinea Bissau):

مغربی افریقہ میں گنی بساؤ ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کا کل رقبہ 26400 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی تقریباً 9لاکھ ہے۔گنی بساؤ کے شمال میں سینیگل، مشرق میں گنی اور مغرب میں بحراوقیانوس پھیلا ہوا ہے۔

11.8 گیبن(Gabon):

مغربی افریقہ میں واقع گیبن کا رقبہ 266024 مربع کلومیٹر ہے۔اس کے شمال میں کیمرون مشرق اور جنوب مشرق میں عوامی جمہوریہ کانگو سرحد بناتے ہیں جبکہ مغربی سرحد پر بحر اوقیانوس پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ساحل کی لمبائی تقریباً 880 کلومیٹر ہے۔آبادی اسی لاکھ ہے۔



11.9 گیمبیا(Gambia):

گیمبیا مغربی افریقہ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے جو گیمبیا ندی کے دونوں طرف ایک تنگ پٹی کی شکل میں پھیلا ہوا ہے۔ مشرق سے مغرب کی طرف پھیلے ہوئے اس ملک کی چوڑائی 11 سے 32 کلومیٹر کے درمیان ہے اور مشرق سے مغرب تک اس کی کل لمبائی 320 کلومیٹر ہے۔ ملک کا کل رقبہ 10367 مربع کلومیٹر ہے اور کل آبادی 6 لاکھ سے کچھ زیادہ ہے۔

11.10 ماری ٹینیا(Mauritania):

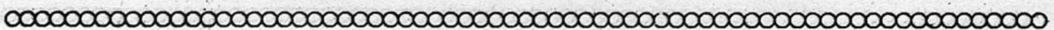
مغربی افریقہ میں واقع ماری ٹینیا ایک آزاد مسلم ملک ہے، اسلامی جمہوریہ ماری ٹینیا تقریباً 1030000 مربع کلومیٹر ہوا ہے۔ اس کی آبادی 18 لاکھ ہے۔ اس کے شمال مغرب میں مغربی صحارا شمال مشرق میں الجزائر، مشرق میں نائیجیریا اور جنوب میں بالائی وولٹا، آئیوری کوسٹ گنی اور سینیگل سرحد بناتے ہیں۔ اس کی مغربی سرحد پر بحر اوقیانوس واقع ہے۔

11.11 مالی(Mali):

صحارا ریگستان کے جنوب مغربی حصے میں واقع مالی ایک جمہوری ملک ہے ۔ اس کا کل رقبہ 1240000 مربع کلومیٹر اور آبادی 80 لاکھ ہے۔ مالی کا پہلا نام فرانسیسی سوڈان تھا جو 1960ء میں آزاد ہونے کے بعد جمہوریہ مالی بنا۔

11.12 نائجر(Niger):

نائجر چاروں طرف خشکی سے گھرا ہوا ملک ہے، اس کے مغرب میں بالائی وولٹا (اپر وولٹا) اور مالی، شمال مغرب میں صحارا، شمال مشرق میں لیبیا، مشرق میں چاڈ اور جنوب میں نائیجیریا و دہومی سرحد بناتے ہیں۔ نائجر 1267000 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ جس کی آبادی تقریباً ساٹھ لاکھ ہے۔



11.13 نائیجیریا(Nigeria):

نائیجیریا براعظم افریقہ کے اہم ترین ممالک میں سے ایک ہے، اس کا کل رقبہ 924لاکھ مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً دس کروڑ ہے، آبادی کی کثافت 101 آدمی فی مربع کلومیٹر ہے اسے افریقہ کا دیو بھی کہتے ہیں۔

12۔ دنیائے اسلام کے اہم ادارے

اتحاد اسلامی کو تقویت دینے کے سلسلے میں اب تک جو بین الاقوامی اسلامی اجتماعات ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

1۔ 1908ء میں پہلی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس قاہرہ میں ہوئی تھی یہ کانفرنس روس کے عظیم مسلمان رہنما اسماعیل گسپر الی کی کوششوں سے ہوئی تھی لیکن وہ خود اس میں شریک نہ ہو سکے۔

2۔ 1926ء میں دوسری اسلامی کانفرنس مکہ میں ہوئی، اس کو سلطان ابن سعود نے طلب کیا تھا یہ پہلی کانفرنس تھی جس کو موتمر عالم اسلامی کا نام دیا گیا تھا۔

3۔ 1927ء میں علمائے ازہر کی کوششوں سے تیسری اسلامی کانفرنس 13 تا 19 مئی قاہرہ میں ہوئی۔

4۔ 1931ء میں چوتھی بین الاقوامی اسلامی موتمر مفتی اعظم فلسطین الحاج امین الحسینی کی کوششوں سے 6 دسمبر سے 15 دسمبر 1931ء تک بیت المقدس میں ہوئی۔ اس میں پاکستان اور اسلامی ہند سے علامہ اقبال اور مولانا شوکت علی نے شرکت کی تھی۔

5۔ 1934ء میں پانچویں اسلامی کانفرنس جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں ہوئی۔ اسے شامی رہنما امیر شکیب ارسلان نے طلب کیا تھا اس میں یورپ کے ملکوں سے مسلمان رہنما کثرت سے آئے۔

6۔ 1949ء میں چھٹی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کراچی میں ہوئی، اس کو ایک مقامی تنظیم جمعیت اخوت الاسلامیہ

نے طلب کیا تھا۔ یہ کانفرنس 18 مئی تا 19 مئی مولانا شبیر احمد عثمانی کی زیر صدارت میں ہوئی۔

7- اسی سال یعنی 1949ء میں 25 نومبر سے 10 دسمبر تک کراچی میں پہلی بین الاقوامی اقتصادی اسلامی کانفرنس کراچی میں ہوئی جس کا افتتاح وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان نے کیا اس میں اٹھارہ اسلامی ملکوں نے شرکت کی اور اس میں اسلامی ایوانہائے تجارت وصنعت کے بین الاقوامی وفاق کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا۔

8- 1952ء میں آٹھویں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس بھی کراچی میں مئی کے مہینے میں ہوئی اس میں ترکی کے ممتاز قانون دان علی فواد باشگل نے شرکت کی۔

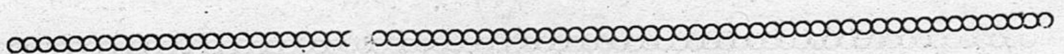
9- 1953ء میں موتمر عالم اسلامی کا ایک اجتماع ہوا جس میں پاکستان سے مولانا مودودی کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی لیکن مولانا نظر بندی کی وجہ سے اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔

10- 1956ء میں دمشق میں موتمر عالم اسلامی کا اجلاس ہوا جس میں پاکستان سے مولانا مودودی نے شرکت کی اور ایک اجلاس کی صدارت بھی کی اور وہ موتمر کی تبلیغ ودعوت اسلامی کی کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے۔

نصف صدی کی ان کوششوں کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ بالآخر ایک مضبوط بین الاقوامی اسلامی تنظیم کیلئے راہ ہموار ہوگئی، سعودی حکومت نے اس سلسلے میں پہل کی اور اس کی امداد اور تعاون سے دنیائے اسلام کے چار ممتاز رہنماؤں کا ایک اجتماع 1962 میں حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں ہوا، اس اجتماع میں رابطہ عالم اسلامی (The World Islamic League) کے نام سے ایک مرکزی تنظیم قائم کی گئی، اس مجلس کی تاسیس کیلئے ہندوستان سے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور پاکستان سے سید ابو الاعلیٰ مودودی منتخب کیئے گئے، اسی طرح دوسرے اسلامی ملکوں سے ممتاز لوگ اس میں شامل ہیں۔

12.1 رابطہ عالم اسلامی:

رابطہ عالم اسلامی دراصل ایک نیم سرکاری ادارہ ہے، اپنی مالی امداد کیلئے سعودی عرب کی حکومت کا محتاج ہے اور سعودی حکومت کی مصلحتیں اس کی پالیسی پر اثر انداز ہوتی ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ ایک مفید ادارہ ہے اور اپنی کارروائیوں میں بڑی حد تک خود مختار ہے، سعودی عرب سے وابستگی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ادارہ کو اپنی سرگرمیوں کیلئے وافر مقدار



میں فنڈز فراہم ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے رابطہ کی مختلف ذیلی شاخیں وسیع پیمانہ پر اشاعت اسلام کا کام سرانجام دے رہی ہیں۔اس کے علاوہ رابطہ اسلامی دنیا کے مسائل میں گہری دلچسپی لیتا ہے۔اگر چہ ا ں کی سرگرمیوں کا محور مسئلہ فلسطین ہے لیکن مسئلہ کشمیر،فلپائن کے مسلمانوں کا جہاد آزادی،پٹانی کا مسئلہ،صومالیہ میں مہاجرین کا مسئلہ،قبرص،افغانستان اوراری ٹیریا کی طرح دوسرے مسئلوں پر بھی ضروری توجہ دی جاتی ہے،اس وقت رابطہ کے تحت جو ذیلی شاخیں کام کر رہی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

عالمی کونسل برائے مساجد: اس کونسل کا صدر دفتر مکہ معظّمہ میں ہے ارکان کی تعداد چالیس ہے جو پوری اسلامی دنیا سے لئے گئے ہیں۔پاکستان سے میاں طفیل محمد رکن ہیں،کونسل کا کام دنیا بھر میں مسجدوں کی تعمیر،مرمت اور تجدید کیلئے مالی امداد فراہم کرنا ہے۔

اسلامی مجلس فقہ: رابطہ عالم اسلامی کی ایک اور ذیلی شاخ ''اسلامی مجلس فقہ'' ہے جو بیس افراد پر مشتمل ہے۔یہ افراد الجزائر،پاکستان،تیونس،انڈونیشیا،عراق،لبنان،موری تانیا،نائیجیریا اور ہندوستان سے لئے گئے ہیں۔

اسلامی رابطہ کونسل برائے افریقہ: اسلامی رابطہ کونسل برائے افریقہ بھی رابطہ عالم اسلامی ایک اہم شاخ ہے،اس کا مرکز سینیگال کا صدر مقام ڈاکار ہے جہاں سے اس کا پہلا اجلاس 1976ء کو ہوا تھا،اس کونسل کا مقصد افریقہ کی ساحلی تنظیموں کے درمیان باہمی رابطوں کو مضبوط بنانا ہے تاکہ افریقہ میں غیر اسلامی سرگرمیوں کا زیادہ قوت کے ساتھ مقابلہ کیا جاسکے اور اسلام کی اشاعت کی جاسکے۔

12.2 اسلامی ملکوں کی تنظیم:

جس طرح رابطہ عالم اسلامی دنیائے اسلام کی غیر سرکاری تنظیم ہے اسی طرح اسلامی ملکوں کی تنظیم اسلامی دنیا کی سرکاری تنظیم ہے جو تمام اسلامی ملکوں کی حکومتوں پر مشتمل ہے چونکہ یہ تنظیم ستمبر 1969ء میں رباط میں اسلامی ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس کے فیصلوں کے تحت قائم کی گئی اس لئے اس کا صحیح نام اسلامی کانفرنس تنظیم ہے۔

9رجب/22 ستمبر تا12 رجب/25 ستمبر 1969ء(1389ھ) میں تقریباً چالیس سربراہوں کا جو اجتماع ہوا تھا وہ تاریخ ساز واقعہ ہے،کیونکہ اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام اسلامی ممالک کے سربراہ اس اجتماع میں شریک ہوئے تھے،اس

اجتماع نے اتحاد اسلام کے اس خواب کو حقیقت کا جامعہ پہنا دیا جو جمال الدین افغانی نے سو سال پہلے دیکھا تھا۔ رابطہ عالم اسلامی کی تشکیل کی طرح مسلمان سربراہوں کے اس اجتماع کے سلسلے میں اور اس کے بعد اسلامی ملکوں کی تنظیم کی تشکیل میں بھی بنیادی کردار سعودی عرب اور شاہ فیصل نے ادا کیا تھا، اس کے بعد س اسلامی سربراہوں کی کانفرنس اور اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس کے اجتماعات معمولات میں سے ہو گئے۔

اسلامی ملکوں کی تنظیم ستمبر 1969ء میں رباط میں مسلمان سربراہوں کی کانفرنس کے فیصلوں اور اس کے بعد مارچ 1970ء میں جدہ میں اور ستمبر 1970ء میں کراچی میں اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنسوں کے فیصلوں کے نتیجے میں مئی 1971ء میں قائم کی گئی تھی۔ صدر دفتر جدہ میں ہے جو اسلامی سیکرٹریٹ کہلاتا ہے۔

اسلامی تنظیم کے تحت گزشتہ دس سالوں میں ادارے قائم کئے گئے وہ حسب ذیل ہیں:

1۔ بین الاقوامی اسلامی خبر رساں ایجنسی:

یہ دسمبر 1972ء میں قائم کی گئی لیکن بعض اسباب کی بنا پر ابھی تک کام شروع نہیں کر سکی۔ صرف دفتر قائم ہے۔

2۔ اسلامی کمیشن برائے معاشی، ثقافتی اور سماجی امور (ICEASA):

یہ اسلامی تنظیم کا خاص ادارہ ہے، وزرائے خارجہ کانفرنسوں میں منظور کی جانے والی قراردادوں پر عملدرآمد کی ذمہ داری اسی ادارہ پر ہے، یہ کمیشن لاہور میں ہونے والی دوسری سربراہی کانفرنس (1974ء) کے فیصلوں کے مطابق قائم کیا گیا ہے۔

3۔ اسلامی ترقیاتی بینک:

یہ بینک 1974ء میں قائم ہوا لیکن کام کا صحیح معنوں میں آغاز جنوری 1977ء سے ہوا، صدر دفتر جدہ میں ہے۔ ڈھائی ارب ڈالر کے سرمایہ سے شروع کیا گیا ہے اور اسلامی ملکوں کو بلاسودی قرضے فراہم کرتا ہے، سعودی عرب کے ڈاکٹر علی محمد صدر ہیں۔

4۔ اسلامی استحکام فنڈ (ISF):

یہ فنڈ لاہور کی سربراہی کانفرنس 1974ء کی ایک قرارداد کے تحت قائم کیا گیا ہے اس کا مقصد اسلامی ممالک میں ہونے والی دینی، تعلیمی اور سماجی کاموں میں مدد کرنا اور ان کا معیار بلند کرنا ہے۔

5۔ اسلامی ایوان تجارت، صنعت وتبادلہ اجناس:

اس کا صدر دفتر کراچی میں ہے۔ ایوان کا پہلا اجلاس فروری 1980ء میں ڈاکار (سینیگال) میں ہوا تھا۔

6۔ اسلامی ملکوں کی نشریاتی تنظیم (ISBO):

صدر دفتر جدہ میں ہے اس تنظیم کا مقصد اسلامی ملکوں کے نشریاتی پروگراموں کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے میں مدد دینا ہے۔

7۔ اعداد و شمار اور معاشی اور سماجی ترقی اور تربیت کا مرکز:

یہ مرکز 1978ء میں قائم کیا گیا، صدر دفتر انقرہ (ترکی) میں واقع ہے۔

8۔ فنی اور پیشہ وارانہ تربین اور تحقیق کا مرکز:

ڈھاکہ میں مارچ 1981ء میں سنگ بنیاد رکھا گیا۔ 1983ء سے کام شروع کیا ہے۔

9۔ اسلامی تاریخ، آرٹ اور کلچر کا تحقیقی مرکز:

یہ مرکز استنبول (ترکی) میں قائم کیا گیا ہے اور اس کے لئے استحکام فنڈز نے رقم فراہم کی ہے۔

10۔ اسلامی بینکنگ ٹریننگ انسٹیٹیوٹ:

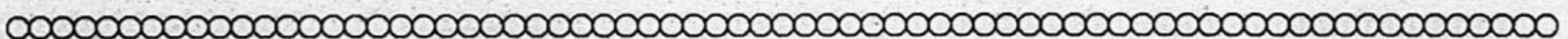
یہ ادارہ 27 مارچ 1981ء کو قبرص میں قائم کیا گیا۔

11۔ اسلامک کونسل آف یورپ:

یہ کونسل اسلامی وزرائے خارجہ کی تیسری اور چوتھی کانفرنس کی قراردادوں کی تکمیل میں مئی 1973ء میں قائم کی گئی اس کا صدر دفتر لندن میں ہے۔

مذکورہ بالا اداروں کے علاوہ دو اور ادارے بھی ہیں جن کا اگرچہ اسلامی ملکوں کی تنظیم سے تعلق نہیں لیکن وہ بھی بین الاقوامی اہمیت کے حامل ہیں، ان میں ایک شاہ فیصل فاؤنڈیشن ہے جو 1976ء میں شاہ فیصل شہید کی یاد میں قائم کی گئی اور جس کی طرف سے ہر سال اسلامی اور علمی و ادبی کارناموں پر شاہ فیصل ایوارڈ دیا جاتا ہے۔ یہ اسلامی دنیا کا پہلا اور سب سے بڑا انعام ہے اور یورپ کے نوبل انعام کی طرح ہے یہ انعام دو لاکھ ریال کا ہوتا ہے۔

دوسرا ادارہ ''اسلامی بینکوں کی بین الاقوامی ایسوسی ایشن'' ہے جس کے صدر شاہ فیصل کے صاحبزادے شہزادہ محمد فیصل ہیں، اس کا مقصد بینکوں کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے میں مدد دینا ہے۔



براعظم ایشیا سے براعظم افریقہ ویورپ تک مسلم قومی ریاستوں کا وجود اس بات کی عکاسی کر رہا ہے کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے، اس کی تعلیمات ہمہ گیر اور جامع ہیں۔ اس کے اندر کوئی لسانی، وطنی اور علاقائی تعصبات نہیں۔ عالم اسلام کے آپس کے اختلاف کے خاتمے کیلئے ایک ہی کلیہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر اختلافات کا خاتمہ کیا جائے۔

عالم اسلام کے پچاس سے زائد مسلم ممالک نے اپنے مسائل کے حل کیلئے ایک مشترکہ فورم بھی تشکیل دے رکھا ہے۔ جسے OIC یعنی ''آرگنائزیشن آف اسلام کانفرنس'' جس کے زیر اہتمام وہ آپس کے اختلافات کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس تنظیم کے ذیلی اداروں کے ذریعے عالم اسلام کی سائنسی و علمی ترقی کیلئے بھی ادارے کام کر رہے ہیں۔ اس طرح کچھ اور تنظیموں مثلاً ''رابطہ عالم اسلامی'' وغیرہ بھی اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

12.3 عالم اسلام کے اہم مسائل:

آج عالم اسلام گونا گوں مسائل سے دوچار ہے، ان میں سے بعض مسائل اس کے اپنے پیدا کردہ ہیں جیسے فرقہ وارانہ اختلافات، نسلی و لسانی تعصبات، غربت و افلاس، تعلیمی پسماندگی و جہالت اور دہشت گردی وغیرہ اور کچھ مسائل عالمی طاقتوں اور استعماری اور طاغوتی قوتوں کے پیدا کردہ ہیں جو عالم اسلام کی فکری پختگی، نظریاتی وحدت اور اسلامی نظریہ حیات سے وابستگی سے خائف ہیں اور عالم اسلام کو منتشر کرنے اور ان میں سیاسی اور معاشی مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ عالم اسلام کے اہم ترین مسائل میں یہاں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

الف۔ مسئلہ کشمیر
ب۔ مسئلہ فلسطین
ج۔ مسئلہ عراق
د۔ مسئلہ افغانستان

الف) مسئلہ کشمیر:

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی استعمار نے تقریباً ایک صدی حکومت کی ہے اور ان کے اقتدار کا بنیادی فلسفہ، تقسیم

اور اقتدار حکومت پر مبنی تھا انہوں نے اس خطہ میں بسنے والی اقوام میں اس کے بیج بوئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ہندوستان آزاد ہوا تو مسلمانوں پر بے پناہ ظلم وستم ہوا اور جن جن علاقوں میں مسلم اکثریت تھی اور جن کو پاکستان یا ہندوستان سے الحاق کا اختیار تھا ان میں ریاست جموں وکشمیر بھی شامل تھا، مگر بدقسمتی سے وہاں کے حکمرانوں نے اپنی رعایا کی رائے کے برعکس ہندوستان سے الحاق کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ جس سے آغاز میں ایک مسئلہ پیدا ہو گیا، اس وجہ سے دونوں ملکوں کے مابین تین جنگیں ہوئیں اور ہندوستان نے اقوام متحدہ میں اس قرارداد کی حمایت کی جس میں کہا گیا ہے کہ کشمیر کے رہنے والوں کو حق خود ارادیت کے تحت مکمل اختیار ہے کہ وہ جس ملک کے ساتھ چاہیں الحاق کر لیں۔ مگر بعد میں ہندوستان اس قرارداد سے مکر گیا، کشمیر اور اہل کشمیر نے ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کر دی، کئی جہادی تحریکات نے آزادی کشمیر کے لئے قربانیاں دیں اور یہ تحریک اب تک رواں دواں ہے۔

ب) مسئلہ فلسطین:

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب ترکی کے حصے بخرے کئے گئے تھے۔ فلسطین میں صیہونی تحریکات جس کو برطانوی اور مغربی طاقتوں کی حمایت حاصل تھی۔ ایک یہودی ریاست اسرائیل کی بنیاد رکھی۔ اس وقت عالم اسلام اسرائیل کے وجود کے خلاف ہے اور وہ فلسطین کے عوام کے ایک جائز مطالبہ کی حمایت کرتا ہے۔ اسرائیل نے آہستہ آہستہ عرب ممالک شام، مصر، اردن اور لبنان کے سرحدی علاقوں میں اپنے توسیع پسندانہ عزائم جاری رکھے ہوئے ہیں اور فلسطین کے عوام دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ عالم اسلام میں "القدس کمیٹی" اور بیت المقدس کی حفاظت کیلئے کئی اقدامات کئے ہیں۔ مگر عالمی طاقتیں عربوں کی نااتفاق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسرائیل کی حمایت اور اس کے وجود کو برقرار رکھنے میں مدد دے رہی ہیں۔

ج) مسئلہ عراق:

عراق اسلامی خلافت کا مرکز رہا ہے، خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد وہاں برطانوی تسلط قائم ہوا، عراق نے آزادی کی جنگ لڑی اور ایک آزاد مملکت کی صورت میں عالم پر نظر آیا، پہلے پہل بادشاہت قائم ہوئی، بعدازاں عرب قومیت کی حامل بعث پارٹی نے انقلاب کے ذریعے وہاں بادشاہت ختم کر دی اور صدام حسین صدر بنے۔ ایرانی انقلاب کے بعد عراق اور ایران کے مابین خلیج نے ایک جزیرہ سے متعلق اختلاف پیدا ہوا، جو جنگ خلیج کی صورت میں رونما ہوا، تقریباً 8 سال تک یہ جنگ جاری رہی، ابھی عراق اس جنگ سے فارغ ہوا تھا کہ صدر صدام حسین نے کویت پر چڑھائی کر دی، کویت کی حمایت و مدد کی غرض سے مغربی واتحادی قوتوں نے عراق پر حملہ کر دیا اور اس کو شکست کی ہزیمت اٹھانی پڑی۔ امریکہ نے ایٹمی

اسلحہ اور کیمیائی ہتھیاروں کی تیاری کا بہانہ کر کے پہلے عراق کی اقتصادی ناکہ بندی کی بعدازاں اس پر حملہ کر کے عراق کے تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ صدام حکومت معزول کردی اور صدام کو قید کرلیا گیا، دو سال کے عدالتی ٹرائل کے بعد صدام حسین کو پھانسی دے دی گئی۔ اب عراق پر امریکی حمایت یافتہ عراقیوں کی حکومت ہے جس کے خلاف عوام مزاحمت آئے روز بڑھتی جا رہی ہے۔ ہر روز سینکڑوں افراد فتنہ وفساد میں قتل ہو رہے ہیں۔

د) مسئلہ افغانستان:

افغانستان ہمیشہ سے ایک آزاد و خودمختار ملک کی حیثیت سے اپنا وجود منواتا رہا ہے۔ 1979ء میں روسی فوجوں نے افغانستان پر قبضہ کرلیا، جس کے خلاف پورے عالم اسلام میں شدید ردعمل دیکھنے کو آیا۔ افغانستان کے عوام نے روسی افواج کی جارحیت کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس جہاد میں پورے عالم اسلام سے نوجوان شریک ہوئے۔ پاکستان کی غیر متزلزل حمایت و امداد کی بدولت افغانستان کے عوام نے اپنے وطن سے روسی فوجوں کو نکلنے پر مجبور کر دیا۔

روسی افواج کے تسلط کے بعد وہاں مجاہدین کی حکومت قائم ہوئی، مگر آپس کے اختلافات اور قبائلی نظام کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکی اور ایک عرصہ تک خانہ جنگی کی صورتحال رہی، آخرکار افغان طالب علموں نے جنہیں طالبان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ایک تحریک کی بنیاد پر پورے افغانستان پر قبضہ کر کے اسلامی حکومت قائم کردی۔ طالبان کی اس حکومت نے افغانستان میں امن وامان کی صورتحال کو کنٹرول کیا اور ایک مستحکم نظام وضع کیا مگر مغربی طاقتیں جو ایک منظم افغانستان اور ایک اسلامی اقتدار کو برداشت نہ کرسکیں۔

9/11 جس میں امریکہ کے دوٹاور پر فضائی حملے کئے گئے کا بہانہ بنا کر امریکہ نے طالبان کے خلاف اور ایک مبینہ تنظیم القاعدہ پر الزام لگاتے ہوئے افغانستان پر حملہ کردیا اور طالبان کی حکومت ختم کردی۔

اب افغانستان میں امریکی حمایت یافتہ حامد کرزئی کی حکومت ہے جبکہ افغانستان میں نیٹو افواج طالبان کے خلاف حملے کر رہی ہیں، تاہم افغان عوام غیرملکی تسلط کے خلاف مسلسل برسرپیکار ہیں۔

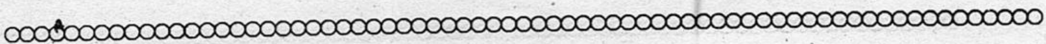
خود آزمائی:

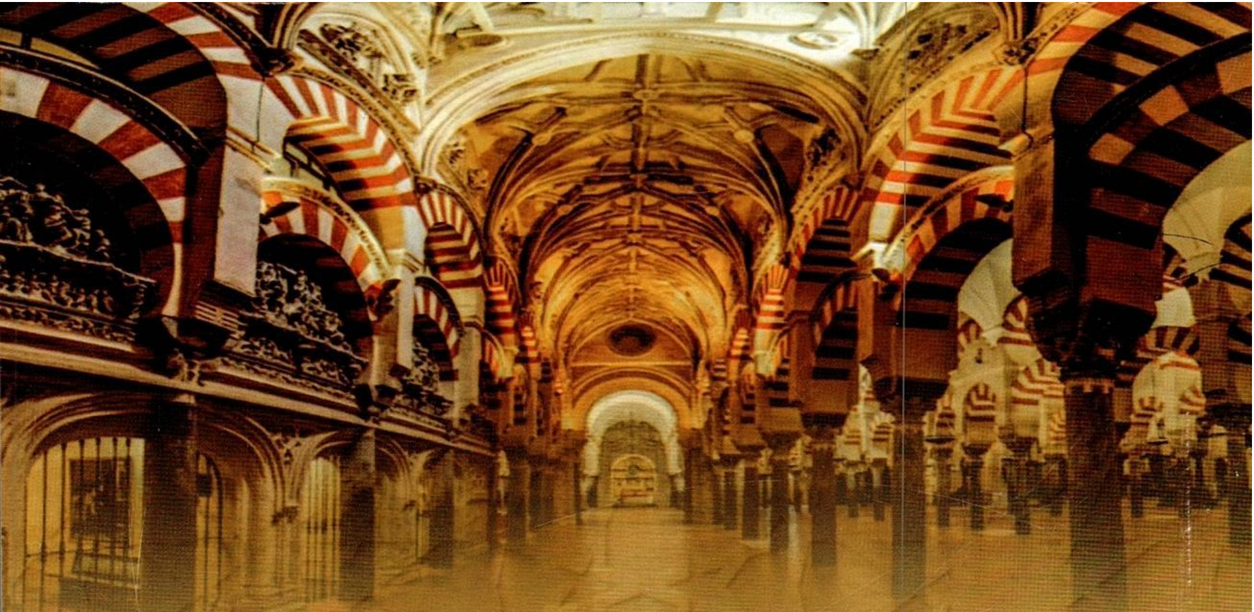
1۔ عالم اسلام کا مختصر تعارف کروائیں۔

2۔ براعظم ایشیا میں کون کون سے مسلم ممالک واقع ہیں۔

3۔ افریقہ کے اہم مسلم ممالک کا تعارف کروائیں۔

4 براعظم یورپ کے مسلم ممالک کا جائزہ لیجئے۔







شعبہ اسلامی فکر، تاریخ وثقافت

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد